تعشق لکھنوی
(حیات، شخصیت، فن اور کلام)
تحقیق، ترتیب و تدوین
ڈاکٹر سید تقی عابدی

تعشق لکھنوی

(حیات، شخصیت، فن اور کلام)

تحقیق، ترتیب و تدوین

ڈاکٹر سید تقی عابدی

کتاب	:	تعشق لکھنوی (حیات، شخصیت، فن اور کلام)
تحقیق، ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر سید تقی عابدی
سنہ اشاعت	:	2007ء
تعداد	:	500
ایڈیشن	:	اوّل
کمپوزنگ	:	افراح کمپیوٹر سنٹر، D-15، گلی نمبر 2، بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025
زیر اہتمام	:	ڈاکٹر شاہد حسین، نئی دہلی۔ 110002

ملنے کے پتے

DR. SYED TAGHI ABEDI

1110, Secretariate Rd, New Market ON
L3x 1M4 Canada
Tel : 905-868-9578(Res)
Tel: 416-495-2701 Ext. 5233(work)
Fax 905-868-9578
e-mail: taqiabedi@rogers.com

SHAHID PUBLICATIONS

2253, Resham Street, Kucha Chelan,
Darya Ganj, New Delhi-110002
M 9868572724 Tel: 011-23272724
e-mail: drshahidhusain_786@yahoo.co.in

فہرست

نمبر شمارہ	عنوان	صفحہ
1	رو میں ہے رخشِ عمر	5
2	انتساب	7
3	مقدمہ	9
4	تصویرِ تعشق لکھنوی	11
5	شجرہ تعشق لکھنوی	13
6	تعشق کا زندگی نامہ	15
7	تعشق مشاہیر کی نظر میں	27
8	رباعیات	33
9	تعشق کی غزل	47
10	فہرست غزلیات	59
11	غزلیں	63

12	تعشق کی سلام نگاری	121
13	فہرست سلام	127
14	سلام	131
15	تعشق کی مرثیہ گوئی۔ ڈاکٹر جعفر رضا	191
16	فہرست مراثی تعشق	241
17	قصیدہ کا شہسوار تعشق لکھنوی	245
18	فہرست قصاید	257
19	قصاید	259
20	کتابیات	291

رَو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سیّد تقی عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلّص	:	تقی
والد کا نام	:	سیّد سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)

تصانیف	:	(۳۱) شہید (1982)۔ جوشِ مودت۔ گلشن رویا۔ اقبالؔ کے عرفانی زاویے۔ انشاء اللہ خان انشاؔ۔ رموزِ شاعری۔ اظہارِ حق۔ مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر۔ سلکِ سلام دبیرؔ۔ تجزیہ یادگار انیسؔ۔ ابواب المصائب، ذکرِ دُرباران۔ عروسِ سخن۔ مصحفِ فارسی دبیر۔ مثنویاتِ دبیرؔ۔ کائنات نجمؔ۔ روپ کنوار کماری۔ دُربارِ رسالتؐ۔ فکرِ مطمئنہ۔ خوشۂ انجم۔ دُر دریائے نجف۔ تاثیر ماتم۔ نجمیؔ مایا (اُردو + ہندی)۔ مصحفِ تغز ل۔ روشِ انقلاب۔ ھوالنجم۔ غالبؔ دیوان نعت ومنقبت۔ سبد سخن۔ چوں مرگ آید
زیرِ تالیف	:	تجزیہ شکوہ جواب شکوہ۔ رباعیات دبیرؔ۔ فانیؔ لا فانی۔ مصحفِ تاریخ گوئی۔ تجزیہ روپ (رباعیات فراقؔ)

انتساب

شاعرِ شریں بیاں، رثائی ادب کے وحید عصر

سیّد وحید الحسن ہاشمی

کے نام

وصفش از شرح و بیاں بالا تر است
ہر چہ من گویم از آں والا تر است

مقدمہ

مجھے خود پتہ نہیں کہ تعشق لکھنوی پر مقدمہ لکھ رہا ہوں یا تعشق لکھنوی کے وکیل مدافعہ کی حیثیت سے اُردو ادب کی عدالت عالیہ میں مقدمہ دائر کرر ہا ہوں۔ وہ تعشق لکھنوی جس کو آتش ثانی کہتے تھے انہی کی سکونت رکاب گنج سے متاثر ہوکر علمائے ادب کہتے تھے '' فصاحت جس کا نام ہے وہ رکاب گنج کی لونڈی ہے۔'' وہ تعشق جن کی غزلیں کوثر وتسنیم سے دُھلی پاک و پاکیزہ اُردو ادب کو تحفہ میں پیش کی گئی تھیں۔ وہ تعشق جن کے سلام آج بھی عمدہ ترین سلام سمجھے جاتے ہیں اور جن کے مراثی انیس و دبیر کے مراثی کے ہم پلہ ہیں اور جن کے تقریباً سترہ (۱۷) ہزار اشعار زیور طباعت سے مزین ہیں۔ اُس تعشق کے نام، کام اور کلام کو اُردو ادب کے پرستاروں نے نہ جانے کیوں طاق نسیاں کے سپرد کردیا۔ اس ادبی کاوش کو تعشق لکھنوی کے حضور میں پیش کرتے ہوئے مجھے کم مائیگی کے ساتھ ساتھ بالیدگی کا احساس بھی ہورہا ہے اگرچہ اس دستاویز کی حیثیت اُسی طرح ہے۔

ع۔ جس طرح پائے مور، سلیماں کے سامنے

تقریباً سو سال قبل اُردو ترقی بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور آج اُردو تحفظ بورڈ کی ضرورت ہے جس کی ایک وجہ اُردو دنیا میں عدل و انصاف کی کمی بھی ہے۔ ہمیں حق حقدار کو دینا ہوگا۔

سچ تو یہ ہے کہ تعشق لکھنوی کے ساتھ انصاف نہ ہو سکا۔ ارادہ ہے کہ تعشق کے مرثیوں کو علاحدہ شائع کیا جائے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ تعشق کے مرثیوں پر بات کیے بغیر بات نہیں بنتی اس لیے اس کمی کو پوری کرنے کے لیے پروفیسر جعفر رضا کی عمدہ کتاب ''دبستانِ عشق کی مرثیہ گوئی'' کے شاہکار مضمون ''تعشق کی مرثیہ گوئی'' کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، جس کے لیے ہم موصوف کے مشکور وممنون ہیں۔

خیر اندیش

سید تقی عابدی

(کنیڈا)

آئینہ خانہ ہے یہ بزمِ جہاں
اک یہاں ایک کے مقابل ہے (تعشق لکھنوی)

شجرہ خاندان تعشقؔ

سید محمد میرزا صاحب اُنسؔ

سید حسین میرزا عشقؔ — سید احمد میرزا صابرؔ — سید میرزا تعشقؔ — سید نواب میرزا عاشقؔ — سید عباس میرزا صبرؔ

سید حسین میرزا عشقؔ ← سید حیدر میرزا ادبؔ

سید میرزا تعشقؔ ← سید نواب میرزا تعلقؔ

سید حیدر میرزا ادبؔ ← سید عسکری میرزا مؤدبؔ — سید حسن میرزا ادیبؔ

سید احمد میرزا صابرؔ ← سید مصطفیٰ میرزا رشیدؔ — سید عابد میرزا سعیدؔ — سید باقر میرزا حمیدؔ — سید صادق میرزا مجیدؔ — سید مہدی میرزا جدیدؔ

سید عسکری میرزا مؤدبؔ ← سید محمد میرزا مہذبؔ — سید عابد میرزا مکرمؔ

سید مصطفیٰ میرزا رشیدؔ ← دختر

سید عابد میرزا سعیدؔ ← سید فضل عباس میرزا علیمؔ

سید مہدی میرزا جدیدؔ ← سید افضل میرزا قسیمؔ

سید محمد میرزا مہذبؔ ← سید حسین میرزا مقربؔ — سید احمد میرزا مجربؔ

دختر ← سید سجاد حسین شدیدؔ

سید فضل عباس میرزا علیمؔ ← سید منظر آغا میرزا عظیمؔ

سید افضل میرزا قسیمؔ ← سید محمد آغا میرزا سلیمؔ

تعشؔق لکھنوی کا زندگی نامہ

نام	:	سیّد مرزا
لقب	:	سیّد صاحب
تخلص	:	تعشؔق (والد انیؔس لکھنوی نے رکھا)
تاریخ ولادت	:	۳؍مارچ ۱۸۲۳ء مطابق ۱۵؍رجب المرجب ۱۲۳۹ھ
مقام ولادت	:	رکاب گنج دال منڈی۔ لکھنؤ
والد	:	سیّد محمد مرزا انیؔس
جد	:	سیّد ذوالفقار علی رضوی۔ ایران سے ہندوستان تشریف لائے
بھائی	:	چار بھائی سب شاعر تھے۔ سیّد حسین مرزا عشقؔ، سیّد احمد مرزا صابرؔ، سیّد نواب مرزا عاشقؔ اور سیّد عباس مرزا صبرؔ

تعشؔق عشقؔ و عاشقؔ صبرؔ و صابرؔ
یہ پانچوں تن غلام پنجتن ہیں

شریک حیات	:	ایک بیوی جن کے بطن سے مرزا تغلق تھے
اولاد	:	سیّد مرزا تغلق جو لاولد تھے
تعلیم و تربیت	:	تعشؔق کی عربی اور فارسی کی تعلیم ان کے والد سیّد محمد مرزا انیؔس کے زیر نگرانی ہوئی۔ اس کے علاوہ سیف زنی، تیر اندازی اور دیگر لازمہ رسومات بھی ان کے والد ہی کی نگرانی میں انجام ہوئے۔

شکل وصورت: اگر چہ ہمارے پاس ان کی فوٹو گرافی سے تیار کردہ تصویر موجود ہے، جو شکل وصورت کے بیان کے لئے کافی ہے، لیکن پھر بھی مہذب لکھنوی کا بیان کردہ قد و خال اور حلیہ کا بیان سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے۔

''آپ بلند قامت دہرے جسم کے انسان تھے۔ رنگ گندمی مگر نکھرا ہوا، ماتھے پر سجدے کے نشان سے عبادت کی زیادتی وشوق کا پتہ چلتا تھا۔ گھنی اور خشخشی ڈاڑھی تھی۔

وضع اور لباس: بقول مہذب لکھنوی عراق اور لکھنؤ میں تعشق کا لباس وہی قدیم لکھنؤ کی وضع کا لباس رہا۔ یعنی چوگوشیہ ٹوپی، نیچا کرتا، برکا پائجامہ، زردادگی، جاڑوں میں دگلا، گرمیوں میں انگرکھا، رومال اوڑھے ہوئے۔''

شاعری: (الف) تعشق لکھنوی نے گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں شاعری شروع کی اور آخری دم تک مشق سخن جاری رہی۔ اس طرح کُل اٹھاون سال شاعری کی۔

(ب) پہلا شعر: محشر ابھی اس واسطے برپا نہیں ہوتا
تم نے جسے مارا ہے وہ زندہ نہیں ہوتا

(ج) آخری شعر انتقال کے وقت یہ مطلع زبان پر تھا:

ہائے افسوس تعشق نہ ہوا پھر جانا
ایسی ساعت سے چھٹے روضۂ شبیر سے ہم

(د) حکایت: بقول مہذب لکھنوی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرزا انس اور ان کے بڑے بیٹے جناب عشق دونوں فکر شعر میں مصروف تھے۔ شام کو مشاعرہ تھا اور اس طرح میں غزلیں پڑھنی تھیں۔ ع بیار محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

اتفاقاً سید صاحب بھی آ نکلے۔ سب کو خاموش دیکھ کر خود تخت کے کونے پر چپ بیٹھ گئے۔ جب حال معلوم ہوا تو آپ بھی فکر کرنے لگے۔ دس یا گیارہ برس کا سن بچپن نہیں تو اور کیا ہے۔ خوش سوچتے رہے۔ کس کو معلوم تھا کہ سید صاحب کس خیال میں ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے عجب انداز سے سر اٹھایا اور قریب بڑھے۔ مرزا انس نے پوچھا کیا ہے۔ بیٹے نے بچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سمجھے خدا جانے کیا کہنا ہے۔ ارشاد کیا کہو، کہنے

لگے۔ دو مصرعے ہیں، چاہتا ہوں آپ سن لیں۔ باپ نے ہنس کر کہا، اچھا! سناؤ! سید صاحب نے دونوں صاحبوں کو نیچی نظروں سے دیکھتے ہوئے یہ مطلع پڑھا۔

محشر ابھی اس واسطے برپا نہیں ہوتا
تم نے جسے مارا ہے وہ زندہ نہیں ہوتا

سب سن کر خوش ہوئے اور مرزا صاحب نے گلے سے لگا لیا اور تعشق کہہ کر تعریف کی۔ آپ جھکے آداب کیا اور ہنستے ہوئے خوش خوش باہر چلے آئے۔

اساتذہ: 1- پہلے اپنے والد مرزا انس کو کلام دکھایا۔

2- والد کی وفات کے بعد بڑے بھائی عشق سے اصلاح لی۔

تعشق نے کن لوگوں کی شاگردی اختیار کی اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(الف) تعشق کے معاصر تذکرہ نویس محمد عبداللہ ضیغم، ''یادگار ضیغم'' صفحہ (88) پر لکھتے ہیں۔ ''فن شعر میں شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے شاگرد ہیں۔''

(ب) لالہ سری رام نے خمخانہ جاوید جلد 2 صفحہ 107 پر تعشق کو ناسخ کا شاگرد بتایا ہے۔

(پ) رام بابو سکسینہ نے تاریخ اردو ادب صفحہ 286 پر تعشق کو ناسخ کا شاگرد کہا ہے۔

(ت) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ''لکھنؤ کا دبستان شاعری'' صفحہ 730 پر تعشق کو ناسخ کا شاگرد کہا ہے۔

(ٹ) پروفیسر جعفر رضا ''دبستان عشق کی مرثیہ گوئی'' صفحہ 223 پر لکھتے ہیں۔ ''رام بابو سکسینہ، لالہ سری رام اور ڈاکٹر ابواللیث نے غالباً صاحب یادگار ضیغم کی روایت پر اعتبار کر کے تعشق کو شیخ ناسخ کا شاگرد کہا ہے۔ ''یادگار ضیغم'' میں غزل گویوں کے ہی تذکرے کیے ہیں جس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے غزل گوئی میں تعشق کو شیخ ناسخ کا شاگرد کہا ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ تعشق نے ایک غزل کے مقطع میں ناسخ سے تعلق کا اظہار کیا ہے:

اے تعشق مثل ناسخ تھا کبھی ہم کو بھی عیش
وصل میں تھی رونق نوائے چنگ و شمع

(ث) تعشق کے معاصر تذکرہ نویس عبدالغفور خاں نساخ کا بھی بیان یہی ہے کہ وہ انس کے شاگرد ہیں۔ ''تعشق تخلص، سید محمد مرزا ولد و شاگرد مرزا انس باشندہ لکھنؤ صاحب دیوان شاعر ہیں''۔

(ج) میر انس کے پرپوتے افضل مرزا فہیم نے تعشق کو صرف انس اور عشق کا شاگرد بتایا ہے۔ ''سوائے اپنے والد مرزا انس صاحب اور بڑے بھائی عشق کے کسی اور سے اپنے کلام پر اصلاح نہ لی۔''

(چ) مہذب لکھنوی نے تعشق کو صرف انس اور ان کے بڑے بھائی عشق کا شاگرد بتایا ہے۔ چنانچہ ''دور تعشق'' میں لکھتے ہیں ''سب سے پہلا شعر جو باپ اور بڑے بھائی کے سامنے بہ نظر اصلاح پڑھا اور بعد کو بھی سوا ان دونوں کے کسی سے اصلاح نہ لی۔ پدر محترم کی حیات تک ان کو کلام دکھایا۔ ان کی وفات کے بعد جناب عشق کو کلام دکھایا۔ اکثر یہ ہوا ہے کہ تعشق مرحوم نے عراق سے مراثی کہہ کر جناب عشق کو بھیجے تاکہ لکھنؤ کی مجلسوں میں پڑھے جائیں۔ خود سید صاحب نے کوئی مرثیہ نہ پڑھا جب تک باپ یا بڑے بھائی سے اصلاح نہ لی۔ عشق مرثیوں میں جہاں اختلاف ہوتا، لفظاً یا مصرع پر مرثیہ گول حلقہ بنا کے لکھ دیا کرتے کہ بھائی میری احتیاط اس کی تائید نہیں کرتی۔ بعض اوقات جوش مسرت میں یہاں تک لکھ دیا کرتے کہ بھائی جیسی نازک خیالی سے تم نے کام لیا ہے یا جو مقامات نادرہ کہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا۔

ان تمام حوالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقم بھی اس بات کو حقیقت کے قریب سمجھتا ہے کہ تعشق لکھنوی سوائے اپنے والد انس لکھنوی اور بڑے بھائی عشق لکھنوی کے کسی اور کے شاگرد نہیں رہے۔

طریقۂ تصنیف: فکر شعر کے لئے کوئی خاص وقت نہ تھا۔ ہر وقت شعر گوئی میں مشغول رہتے تھے۔ مہذب لکھنوی لکھتے ہیں ''عالم یہ ہوتا تھا کہ اپنے کمرہ میں صحن کی

طرف پشت اور دیوار کی طرف منہ کر کے جھک کر بیٹھ جاتے تھے۔ تلے اوپر دو تکیے رکھ کران پر کاغذ رکھ لیتے اور لکھتے تھے۔

حکایت: محویت کا یہ عالم تھا کہ ایک روز حسب معمول دسترخوان بچھنے لگا۔ جناب عشق نے حکم فرمایا سید صاحب کو بلاؤ۔ چنانچہ پیش خدمت بلانے گئی۔ ابھی دسترخوان اچھی طرح چنا نہیں گیا تھا اور جناب عشق بھی دسترخوان پر تشریف نہیں لائے تھے۔ جناب سید صاحب دسترخوان پر آکر بیٹھ گئے، اتفاقاً سامنے بڑی بھاوج کا پرہیزی کھانا قریب رکھا تھا جو واقعاً بدمزا تھا۔ بغیر بڑے بھائی کے انتظار کے جلدی جلدی کھانا کھا کے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر فکر سخن میں مشغول ہوگئے۔ جب جناب عشق دسترخوان پر تشریف لائے اور ان کی زوجہ نے ماما سے اپنا پرہیزی سالن طلب کیا تو اس نے کہا کہ بی بی دسترخوان پر میں نے رکھ دیا ہے، یہ کہہ کر اس نے کہا کہ دیکھئے وہ تشتری رکھی ہے جس میں سالن تھا۔ بعد تحقیق معلوم ہوا کہ سید صاحب سب سے پہلے دسترخوان پر کھانا کھا کر چلے گئے۔ جناب عشق کو معلوم ہوا تو انھوں نے سید صاحب سے پوچھا کہ آج تم نے کیا کھایا۔ عرض کیا کہ یہ مجھے یاد نہیں کیا کھایا، ہاں کھانا کھالیا تو جناب عشق نے فرمایا کہ تم نے اپنی بھاوج کے کھانے کا پرہیزی بدمزہ سالن کھالیا اور محسوس نہ ہوا۔ تم سے کیوں کر کھایا گیا۔ سید صاحب نے عرض کیا کہ میں مرثیہ کی تیاری کی فکر میں کچھ محسوس نہ کر سکا۔

مقدار تصانیف: جناب مہذب لکھنوی "افکار تعشق" جلد اول کے دیباچہ میں کلام کے تلف کر دینے کی بابت لکھتے ہیں۔ "حضرت تعشق لکھنوی مرحوم کے غزلیات کا ذخیرہ بھی بہت کافی اور قابل دید تھا لیکن خود مرحوم نے اپنے سفر عراق میں وہ سب کلام سمندر کی نذر کر دیا اور یہ چاہا کہ دنیا کے سامنے ان کا نام صرف مداح حسینؑ کی حیثیت سے باقی رہے اور غزل گوئی کی شہرت مدح خوانی کی مقبولیت میں شریک نہ ہو۔ موصوف کا ایک مختصر دیوان طبع ہوا ہے لیکن اس میں صرف وہی غزلیں ہیں جو ان کے شاگردوں کے پاس محفوظ رہ گئی تھیں اور کچھ غیر مطبوعہ غزلیں ابھی اور بھی ان کے خاندان میں موجود ہیں لیکن مرحوم کی وصیت کے مطابق اس کلام کا چھپوایا جانا شاید مناسب نہیں سمجھا گیا۔"

یہاں اس امر کا انکشاف بھی ضروری ہے کہ غزلیات کا دیوان مطبوعہ شام اودھ پریس باہتمام محمد سجاد حسین ۱۳۳۷ ہجری شائع ہوا جس میں اُنسٹھ (59) غزلیں، معروف ادیب وشاعر مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی صاحب کی تقریظ اور ابر لکھنوی کا دیباچہ شامل ہے۔ یہی نہیں بلکہ خود مہذب لکھنوی نے اپنی تصنیف ''دور تعشق'' مطبوعہ 1946ء میں اڑتیس (38) غزلوں کو شائع کیا اور ان پر مفید اور عمدہ تبصرے بھی کئے ہیں۔

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں کہ تعشق کا غیر مطبوعہ کلام ان کے پاس موجود ہے لیکن کتنا کلام ہے اس کی اطلاع نہیں ہے۔ تعشق لکھنوی نے رباعیات، غزلیات، قصیدے، سلام، قطعات اور مرثیے تصنیف کئے۔ ہمیں تعشق مرحوم کی کوئی مثنوی دستیاب نہیں ہوئی۔

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں ''تعشق مرحوم کی آخر عمر کا واقعہ ہے کہ ایک دن کسی نے وہ صندوقچہ جس میں ان کا تمام کلام محفوظ تھا، چرالیا جس کا افسوس مرحوم کو تادم مرگ باقی رہا۔ بہت تلاش کی مگر اس شخص کا پتہ نہ چلا۔ تمام کائنات میں صرف وہ حصہ بچ گیا جو اس صندوقچہ کے علاوہ تھا، یا جو بعد میں نظم فرمایا۔ اس سانحہ عظیم کے بعد سے بہت ہی رنجیدہ رہتے تھے۔ کبھی آنکھوں میں آنسو بھر لاتے کبھی ٹھنڈی سانسیں بھرتے تھے اور کبھی اپنا یہ شعر پڑھتے تھے۔ شعر

گنج گوہر بھی جو اب ہاتھ آئے تو کس کام کا

اے جنوں میرا دل پُر آبلہ جاتا رہا

مہذب لکھنوی نے لکھا تعشق مرحوم کی مقدار تصنیف جو باقی رہ گئی، اس میں کل سینتیس (37) مرثیے، کچھ کم سو غزلیں باقی رہیں۔ کچھ قصاید و سلام غیر مطبوعہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ راقم کی تحقیق کے مطابق تعشق لکھنوی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کی مقدار یہ ہے۔

کل غزلیں = ۹۰

کل اشعار غزل = ۹۸۵

کل رباعیاں = ۲۷

کل اشعار رباعی = ۵۴

کل سلام = ۶۲

کل اشعار سلام = ۱۰۵۶

کل مراثی = ۳۴

کل اشعار مرثیہ = ۱۴۷۶۶

کل قصاید = ۱۴

کل اشعار قصیدہ = ۶۳۱

تعداد کل اشعار = ۱۷۴۶۲

شاگرد: تعشق لکھنوی نے میر عشق کی زندگی میں لکھنؤ میں کسی کو اپنا شاگرد بنانا پسند نہیں کیا لیکن عراق کے قیام کے دوران وہاں کے بعض افراد نے انہیں اپنا استاد بنایا۔ میر عشق کے انتقال کے بعد ان کے تمام تر شاگردوں نے تعشق کو اپنا استاد مانا چنانچہ افضل مرزا قسیم کہتے ہیں: ''ان کے شاگردوں میں مصطفٰی مرزا رشید، باقر صاحب حمید، مہدی صاحب جدید، ادب صاحب، نواب محسن آغا صاحب، نواب جعفر علی خاں صاحب، باقر علی خان صاحب شہیر ہیں۔'' میر سعادت علی رضوی ''وسیلہ نجات'' میں لکھتے ہیں مصطفٰی مرزا رشید کی طبیعت میں انتہائی غزلیت تھی۔ اس پر تعشق کی شاگردی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

ذاکری: تعشق نے لکھنؤ اور عراق کے علاوہ کہیں اور مرثیہ نہیں پڑھا۔ پہلے لکھنؤ میں میر عشق کی مجلس کی پیش خوانی کرتے رہے۔ لکھنؤ اور بعض اوقات عراق میں مرثیہ پڑھا تو بہت کامیاب رہے۔ بعض اوقات عراق سے مرثیہ کہہ کر عشق لکھنوی کو بھیج دیتے تاکہ لکھنو کی مجلسوں میں پڑھے جائیں۔ چنانچہ عشق اعلان کرکے مرثیہ پڑھتے کہ تعشق لکھنوی نے یہ مرثیہ عراق سے کہہ کر روانہ کیا ہے تاکہ آپ لوگ سن سکیں۔

مسافرت: تعشق لکھنوی نے عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے تین سفر کئے۔

پہلا سفر: 1882ء میں کیا جب آپ کی عمر (30) تیس سال تھی۔ اس سفر میں آپ کے والد ساتھ گئے تھے اور دوسرے سال لکھنؤ واپس ہوئے۔

دوسرا سفر: 1858ء میں کیا اور 18 سال حجاز عراق اور ایران میں رہ کر لکھنؤ آئے۔

تیسرا سفر: 1878ء میں کیا اور دو سال عراق میں رہ کر والد کے اصرار پر لکھنؤ واپس آ گئے۔

تعشق لکھنوی نے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ لکھنؤ کے باہر صرف کیا جس کی مختلف افراد نے مختلف وجوہات بتائی ہیں۔ جناب کاظم حسین آزاد، افضل مرزا قسیم، اور سجاد حسین شدید نے اس کی اصل وجہ مرثیہ گوئی میں لکھنؤ میں عشق پر ان کی ترجیح بتائی ہے، جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں کشیدگی کا امکان نظر آنے لگا تھا جس کی خاطر تعشق نے عراق کی سکونت اختیار کر لی۔ خود افضل مرزا قسیم نے تعشق سے سنا کہ وہ عشق کے مقابلہ میں نہیں پڑھنا چاہتے تھے کیونکہ شاعری ایسی چیز ہے جو دل میں گرہ ڈال دیتی ہے۔ لیکن مہذب لکھنوی نے اس بیان کی تردید میں لکھا ''یہ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ جناب عشق سید صاحب کے بڑے بھائی اور استاد بھی تھے۔ لکھنؤ میں ایک مستند و محقق شاعر مرثیہ گو مان لیے گئے تھے۔ سیکڑوں شاگرد لکھنؤ میں موجود تھے۔ لاکھ سید صاحب خوش گو تھے اور کلام عام پسند تھا لیکن جناب عشق سے مسلم الثبوت استاد پر بھلا کیا اثر پڑ سکتا تھا۔''

تعشق لکھنوی حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد مدینہ منورہ، نجف، کربلا، کاظمین، سامرہ اور مشہد مقدس کی زیارتوں سے شرف یاب ہوئے۔ جہاں بھی گئے وہیں پر قصیدہ، سلام یا مرثیہ تصنیف کیا۔

حج سے فارغ ہوتے ہی ایک تاثراتی نظم ''نتیجہ فراق'' نظم کی۔ جس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں۔

مطلع

دیکھئے پھر بھی کبھی بخت رسا ہوتے ہیں
وائے تقدیر کہ کعبہ سے جدا ہوتے ہیں

مقطع

مختصر یہ ہے کہ کہتا ہے تعشق کعبہ
بادشاہی کی کی فصل گدا ہوتے ہیں

مدینہ منورہ میں سرکار ختمی مرتبتؐ کے روضہ میں بیٹھ کر قصیدہ معرفت حقیقی تصنیف کیا۔

مطلع: ریاض جناں ہے نثار مدینہ
بڑے جوش پر ہے بہار مدینہ

مشہد مقدس میں آٹھویں امام کی مدح میں فارسی میں قصیدہ دریائے مدح صنعتِ ترصیع میں تصنیف کیا۔

مطلع: حجت رب جلیل مثل نبیؐ بے عدیل
فخر جناب خلیل عاشقِ زار خدا

مقطع: مثلِ سگ آستاں حال تعشق عیاں
گوش کن اے مہرباں سوئے فغانِ گدا

پھر نجف، سامرہ اور کاظمین کے روضوں میں بیٹھ کر قصائد نظم کئے۔ کاظمین میں قصیدہ مجمع البحرین لکھا۔

مطلع: ہے مقام نور دنیا میں مقام کاظمین
صبح جنت پر ہنسا کرتی ہے شام کاظمین

یہی ہیں بلکہ لاجواب مرثیے روضوں میں بیٹھ کر زار و قطار روتے ہوئے تصنیف کرتے تھے۔ چنانچہ روضۂ امام حسینؑ میں معروف مرثیہ تصنیف کیا جس کا مطلع ہے۔

ع۔ ہے جوش قلزم غضب ذوالجلال کو

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں ایک مرثیہ آپ نے رواق سید الشہداؑ میں بیٹھ کر تصنیف کیا جس کا مطلع ہے۔

ع۔ کھینچ اے قلم مرقع صحرائے کربلا

اس مرثیہ میں صحرائے عرب اور ریگستان بلا کے ایسے دلکش اور اعلیٰ مناظر پیش کئے ہیں جن کا اندازہ صرف وہی کرسکتا ہے، جو ان دیار کی خاک چھان چکا ہو۔ مشاہدات ومحاکات کے ایسے اعلیٰ نمونے ہیں جن کا جواب کہیں اور مشکل سے ملے گا۔

پڑھت: اگرچہ تعشق لکھنوی کی پڑھت کے بارے میں زیادہ لکھا نہیں گیا

لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ بہت خوشگو تھے۔ مہذب لکھنوی ''افکار تعشق'' جلد اول میں لکھتے ہیں۔ مشاعرہ عالم ارواح میں ''جب اساتذہ دہلی کے مقابلے میں لکھنؤ سے کسی ذات کو پیش کرنے کا سوال درپیش ہوا تو لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی نے جناب تعشق مرحوم ہی کا نام خوش گوئی میں پیش کیا''۔

حکایت: پروفیسر جعفر رضا ''دبستان عشق'' کی مرثیہ گوئی میں لکھتے ہیں۔

''اس سلسلہ کا ایک واقعہ نواب جعفر علی خاں اثر نے راقم سے بیان کیا جو انہوں نے ایسے لوگوں سے سنا تھا جو اس کے چشم دید گواہ تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک بار ایام عزا میں لکھنؤ میں کہیں مجلس تھی اور میر عشق ذاکر کی حیثیت سے مدعو تھے۔ مجلس کا وقت آیا اور وہ عشق کے ہمراہ ذاکری کے لئے گئے۔ مجلس کی ابتدا میں تعشق نے حسب معمول پیش خوانی کے طور پر چند رباعیوں کے بعد اپنا یہ سلام شروع کیا۔

لے کے دریا کو نہ کیوں سبط پیمبر چھوڑ دے
یہ مزا ہو پیاس کا جس کو وہ کوثر چھوڑ دے

مجلس میں ان کا یہ سلام بہت پسند کیا گیا اور داد و تحسین سے چھتیں اڑنے لگیں۔ جب انہوں نے سلام کا یہ شعر پڑھا تو کہرام برپا ہو گیا۔

شاہ کہتے تھے خیال ذبح اصغر ہے ضرور
دل میں تھوڑی سی جگہ اے داغ اکبر چھوڑ دے

اہل مجلس کی فرمائش پر تعشق نے یہ شعر متعدد بار پڑھا۔ اور تاثر کا یہ عالم ہوا کہ چند لوگ مجلس میں گریہ کرتے بے ہوش ہو گئے۔ میر عشق نے جب یہ عالم دیکھا تو تعشق کو اشارے سے منبر سے اتر آنے کو کہا۔ تعشق منبر سے اتر آئے لیکن گریہ اسی طرح طاری رہا۔ چنانچہ میر عشق ذاکری نہ کر سکے۔ اس مجلس کا اثر ایک عرصہ تک لوگوں کے دل و دماغ پر رہا اور ایام عزا میں جب لوگ آپس میں ملتے تو گلے مل کر تعشق کا یہی شعر پڑھتے اور روتے تھے۔

اخلاق و عادات: تعشق بہت ہی منکسر المزاج، خلیق طبع، ملنسار اور بامحبت شخصیت

تھے۔ ہر شخص کی خاطر مدارات کرتے اور ہمیشہ محبت کا برتاؤ رکھتے۔ لکھنؤ کی مشغل فضا میں تمام اکابرفن سے تعلقات استوار رکھتے تھے خصوصاً میر انیسؔ سے انہیں خاص محبت تھی اور وہ میر انیسؔ کو اپنا ہر نیا مرثیہ سناتے تھے۔ میر انیسؔ سے ان کے تعلقات کی نوعیت دو اہل کمال کی طرز اور ادبی نوعیت کی بھی تھی۔ سفارش حسین رضوی نے ''اردو مرثیہ'' اور رام بابو سکسینہ نے ''تاریخ اردو ادب'' میں بتایا ہے کہ ''میر انیسؔ مرزا تعشق سے بڑی محبت کرتے تھے۔''

آخری صدمات: (الف) شفیق باپ کا سایا سر سے اٹھ گیا۔

(ب) عظیم بھائی جو استاد بھی تھا انتقال کر گیا۔

(ج) کسی شخص نے صندوقچہ میں محفوظ کلام چرالیا۔

چنانچہ ان حالات کے بعد اداس اور خاموش رہنے لگے اور ذاکری ختم کردی، گوشہ نشیں ہوگئے۔

مرض الموت: سینے پر نزلہ گرا اور نمونیہ سے دوچار ہو کر انتقال کیا۔

تاریخ وفات: 3/رمضان 1309 ہجری بروز شنبہ وقت 2 بجے دن۔

جلوس جنازہ: جنازہ میں دوست، عزیز، شاگرد، تمام رؤسا، علماء و شرفا لکھنؤ نے شرکت کی۔

مدفن: پاٹے نالے پر غسل دے کر باغ میاں عشقؔ کی مسجد کے پاس کمرہ میں دفن کیا گیا۔

قطعہ تاریخ: علی میاں کاملؔ نے قطعہ تاریخ نکالی جس کا مادہ تاریخ ہے۔

از زبان ہاتف غیبی بہ پا یخ گفتمش
رفتہ سوئے مجلس جانِ پیمبرؐ آں جناب

(1309 ہجری مطابق 1892ء)

تعشق لکھنوی مشاہیر کی نظر میں

لکھنؤ کے مشہور شاعر سید علی میاں صاحب کامل، تعشق لکھنوی کے مطبوعہ کلام کے قطعہ تاریخ میں کہتے ہیں:

واہ کیا اچھے چھپے یہ مرثیے نام خدا
ہے سواد طبع جن کا سرمۂ چشم قبول

کیوں نہ ہو پرویں نثار ان مرثیوں کی نظم پر
ہر مسدس کی ہے طلعت حیرت انگیز عقول

کس طرح وابستہ اہل حق کے دل اس سے نہ ہوں
سلسلہ ہے کاکلِ حور جناں کا ان کا طول

گلشن فکر تعشق کے ہیں یہ تازہ ثمر
وہ تعشق جو ہیں فن شعر کے اصلِ اصول

آسماں فنِ سخن یہ آفتاب بے زوال
ہیں کمالات ان کے وہ انجم نہیں جنکو افول

آج ان کا ربع مسکوں میں نہیں مثل ونظیر
شاہد اس دعوے کے ہیں معنی شناسان فحول

مصحف خاطر میں ان کے باے بسم اللہ کی
ایک نقطہ میں ہیں سب اس فن کے ابواب وفصول

علم کو ان کے پہنچ سکتا نہیں اوروں کا علم
ارتسامِ صورتِ معنی یہاں ہے بے حصول

مدح سے ذروں کے مستغنی ہے مہر نیمروز
کیوں طبائع کو کروں اطناب مدحت سے ملول

سال ترتیب ان مراثی کا رقم کرائے قلم
حبذا مجموعۂ احوال دلبند رسولؐ

لکھنؤ کے عظیم شاعر مجددی عزیز لکھنوی ان کے کلام پر تقریظ میں لکھتے ہیں:

شعرا کی تاریخ میں دلی سے لے کر اس وقت تک اگر دیکھو تو شاعری کے ۱۳۰۷ ہجری مختلف ادوار نظر آئیں گے۔ زمین شعر کے چپے چپے پر ایسی ایسی خوشنما اور دلفریب کیاریاں بنائی ہیں جس کی نزہت وطراوت روح میں طرح طرح کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ ہر پھول کے رنگ میں نئی بہار جھلک رہی ہے۔ کہیں میر ومرزا کی گلکاری خیال، کہیں

غالبؔ و مومنؔ کی چمن بندی، کہیں آتشؔ و ناسخؔ کی نخلبندی۔ اس باغ کے سیر کرنے والے ششدر ہیں، حیران ہیں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھیں۔ ایک دل کس کس کا حظ اٹھائے۔ مبداء فیاض کا وسیع ترانہ کس قدر نا محدود ہے۔ ہزارہا دوشیزگان مضامین جو قاصرات الطرف ہیں، اس چمن زار کے گوشہ گوشہ میں نظر آرہے ہیں۔ ہر جلوۂ رنگین ایسا دلفریب ہے کہ نگاہوں کا واپس ہونا مشکل ہے۔ معاملہ بندیاں جذبات صادقہ، اغراض نفسانیہ کی بولتی ہوئی تصویریں اور قیامت ڈھا رہی ہیں۔ درد و غم، نشاط و سرور، بیم و رضا، یاس و امید، اطمینان و ہراس، شوق و ناکامی، سعی و جستجو، ہزاروں نقشے آنکھوں کے سامنے کھچے ہوئے ہیں۔ کہیں نازک خیالیاں دہلی کے موقلم کی صنعت، کہیں نکتہ سنجان لکھنؤ کی مصوری ہے۔ یہ دیوان جس کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور لکھنؤ کے مشہور جادو بیان سید صاحب تعشقؔ کی افکار عرش پیما کا نتیجہ ہے۔ اردو کے اہل البیت میں جو ائمہ فن، خوبی زبان فصاحت، تاثیرات و جذبات، سہل ممتنع، شوخی و رنگینی، درد، روزمرّہ، جدت، حسن کی ادائیں، عشق کے کارنامے دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اس لکھنؤ کے گل سرسبد کے کلام میں دیکھیں۔ میرے خیال میں خواجہ آتشؔ کے بعد لکھنؤ کی شاعری کا سہرا تعشقؔ کے سر رہا۔ کسی دوسرے کو اس میں حصہ نہیں ملا۔ اس میدان کے فرسان مہیجا اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے رہے مگر ان کے قدم تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ سچ ہے شاعر فطری ہوتا ہے، اکتساب سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔

تعشقؔ سرزمین لکھنؤ کا ایک ایسا آفتاب ہے جس نے خاص لکھنؤ کی شاعری کو معراج کمال پر پہنچایا۔ مرثیہ گوئی بھی بڑے پایہ کی تھی۔ غزل گوئی میں تو عاشقانہ رنگ ایسا کہا جیسے میرؔ نے درد انگیز اشعار۔ سادگی و رنگینی میں ہر شعر قیامت ڈھا رہا ہے۔ لکھنؤ کی شاعری میں اس شخص نے چار چاند لگائے اور یہ دکھا دیا کہ دیکھو معاملات عشق کی اصلی تصویریں یوں ہیں۔

مشہور ادیب حکیم سید محمد محسن صاحب نے منظوم تقریظ لکھ کر تعشقؔ کو یوں خراج پیش کیا:

ہوا گل نہ ہرگز چراغ سخن — رہا پُر ہمیشہ ایاغ سخن

ہر اک عہد میں ایک نامی ہوا — اسی کی بدولت گرامی ہوا

ہمارے زمانے میں بے ارتیاب
تعشق ہیں اس برج کے آفتاب

انہیں سے ہے آرایشِ انجمن
فروزاں انہیں سے ہے شمع سخن

یہی اہلِ فن کے ہیں پشت وپناہ
یہی ملک معنی کے ہیں بادشاہ

مقر یک زباں سب ہیں برنا و پیر
نہیں کوئی اس فن میں ان کا نظیر

کلام ان کا ہر عیب سے ہے بری
ہمارے زمانے کے ہیں انوری

انہیں سے ہے باغ سخن کی بہار
یہی اب ہیں اسلاف کے یادگار

بانصاف دیکھیں اگر ناظریں
تو ان کا سخن دیکھ کر ہو یقیں

نہ تھا پیش ازیں سبز باغِ سخن
نہ تھا عرش پر یوں دماغ سخن

جدل کی کسی سے انھوں نے نہ جنگ
قلم سے سخن کو دیا آب و رنگ

وہی باغ تھا بوستان سخن
وہی کچھ دنوں قبل تھا یہ چمن

عنادل کا رکتا تھا جس میں نفس
روش پٹریوں پہ تھا انبار خس

یہ کانٹوں کی تھیں جھاڑیاں جابجا
کہ آتی تھی دامن اٹھا کر صبا

نہ گل تھے نہ بلبل کا تھا ایک پر
کفِ دست آتا تھا گلشن نظر

وہی باغ اب ہے کہ جس کی فضا
فضائے جناں کی ہے صورت نما

یہ کثرت گلوں کی ہے اب چار سو
کہ ہے مرغ پربستہ غنچوں میں بو

نکلنے کی پاتے نہیں کوئی راہ
ہوائے گلستاں سے ہے عذر خواہ

زمیں ہے کہ آئینۂ بے غبار
ہوا سے نمایاں ہے رنگِ بہار

جھکائے قلم کیوں نہ سجدہ میں سر
کہ اب تک جہاں میں ہیں کیسے بشر

کرے کوئی گر اس ثنا کا عجب
تعجب کا ہو یا نہ ہو کچھ سبب

تو ان مرثیوں میں کرے وہ نظر
کہ ہر بیت ہے رشکِ سلکِ گہر

ہر اک بند کو دیکھ کر عقلمند
یہ کہتے ہیں دریا ہے کوزہ میں بند

سلاست کا ہر لفظ سے ہے ظہور
بلاغت کا دریا ہے طولِ سطور

کریں اذکیا اس گلستاں کی سیر
کہ دیتے نہیں گل یہاں بوئے غیر

گہر کا ہے شبنم کے قطروں میں ڈھنگ　ٹپکتا ہے شاخوں سے پھولوں کا رنگ
صفا میں ہے یہ نظم بے اختلاف　کہیں موجۂ آبِ کوثر سے صاف
مثال اس سے کیا دوں کہ دل سرد ہے　جلا آئنہ کی یہاں گرد ہے
کواکب کی جس نظم میں ہو سنا　بیاں ہو سکے کس سے اس کی ثنا
بس اے کلک یہ تیزیاں تا کجا　پیا پے سبک خیزیاں تا کجا
زیادہ یہ بھر رنگ سے جامِ نظم　سپاسِ خدا پر کر اتمامِ نظم
کہ مبدا ہر اک فیض کا ہے وہی　اسی نے یہ قوت بشر کو ہے دی
کہ خامہ سے یوں رنگ معنی بھرے　کہ صفحہ کو صحنِ گلستاں کرے
بری ہے ہر ایک نقص سے اس کی ذات　اسی کے لیے ہے دوام و ثبات

مہذب لکھنوی مرحوم افکار تعشق میں کہتے ہیں۔

''تعشق ایک گوشہ نشین نام ونمود سے دور رہنے والا شاعر، جس نے اپنے تمام کلام میں کبھی ایک مصرع بھی تعلّی کا دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ یہ صفت خصوصیات کلام سے قرار دینے کے قابل ہے۔ اپنی غرض خلقت ہمیشہ مدح اہل بیت سمجھتے رہے۔ غزل گوئی صرف اس لیے کی کہ طبیعت کی روانی اپنے حال پر باقی رہے۔ مرثیے بکثرت کہے مگر چونکہ عراق میں بہت زیادہ قیام رہا، اس لیے خدا معلوم وہاں کے تصانیف کیا ہوئے۔ جو مراثی لکھنؤ میں نظم فرمائے وہ کچھ تو زیور طبع سے آج سے پچاس سال قبل آراستہ ہو چکے ہیں۔ باقی مراثی جو نواب سکندر آغا صاحب کے پاس اس قیدی کی طرح قید تھے، جس کو دائم الحبس کی سزا دی گئی ہو۔

حضرت تعشق کی ذات ارباب علم وادب میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے کلام کی خوبی، زبان کی صفائی، بندشوں کی چستی، طبیعت کی روانی، بندوں کا بناؤ، مصرعوں کا ڈھلاؤ، آپ کو اہل نظر کی نگاہوں میں ممتاز بنائے ہوئے ہے۔ اہل ذوق کے دل آپ کے کلام کے لیے بیتاب اور نگاہیں مشتاق نظر آتی ہیں۔

البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت تعشق کے اٹھارہ سال عراق میں

قیام کی وجہ سے ان کو ہندوستان کے عوام الناس میں، مقابلتاً شہرت حاصل ہونے کا موقع نہیں ملا، تاہم ان کے کلام پر نظر رکھنے والوں نے ان کی کم سے کم اتنی قدردانی ضرور کی کہ جب اساتذہ دہلی کے مقابلے میں لکھنؤ سے کسی ذات کو پیش کرنے کا سوال درپیش ہوا، تو لسان الہند مولانا عزیزؔ لکھنوی نے جناب تعشقؔ مرحوم ہی کا نام خوش گوئی میں پیش کر دیا جس کا جواب صرف سکوت سے دیا گیا۔

حضرت تعشقؔ مرحوم کے غزلیات کا ذخیرہ بھی بہت کافی اور قابل دید تھا لیکن خود مرحوم نے اپنے سفر عراق میں وہ سب کلام سمندر کی نذر کر دیا اور یہ چاہا کہ دنیا کے سامنے ان کا نام صرف مداح حسینؑ کی حیثیت سے باقی رہے اور غزل گوئی کی شہرت مدح خوانی کی مقبولیت میں شریک نہ ہو۔ موصوف کا ایک مختصر دیوان طبع ہوا ہے لیکن اس میں صرف وہی غزلیں ہیں جو ان کے شاگردوں کے پاس محفوظ رہ گئی تھیں اور کچھ غیر مطبوعہ غزلیں ابھی اور بھی ان کے خاندان میں موجود ہیں۔

اس ذات والا صفات کے خصوصیات ایسے نظر آتے ہیں جن کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت عشقؔ لکھنؤ کی ایک صاحب حیثیت فرد تھے اور اگر انھوں نے پڑھوائی لینا اور باہر جانا اپنا شعار نہ رکھا تو چنداں تعجب کا مقام نہیں، لیکن جناب تعشقؔ مرحوم صرف ایک محدود استطاعت کے مالک تھے اور اسباب معیشت کی طرف سے حسب حیثیت مستغنی نہ تھے، پھر بھی خاندان کی بات رکھنے کی غرض سے خود بھی پڑھوائی لینا اور باہر جانا کبھی منظور نہ کیا اور اپنی قلیل بضاعت پر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہمیشہ شکر کر کے زندگی بسر کر دی۔

مزید مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں۔ ''میر عشقؔ فرماتے تھے ''بھائی جیسی جیسی نازک خیالی سے تم نے کام لیا ہے یا جو مقامات نادرہ کہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا۔''

ماہرؔ لکھنوی فرماتے ہیں'' فصاحت جس کا نام ہے، وہ رکاب گنج کی لونڈی ہے۔'' (رکاب گنج میں تعشقؔ قیام کرتے تھے)

خمخانۂ جاوید جلد دو میں لالہ سری رام لکھتے ہیں۔ ''جناب تعشقؔ مرثیہ گوئی کے مقابلہ میں

غزل گوئی کو حقیر سمجھتے تھے اور کبھی اس کے ذریعہ ناموری میں قدم رکھنے کی ضرورت نہ محسوس کی۔''

رام بابو سکسینہ ''تاریخ اردو ادب'' میں لکھتے ہیں۔ ''انیسؔ ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔''

سفارش حسین رضوی: اردو مرثیہ میں لکھتے ہیں۔ ''میر انیسؔ ان سے کمال محبت کرتے تھے۔''

ڈاکٹر صفدر حسین اپنے مضمون ''مرثیہ بعدِ انیسؔ'' میں لکھتے ہیں۔ ''میر انیسؔ کو ان سے بہت محبت تھی اور عزت بھی کرتے تھے۔ اکثر اپنا نیا مرثیہ ان کو سناتے۔''

تعشقؔ نے مرثیے کے علاوہ غزلیات بھی بہت کامیاب کہی ہیں جنھیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ محض غزل گوئی کو اپنا شعار بنا لیتے تو ان کا نام خواجہ آتشؔ سے بھی روشن ہوتا۔

ڈاکٹر جعفر رضا ''دبستان عشقؔ کی مرثیہ گوئی'' میں تعشقؔ کی مرثیہ گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''تعشقؔ کا سب سے نمایاں کارنامہ مرثیہ میں تغزل کا سمونا ہے۔ انھوں نے اس کے ذریعہ مرثیہ کو ایک نئی کیفیت عطا کی اور غزل و مرثیہ کی ہم آہنگی میں اپنے دور کی پسند کا سامان مہیا کیا۔ انھوں نے اپنے مرثیوں میں تغزل کو شاعری کے مختلف مدارج میں بڑی خوبی سے نباہا ہے اور فضائل و مصائب دونوں میں اجتماع ضدین کے باوجود یکساں لطف کے ساتھ تغزل کو جگہ دی۔ یہی ان کا امتیاز ہے۔''

منظر نگاری، کردار نگاری، رزمیہ وغیرہ میں ان کے یہاں کوئی امتیازی صورت تو نظر نہیں آتی لیکن اپنے زمانے کے عام رواج کے مطابق انھوں نے ان مضامین کو بھی اپنے یہاں بڑی خوبی اور کامیابی سے نباہا ہے اور تغزل کی چاشنی سے ان میں ایک نیا لطف پیدا کر دیا ہے۔

مجموعی حیثیت سے جب ان معاصرین پر نظر پڑتی ہے اور ان میں انیسؔ، دبیرؔ، عشقؔ، مونسؔ ایسے باکمال دکھائی دیتے ہیں تو ان کا یہ کارنامہ کم نہیں سمجھنا چاہیے کہ ایسے باکمالوں کے سامنے انھوں نے اپنی جگہ پیدا کر لی۔

رباعیات

کُل تعداد = ۲۷

کُل اشعار = ۵۴

رباعی

1

ہر رنج میں ہے شفیق شفقت تیری
احسان ہے اے کریم عادت تیری
ہر سمت رواں ہے بن کے ابرِ رحمت
سائل کی تلاش میں سخاوت تیری

رباعی

2

یارب مجھے محوِ آہ و زاری رکھنا
دل کو مصروفِ بے قراری رکھنا
ہو خشک کبھی نہ اشکِ غم کا دریا
اے ابرِ کرم یہ فیض جاری رکھنا

رباعی

3

مل جائے گا محبوب ہے جس پردے میں
کس سے پوچھوں کہ وہ ہے کس پردے میں
مرتے ہیں کفن کی جستجو میں عاشق
امید وصال کی ہے اس پردے میں

رباعی

4

یہ راہ ہے کیوں یہاں ٹھہرتا ہوں میں
سامان رہنے کے جمع کرتا ہوں میں
غفلت غفلت میں جان جاتی ہے غرض
دو روز کی زندگی پہ مرتا ہوں میں

رباعی

5

بے سود ہے جان کو کھوؤں کیوں کر
جینے سے بھلا ہاتھ نہ دھوؤں کیوں کر
تربت میں مٹا متاع جاں کا کھٹکا
پاؤں پھیلا کے اب نہ سوؤں کیوں کر

رباعی

6

تو ایک جگہ رہا نہ غافل مجھ سے
آباد جو کی گور کس کی منزل مجھ سے
دیوانے زمیں سے میرے سارے اعضا
تا خستگی سفر ہو زائل مجھ سے

رباعی

7

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں
تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں میں
بخشے مرے جرم تونے سارے مالک
رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

رباعی

8

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارہ نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

رباعی

9

جیتے ہیں تو ایک روز رحلت ہوگی
آنکھیں ہیں تو آقا کی زیارت ہوگی
وہ ہم وہ نکیرین وہ کرسی پہ علی
تربت میں عجب مزے کی صحبت ہوگی

رباعی

10

بدنام کیا نہ بندہ پرور تو نے
تربت کیسی دیا عجب گھر تو نے
دفتر مرے جرم کا دکھایا مجھ کو
کس تخلیہ میں الگ بلاکر تو نے

رباعی

11

ماں کہتی تھی کیا ملال جھیلے ہوں گے
بہنیں نہیں پاس کس سے کھیلے ہوں گے
یہ رات اندھیری یہ ڈراونا جنگل
اصغر مرے قبر میں اکیلے ہوں گے

رباعی

12

احباب کے ناز سہنے والے ہم ہیں
دشمن کو بھی دوست کہنے والے ہم ہیں
ہر ایک کی خاطر میں جگہ ہے اپنی
دل کی بستی کے رہنے والے ہم ہیں

رباعی

13

کچھ خواب سے بیدار جو ہوتا ہوں میں
آبِ خجلت سے منہ کو دھوتا ہوں میں
مانندِ گلِ زخم ہوں اس گلشن میں
اپنی ہستی پہ آپ روتا ہوں میں

رباعی

14

کیا مجھ سے کدورت ہے مسافر ہوں میں
العفو اگر غبارِ خاطر ہوں میں
چوموں قدم ان کے جو مٹائیں مجھ کو
نقشِ کفِ پا ہوں سر سے حاضر ہوں میں

رباعی

15

سامان کیے کیا کیا مری عزت کے لیے
بھیجا نہیں کس کس کو شفاعت کے لیے
پیدا کیے اے کریم چودہ دریا
ایک آدمِ خاکی کی طہارت کے لیے

رباعی

16

بخشا نہ کسی کو یہ خدا نے پایا
کس دن یہ جمال انبیاء نے پایا
کی حق نے یہ احتیاط محبوب حسینؑ
سایہ نہ کبھی قریب آنے پایا

رباعی

17

کچھ دہر کو چھوڑا نہیں راحت کے لیے
تربت کے لیے نہ باغِ جنت کے لیے
کیا دوں میں نکیروں کی باتوں کا جواب
آیا ہوں میں حیدرؑ کی زیارت کے لیے

رباعی

18

دھوئے مرے عیب اشکِ عزا نے کیا کیا
باندھی ہے ہوا آہِ رسا نے کیا کیا
مجھ ایک گنہ گار کی بخشش کے لیے
ڈھونڈے تری رحمت نے بہانے کیا کیا

رباعی

19

غافل رکھا ہے تو نے کیا کیا لے کر
اٹھ جائے گا دہر سے تمنا لے کر
پتلے ہیں کدورتوں کے سب طالب زر
مٹی دیتے ہیں مالِ دنیا لے کر

رباعی

20

دریائے گنہ سے کوئی ڈرتا ہوں میں
تیری رحمت پہ ناز کرتا ہوں میں
آتا ہے مرے ہاتھ میں دامانِ کرم
جب ڈوب کے طوفاں میں ابھرتا ہوں میں

رباعی

21

آلودۂ معصیت جو پاتا ہوں میں
آپ اپنے کو تدبیر بتاتا ہوں میں
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ عشق شبیرؑ
دامن تر ہے اسے سکھاتا ہوں میں

رباعی

22

تو اپنے مریضوں کو شفا دیتا ہے
بگڑی ہوئی باتوں کو بنا دیتا ہے
رکتا ہے جو دم گرمیِ عصیاں سے مرا
تو دامنِ رحمت سے ہوا دیتا ہوں

رباعی

23

دے حکم غضب اگر حکومت تیری
بس عدل یہ ہے کہے عدالت تیری
پر جوش میں آتا ہے جو دریائے گناہ
بڑھ بڑھ کے گھٹا دیتی ہے رحمت تیری

رباعی

24

کس کس شفقت کو بندہ پرور دیکھوں
دل سیر نہ ہو جو تا بہ محشر دیکھوں
ہاں تو ہے غنی کثرت عصیاں کو نہ دیکھ
میں جوشش رحمت کو نہ کیوں کر دیکھوں

رباعی

25

روتا ہوں بہارِ زندگانی کے لیے
دونوں آنکھیں ہیں خوں فشانی کے لیے
آلودہ نہیں سفید بالوں میں خضاب
پیری ہے سیہ پوش جوانی کے لیے

رباعی

26

دل کا بھی عجیب گھر بنایا تو نے
شیشہ سے لطیف تر بنایا تو نے
میں تجھ سے جدا رہوں نہ تو مجھ سے جدا
اس واسطے مختصر بنایا تو نے

رباعی

27

کورانہ جو لوگ آئے یہاں کیا آئے
تجھے اے ستار جو بینا آئے
کہتی ہے لحد کھلتے ہیں سب عیب یہاں
جو آئے مرے گھر میں وہ تنہا آئے

غزلیات

کل غزلیں = ٦٠

کل اشعار غزل = ٩٨٥

تعشق کی غزل

اردو غزل پر ہزار ہا صفحات کا مواد موجود ہے۔ بقول نثار احمد فاروقی اگر ان کتابوں کو جمع کیا جائے تو ایک کتب خانہ بن سکتا ہے لیکن اس کے باوجود تعشق لکھنوی کی غزل پر چنداں گفتگو نہیں ہوئی۔ اردو غزل کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں تعشق کا نام آیا ہو۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب کی کتاب اردو غزل جو تین چار بار جدید مطالب کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، اس سات سو (700) صفحات پر مشتمل کتاب میں بھی صرف پانچ یا چھ شعر تعشق کے بغیر کسی تشریح یا تبصرے کے دیے گئے ہیں۔ آئے دن برصغیر میں غزل پر سیمنار اور علمی مذاکرے ہوتے ہیں لیکن تعشق کی غزل گوئی پر ایک حرف بھی نہیں کہا جاتا، جب کہ تعشق کا دیوان تقریباً سو سال قبل شائع ہو چکا ہے، اگرچہ کمیاب ضرور ہے۔ بہت ہی مختصر سا تعارف خمخانہ جاوید میں سری رام نے کیا ہے۔ سب سے قدیم اور عمدہ مقالہ کلام تعشق پر میرزا محمد بشیر مرحوم کا ہے جو رسالہ زمانہ کان پور فروری 1931ء میں شائع ہوا۔ تعشق کی غزلیات پر ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم اپنے مقالے 'مرثیہ بعد انیس' میں یوں ذکر کرتے ہیں۔ ''تعشق نے مرثیے کے علاوہ غزلیات بھی بہت کامیاب کہی ہیں جنہیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ محض غزل گوئی کو اپنا شعار بنا لیتے تو ان کا نام خواجہ آتش سے زیادہ روشن ہوتا۔'' اس کے علاوہ مرزا جعفر علی خان نے اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۲۶ء میں ایک مضمون ''دیوان تعشق کا ایک قلمی نسخہ''، جناب شاداں بلگرامی نے اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۴ء میں ''دیوان تعشق'' پر مطالب لکھے ہیں۔ مہذب لکھنوی مرحوم نے اپنی تصنیف ''دور تعشق'' میں 39 غزلیات کو شائع کر کے تعشق کی پانچ غزلوں کو خواجہ آتش کی غزلوں سے تقابل کیا ہے۔ اس کے علاوہ افکار

تعشق میں بھی ان کی غزل پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ تعشق کی مشاعروں میں شرکت اور غزل پڑھنے کے طریقہ کو بھی نقل کیا ہے۔

پروفیسر جعفر رضا نے اپنی شاہکار تصنیف دبستان عشق کی مرثیہ گوئی میں تعشق کی مرثیہ گوئی پر سیر حاصل مطالب پیش کیے ہیں جو ہماری اس کتاب کا حصہ ہیں۔ اگر چہ غزل کا ان کی تصنیف کے عنوان سے کوئی خاص تعلق نہ تھا، لیکن پھر بھی ایک جامع گفتگو تعشق کی غزل پر کر کے ان کے منتخب اشعار پیش کیے ہیں جو تعشق کی غزل شناسی کے لیے کافی ہیں۔ ڈاکٹر جعفر رضا لکھتے ہیں "تعشق نے اپنے دور کے دیگر لکھنوی غزل گویوں کی طرح معشوق کے خارجی لوازم کو جگہ دی ہے لیکن ان کے بیان میں بڑی جاذبیت ہے۔ اور خیال کی اصلیت کو دل کشی اور لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے کلام میں کہیں کہیں مبالغہ بھی ہے لیکن اس میں لطف کی ایسی چاشنی پیدا کی ہے کہ اس سے کلام کے اثر میں اضافہ ہو گیا ہے۔ تعشق کی غزلوں میں بھی گل وبلبل کی کہانیاں ہیں، عشق ومحبت کی حکایتیں ہیں، وصل وہجر کی داستانیں ہیں، فلکِ پیر ودنیا کی بے ثباتی کا شکوہ ہے، اور واعظ ومحتسب پر پھبتیاں ہیں۔ جہاں جہاں ان کے کلام میں ان باتوں کو استعارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے، اس سے لطف کلام میں اضافہ ہو گیا ہے:

ہمارے بعد یہ ہے حال ہم صفیروں کا　　　اس آشیاں میں صدا دی اُدھر پکار آئے

صبا نے دی ترے وحشی کی قبر پر جاروب　　　پئے طواف بگولے ہزار بار آئے

حال تغیر کیا زلف کے سودائی کا　　　اب خدا منہ نہ دکھائے شب تنہائی کا
دل پہ داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے　　　پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا

بام پر آتا ہے جب ہوتا ہے پیدا ماہ نو　　　انگلیاں اٹھتی ہیں لاکھوں جانب ابروئے دوست
قتل کرنے میں اپنے اپنے کام میں تھے حسن وعشق　　　اس کی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوئے دوست

کفن دیا ہے مجھے میری بے قراری نے   کہ رہ گیا تن لاغر لپٹ کے بستر میں
تمام گرد کدورت ہے قالب خاکی   عدم سے قلب پہ ہم لے کے یہ غبار آئے

وہ عام مروجہ مضامین بھی قلم بند کرتے ہیں لیکن ان کی غزلوں کا مخصوص تاثر مجروح نہیں ہوتا۔ تعشق نے غزلوں کے ساتھ مرثیہ نگاری بھی کی تھی اور مختلف قسم کے جذبات کو شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ انھوں نے غزل میں اثر کو مقدم قرار دیا۔ ذیل کی مثالوں سے یہ بات کسی حد تک واضح ہو جاتی ہے:

تھا کبھی دور اسیرانِ قفس اے صیاد   اب تو اک پھول کے محتاج ہیں گلشن کیسا

کبھی نہ ہوش میں اے ہم خیال یار آئے   کسی کے در پہ گئے جب اسے پکار آئے
گیا شباب مگر رہ گیا تعلق عشق   دل وجگر میں چمک گاہ گاہ ہوتی ہے

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا   چاند تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا
دانۂ بارود ہیں ذرے ہماری خاک کے   گر پڑی بجلی تو اک دن کو چراغاں ہو گیا
الفت گیسو نے خاطر جمع کی روز حساب   سب مرے اعمال کا دفتر پریشاں ہو گیا
بھرے ہو آنکھوں میں آنسو اُداس بیٹھے ہو   یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہو
یہ کس کے دفن وکفن کی ہے فکر دامن گیر   کھلے ہیں بند قبا بے حواس بیٹھے ہو
مجھی کو ناز سے دیکھا جلا جو پروانہ   تم ایک بزم میں مردم شناس بیٹھے ہو
جنھیں لگاتے تھے تیغیں وہ مر گئے شاید   کہ ہاتھ ہاتھ پہ رکھے اداس بیٹھے ہو
مر کے بدنام کیا نامِ محبت ہم نے   منھ پہ کچھ ڈال دو کوئی، کہ حیا آتی ہے
لحد سے جانبِ لیلیٰ جو صدا آتی ہے   دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

تعشق کے اشعار میں بعض اوقات بلند پروازی اور مضامین آفرینی ناسخ کا رنگ اختیار کر لیتی ہے، جس سے کلام میں تصنع آورد کے عناصر نمایاں ہو جاتے ہیں لیکن ایسے اشعار کی تعداد کم نہیں ہے۔

ڈاکٹر جعفر رضا نے تعشق کے کلام اور مخصوص غزل گوئی پر بہت صحیح لکھا کہ ''تعشق کے ساتھ اب تک ادبی دنیا میں انصاف نہیں ہو سکا ہے۔ ان کے کلام کی خوبیوں کے پیش نظر انہیں صف اول کے شعرا میں جگہ ملنا چاہیے تھی جواب تک نہیں مل سکی۔''

مرحوم مہذب لکھنوی تعشق کی غزل گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' دنیا اس صفت سے خوب واقف ہے کہ تعشق کیسے غزل گو تھے، ان کی غزل گوئی کی بدولت لکھنؤ کی شاعری اور لکھنؤ کی زبان و نازک خیالی کا نام باقی رہ گیا۔''

مرحوم عزیز لکھنوی تقریظ میں لکھتے ہیں'' اردو کے اہل البیت میں جو ائمہ فن خوبی زبان، فصاحت تاثیرات وجذبات، سہل ممتنع، شوخی، رنگینی، درد، روز مرہ، جدت، حسن کی ادائیں، عشق کے کارنامے دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس لکھنؤ کے گل سرسبد کے کلام میں دیکھیں۔ میرے خیال میں خواجہ آتش کے بعد لکھنؤ کی شاعری کا سہرا تعشق کے سر رہا۔ کسی دوسرے کو اس میں حصہ نہیں ملا۔ تعشق سرزمین لکھنؤ کا ایسا آفتاب ہے جس نے خاص لکھنؤ کی شاعری کو معراج کمال پر پہنچایا۔ لکھنؤ کی شاعری مین اس شخص نے چار چاند لگائے اور یہ دکھا دیا کہ دیکھو معاملات عشق کی اصلی تصویریں یوں دکھاتے ہیں۔''

مرحوم ابر لکھنوی تعشق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں'' بلا شبہ اصناف سخن میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ لکھنؤ کی خاص زبان یعنی اردوے معلی اس وقت تک آپ ہی کے خاندان میں محفوظ ہے۔ اس خاندان کی خوش گوئی کے متعلق مولوی میر مہدی حسین صاحب ماہر کا ایک مقولہ مجھے یاد آ گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ خوش گوئی جس کا نام ہے وہ رکاب گنج کی لونڈی ہے۔ حضرت تعشق بوجہ اپنی خوش گوئی کے اصناف شعر مین تمام متاثرین میں اک نمایاں قابل غبطہ شاعر گزرے ہیں۔ آپ کی نسبت خوب اور بالکل درست جناب عزیز لکھنوی نے اپنے عالم ارواح کے مشاعرے میں اظہار رائے کیا ہے کہ یہی وہ شاعر ہے جس کو ہم تمام خوش گویان، اہل دہلی کے مقابل میں تن تنہا پیش کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر یوسف حسین خان نے ''اردو غزل'' میں تعشق کے یہ چند اشعار منتخب کر کے پیش کیے ہیں۔

انس ہے خانہ صیاد سے گلشن کیسا
ناز پروردہ قفس ہوں میں نشیمن کیسا
بدلتا تھا میں درد دل سے جو پہلو
زمانہ اِدھر کا اُدھر ہو رہا ہے
پڑگئی نگہ مست تری اے ساقی
لڑکھڑاتے ہوئے مے خوار چلے آتے ہیں
ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی
ان کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں
قفس میں بھی اسیرو تمہیں وہی سودا
لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو
مرا پیام صبا میرے گل سے کہہ دینا
چلی گئی مجھے بے ہوش کر کے بو تیری
تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا
گلہ کیا ہو تو شاید آرزو تیری

بعض تبصرہ نگاروں نے تعشق لکھنوی کو آتش ثانی کہا ہے۔ اگرچہ تعشق کا خاندانی دبستان ناسخ سے منسلک تھا۔ عشق کے والد انس ناسخ کے شاگرد تھے اور اسی خاندان نے ناسخیت کے زیر اثر رسالے بھی تصنیف کیے اور ناسخ کی زبان کو سکہ رائج الوقت کیا، لیکن تعشق نے اس راہ پر چلتے ہوئے بھی آتش کا اتباع کیا۔ مرحوم مہذب لکھنوی نے اپنی تصنیف ''دور تعشق'' میں چند آتش کی غزلوں سے تعشق کی غزلوں کا تقابل کیا ہے جو دونوں کی فکری، خیالی اور زبانی ہم آہنگی کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہم صرف ایک ایک غزل کو یہاں پیش کرتے ہیں۔

غزل تعشق لکھنوی	غزل آتش لکھنوی
۱	۱

سرشت ہے نزاکت حیا ہے خو تیری
نکل سکی نہ کبھی پیرہن سے بو تیری

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری

۲

خلاف سب کے ہوئی، کی جو آرزو تیری
پھری ہوا ادھر آنے لگے جو بو تیری

۲

دماغ اپنا بھی اے گلبدن معطر ہے
صبا ہی کے نہیں حصے میں آئی بو تیری

۳

ہنسی کو روک نہ ظالم مرے جنازے پر
مجھے گلہ نہیں اس کا، یہی ہے خو تیری

۳

فرشتے بھی تجھے کہتے ہیں بیشتر شاعر
یقیں ہوا ملک الموت میں ہے خو تیری

۴

پڑھا جو نزع میں قرآں رہی نہ جسم میں روح
زبان بند ہوئی سن کے گفتگو تیری

۴

پڑھا ہے ہم نے بھی قرآں قسم ہے قرآں کی
جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری

۵

یہی جو دست درازی جنوں کی ہے اے جیب
مجال کیا جو درستی کرے رفو تیری

۵

یہ چاک جیب کے حق میں دعائے مجنوں ہے
نہ ہو وہ دن کہ درستی کرے رفو تیری

۶

جفا کا حوصلہ تم کو نہ تاب صبر ہمیں
نہ اب وہ دل ہی ہمارا نہ اب وہ خو تیری

۶

جو ابر گریہ زناں ہے تو برق خندہ زناں
کسی میں خو ہے ہماری کسی میں خو تیری

۷

تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا
گلہ کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری

۷

شب فراق میں اک دم نہیں قرار آیا
خدا گواہ ہے شاہد ہے آرزو تیری

۸

مرا پیام صبا میرے دل سے کہہ دینا
چلی گئی مجھے بیہوش کر کے بو تیری

۸

مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری

۹	۹
عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا	یقیں ہے اٹکے گی جاں اپنی آگے گردن میں
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری	سنا ہے جا ہے قریب رگِ گلو تیری

۱۰	۱۰
ترے خیال سے فرقت میں جی بہلتا ہے	پھرے ہیں مشرق ومغرب سے تا جنوب وشمال
تری جگہ ہے جدائی میں آرزو تیری	تلاش کی ہے صنم ہم نے چارسو تیری

ڈاکٹر جعفر رضا لکھتے ہیں ''تعشق کے ایک دوسرے مداح مرزا محمد بشیر نے ان کے ایک شعر کا موازنہ آتش سے کیا ہے:

سنا جو نزع میں قرآں، رہی نہ جسم میں روح　　زباں بند ہوئی، سن کے گفتگو تیری

خواجہ حیدر علی آتش کا شعر بجنسہ اسی مضمون کا ہے:

سنا ہے ہم نے بھی قرآں قسم ہے قرآں کی　　جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری

زبان کے اعتبار سے دونوں شعر خوب ہیں، لیکن مضمون کے خیال سے آتش کے یہاں صرف تعریف ہے اور تعشق کے یہاں تعریف کے ساتھ ایک واقعہ بھی ہے، جس سے مضمون میں ایک جدت پیدا ہوگئی ہے۔''

مولانا جامی نے حافظ شیرازی کو اس لیے بھی خدائے سخن کہا کہ وہ غزل کے شاعر ہیں، جب کہ فردوسی مثنوی کے، انوری قصیدہ کے اور سعدی غزل کے پیمبر ہیں۔

در　شعر　سہ　تن　پیمبرانند
ہر　چند　کہ　لانبی　بعدی
ابیات　و　قصیدہ　و　غزل　را
فردوسی　و　انوری　و　سعدی

یقیناً میر تقی میر اس لیے بھی خدائے سخن ہیں کہ وہ تمام اصناف سخن پر مہارت رکھتے ہوئے بھی در اصل غزل ہی کے شاعر ہیں۔ غزل کا شاعر ذات میں کائنات اور اپنی بات میں سب کی بات لیے ہوتا ہے، اس لیے اس کے کلام کا اثر ہمہ گیر ہوتا ہے۔ یہ صنف چونکہ

اشارے اور ایما سے بھری ہوتی ہے، اس کو مہار کرنا ہر شاعر کے بس کا کام نہیں ہوتا۔

پروفیسر آل احمد سرور نے خوب کہا ہے:

غزل میں ذات بھی ہے اور کائنات بھی ہے
ہماری بات بھی ہے اور تمہاری بات بھی ہے
جو سنتا ہے اس کی داستاں معلوم ہوتی ہے
سرور اس کے اشارے داستانوں پر بھی بھاری ہیں
غزل میں جوہر ارباب فن کی آزمائش ہے

نہ جانے کیوں گزشتہ صدی میں اردو ادب کے بعض شاعروں اور دانشوروں نے غزل کے خلاف ایک محاذ قائم کیا اور اسے اردو مزاج کے خلاف اور اردو شاعری کی ترقی میں رکاوٹ جان کر بقول عظمت اللہ خان اس کی گردن زنی کا فتویٰ صادر کیا۔ اس کی جذباتی دنیا کو دیکھ کر کلیم الدین احمد نے نیم وحشی صنف کہا۔ جوش، وحیدالدین سلیم اور دیگر نظم کے شعرا نے اس کے بکھرے منفرد خیالات کی روش کو تنگ خیال کر کے غزل مسلسل کا آدرش دیا، جب کہ فراق نے غزل کو انتہاؤں کا سلسلہ سمجھا اور دیگر علمائے ادب نے اس کے ہر علحدہ شعر کو ہی گلدستہ کی رنگینی کا باعث سمجھا۔ غزل کے مزاج، اس کی زبان دانی پر بھی دلی اور لکھنؤ کی چھاپ لگائی گئی۔ دلی کی غزل چونکہ وہاں کی مسلسل تباہی اور انتشار دیکھ چکی تھی اس لیے اس میں زخمی غزال کی آہیں صاف سنائی دیتی رہیں جب کہ اودھ کے پرسکون ماحول سے متاثر طربیہ غزل کا شگفتہ مزاج اور معاملہ بندی لکھنؤ کی غزل کی شناخت بن گئی۔ اگرچہ دلی اور لکھنؤ کی غزلوں میں عموماً دونوں رنگوں کی آمیزش نظر آتی ہے، لیکن پھر بھی ماہرین غزل نے اسے دونوں دبستانوں کے فرق میں شامل کیا ہے۔ محاورہ بندی، الفاظ کا برتنا، داخلی کیفیات کا اظہار، خارجیت، معاملہ بندی، غزل کے شاعر کی شناخت کے اہم حصے ہیں۔ تعشق لکھنوی کی غزلوں میں یہ تمام عناصر کی ترکیب اور ترتیب آتش لکھنوی سے بہت قریب ہے۔

تعشق کی غزلوں میں استعاروں کی رمزیت شعر کو خوش ذائقہ بنا دیتی ہے۔ الفاظ کی علامت، تلمیحات کی تاثیر، تشبیہات کی ندرت، شعر کو دل میں پیوست کر دیتی ہے۔ تعشق لکھنوی

کے یہاں معاملہ بندی، معشوق کا برہم، داخلی واردات وغیرہ سب کچھ ہے، لیکن عریانی، ابتذال، سوفیانہ پن اور جنسیت کی نمائش ہے۔ مقدمہ شعر وشاعری میں حالی نے جس پاکیزہ غزل کی تمنا کی تھی، وہ ان کے دیوان میں بھری پڑی ہیں۔ مقطعوں مین عجز وانکسار ہے۔ رنگ وبو، وصل وہجر، قفس وآشیاں، قبر وجنازہ، قدوخال، نازوادا، حسن وکرشمہ، لب وعارض، یعنی عشق وعاشق اور عشقیہ شاعری کے تمام مسالے غزل کی دیگ میں اسی مقدار میں ڈالے گئے ہیں کہ کام دہن کو تند یا تیز نہ لگے، جیسا کہ عمدہ قدیم شعرا نے قلی سے ولی تک انجام دیا۔

دکنی غزل کی گفتگو اپنی جگہ مسلم ہے۔ تعشق کی غزلوں میں بھی ولی دکنی کی غزلوں کی طرح فلسفہ، تصوف پند و واعظ کی چھاپ نہیں بلکہ داخلی اور خارجی واردات سے بنی ہوئی تاثیری اور احساسی شاعری کا غلبہ ہے۔ یہاں مشغلہ عشق اور اس کے معاملات سے ہے۔

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

اردو غزل میں محبوب کی رنگ رنگیلیاں، حسن پرستیاں، بدمستیاں، ولی ہی نہیں بلکہ قلی، وجہی اور درجنوں دکنی شعرا کے یہاں غزل میں نظر آتی ہیں۔

ترے مکھ پر اے نازنیں یوں نقاب
جھلکتا ہے جوں مطلع آفتاب

یہ سیہ زلف تجھ زنخداں پر
ناگنی جوں کنویں پہ پیاسی ہے

لب پہ دلبر کے جلوہ گر ہے خال
حوض کوثر پہ جوں کھڑا ہے بلال

سعداللہ گلشن کہتے ہیں "ریختہ را موافق اردوے معلی شاہ جہاں آباد موزوں بکند کہ موجب شہرت ورواج قبول خاطر صاحب طبعاں عالی مزاج گردد۔"

ولی ؎
شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ولؔی راہ مضمون تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے باب سخن

نکات الشعرا میں میر تقی میرؔ، ولؔی کے بارے میں کہتے ہیں۔ جب وہ دلّی آئے اور حضرت سعداللہ گلشنؔ سے ملاقات کی تو انھوں نے ولؔی کو مشورہ دیا۔ ''ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادند در ریختہ خود بکار ببر از تو کے محاسبہ خواہد گرفت''

اس مضمون کی طوالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم تعشقؔ لکھنوی کے دیوان غزلیات جس میں ساٹھ (60) غزلیں شامل ہیں، کچھ اشعار پیش کرتے ہیں۔

میں باغ میں ہوں طالب دیدار کسی کا
گل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا

کوئی طائر اس میں ہوا ے بادشاہ ملک حسن
جو ترے سر پر سے گزرے وہ ہما ہوجائے گا

خاک ہو کر شمع پروانہ ہوئے آپس میں ایک
عشق کامل کے سبب سے فاصلہ جاتا رہا

حیات کا تعشقؔ بھلا بھروسا کیا
ہوا حباب میں ہے یا ہے جسم زار میں روح

ہے ایک زبان اور حسینوں کی زبان میں
انکار سے خالی نہیں اقرار کسی کا

تیری گرمیاں جب کبھی یاد آئیں
دم سرد بھرنے لگا دل ہمارا

جس جگہ بیٹھ کے روئے وہ مکاں ڈوب گئے
شہر ہونے نہیں دیتے تیرے گریاں آباد

جنازہ مرا دوستو کل اٹھانا
کہ وہ آج مہندی لگائے ہوئے ہیں

پیری کی شاعری میں تعشق مزہ کہاں
وہ شعر کس طرح سے ہوں جب وہ ہمیں نہیں

پونچھ کر دانتوں کی مسی ہنس کے فرمانے لگے
لیجیے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی

آئینہ خانہ ہے یہ بزمِ جہاں
اک یہاں ایک کے مقابل ہے

وہ چشم مست ہے ایسی خمار آلودہ
بھری ہو جیسے لبالب شراب ساغر میں

فہرست غزلیات

نمبر شمار	مصرعہ مطلع	صفحہ
۱	دیکھ آ کے عجب حال ہے اے یار کسی کا	63
۲	سوئے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا	64
۳	کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا	65
۴	دل ہے مردہ خُلد میں جانے سے کیا ہو جائے گا	66
۵	لیں دم اُس منزل میں اب یہ حوصلہ جاتا رہا	67
۶	نہاں جب ہوا ماہ کامل ہمارا	67
۷	حال تغیر کیا زُلف کی سودائی کا	68
۸	اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا	69
۹	جفا ہے گردشِ لیل و نہار سے پیدا	70
۱۰	کن دِنوں میں مٹ گیا صیاد خانۂ عندلیب	71
۱۱	کیا تصور ہے کہ ہوں ہم پہلوے دوست	72
۱۲	خموشی ہو گئی طوقِ گلو آج	73
۱۳	یہ میرے بالوں سے تھی تنگ ہجر یار میں روح	73
۱۴	دو دموں سے ہے فقط گورِ غریباں آباد	74
۱۵	دل جل کے رہ گئے دِقن رشکِ ماہ پر	75
۱۶	لگی ہے آگ وہ ہیں داغ جسم لاغر پر	76
۱۷	بجھ گیا دل نہ رہی فصل بہار عارض	78
۱۸	کون اپنے ساتھ اُٹھا کر لے گیا اورنگ وشمع	79

نمبر شمار	مصرع مطلع	صفحہ
۱۹	اپنی فرحت کے دن آئے یار چلے آتے ہیں	80
۲۰	کب اپنی خوشی سے وہ آئے ہوئے ہیں	81
۲۱	یادِ غم دل سے کبھی جاتی نہیں	82
۲۲	نئے آج اُن کے چلن دیکھتے ہیں	83
۲۳	جوش پر تھیں صفت ابر بہاری آنکھیں	84
۲۴	قدم اہلِ زمیں آنکھوں سے رُو رُو کر لگاتے ہیں	85
۲۵	پہلے تھیں جلوہ نُما صورتیں کیا کیا دل میں	86
۲۶	اس چمن میں کیوں کوئی حاجت روا پیدا کرے	86
۲۷	یہ باغ کیا جہاں میں ہو راحت یقیں نہیں	87
۲۸	حیا و شرم جانے دو اُٹھا و روئے زیبا کو	88
۲۹	نہیں ملتا بہت ہے رنج مجھ سے اس ستم گر کو	89
۳۰	تا سحر کی ہے فغاں جان کے غافل مجھ کو	90
۳۱	بھرے ہیں آنکھوں میں آنسو اُداس بیٹھے ہیں	90
۳۲	نہ ڈرے برق سے دل کی ہے کڑی میری آنکھ	91
۳۳	جھانکنا سیکھا وہ بات اے مہ لقا جاتی رہی	92
۳۴	محفل سے اُٹھانے کے سزاوار ہمیں تھے	93
۳۵	منہ جو فرقت میں زرد رہتا ہے	93
۳۶	یادِ ایام کے ہم رتبۂ رضواں ہم تھے	94
۳۷	پئے تعظیم اٹھی خاک اپنے جسم لاغر کی	95
۳۸	نجد سے جانب لیلیٰ جو ہوا آتی ہے	96
۳۹	باغ میں پھولوں کو روند آئی سواری آپ کی	97
۴۰	شب کو کیا کیا باغ میں جلوے تمہارے ہو گئے	98

نمبر شمار	مصرع مطلع	صفحہ
۴۱	دل پسِ مردن بھی یادِ گلبدن میں مست ہے	98
۴۲	نخل امید میں پھول آئے ہیں بار آتا ہے	99
۴۳	منتظر تیرے ہیں چشمِ خوں فشاں کھولے ہوئے	100
۴۴	بہت مضطر دل عاشق کو آہ ہوتی ہے	100
۴۵	سرشت میں ہے نزاکت حیا ہے خو تیری	101
۴۶	مشکل ہے آفتاب کا چھپنا غبار سے	102
۴۷	یادِ رخ دیدۂ پُر آب میں ہے	103
۴۸	چاک دامانِ قیامت کیجیے	104
۴۹	اس قدر نایاب دنیا میں محبت ہوگئی	105
۵۰	ہوگئے غش اہلِ نار ایسی حرارت لے گئے	106
۵۱	پہنچے جو مثلِ ابر ہم آنسو بھرے ہوئے	107
۵۲	ہم اسیروں سے عشق کامل ہے	107
۵۳	دردِ سر ہے جلد بتلا دے دکاں حداد کی	109
۵۴	تیری گلی سے پریشان و اشک بار آئے	111
۵۵	عشقِ دنداں کی رعایت مری جاں لازم ہے	112
۵۶	ہیں وہ آمادہ مرے لاشے پہ آنے کے لیے	113
۵۷	شہادت دلِ پُر اضطراب ہوتی ہے	114
۵۸	ایسی دل سوز حسینوں کی پلک ہوتی ہے	115
۵۹	خلخال ان کے پاؤں کی زرگر بنائیں گے	116
۶۰	نہیں ہے سرمہ کا دنبالہ چشمِ دلبر میں	116

غزل

①

دیکھ آکے عجب حال ہے اے یار کسی کا
دم توڑ رہا ہے دلِ بیمار کسی کا

پاتا نہیں آرام دلِ زار کسی کا
پیرو ہے مگر چرخِ جفا کار کسی کا

میں باغ میں ہوں طالب دیدار کسی کا
گل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا

اٹھواتے ہو تم لاش مری اپنی گلی سے
ایسی نہ سزا پائے گنہگار کسی کا

مہتاب پر اے دل مجھے ہوتا ہے یہ دھوکا
پردہ سے نمودار ہے رخسار کسی کا

تم صاحب الفت نہ کہو دوستو مجھ کو
اتنا ہی تو بندہ ہے گنہگار کسی کا

گھٹ گھٹ کے رلاتا ہے مجھے عہدِ جوانی
ڈھلتا تھا یونہی سایۂ دیوار کسی کا

گھبراتے ہیں وہ سرخ جب آجاتی ہے آندھی
دیتا ہے ہوا زخمِ دلِ زار کسی کا

کہتے ہو قیامت کی ہوا بند ہوئی ہے
دم آج رکا ہے مگر اے یار کسی کا

اب تک کبھی آنے نہ دیا حرفِ شکایت
دل ہے مرے پہلو میں طرفدار کسی کا

تم دامن نظارہ سے دو خلعتِ آخر
محتاج کفن کو ہے تنِ زار کسی کا

یہ بے ادبی خاک کیا دل کو جلاکر
تھا یہ محل اے آہ شرر بار کسی کا

کہتے ہو کہ آج آنکھ پھڑکتی ہے ہماری
بیتاب بہت ہے دلِ بیمار کسی کا

مثل رگِ گل سرخ رہا کرتے ہیں ڈورے
آنکھوں میں کھٹکتا ہے دلِ زار کسی کا

شب ہوگئی تلوار کے بجوانے میں تم کو
رکھا ہے کفن صبح سے تیار کسی کا

ہے ایک زبان اور حسینوں کی زباں میں
انکار سے خالی نہیں اقرار کسی کا

یوں گھر میں پھرو تا نہ دھمک پاؤں کی پہنچے
مدفن ہے مری جاں پسِ دیوار کسی کا

نالوں نے کیا سینۂ صد چاک قفس کو
دل ہو نہ کہیں مرغِ گرفتار کسی کا

رہتی ہے شفق کی جو قبا غرق لہو میں
دامن میں نہو دیدۂ خونبار کسی کا

سمجھا دلِ وحشی جو قیامت ہوئی برپا
اٹھا کوئی دیوانۂ رفتار کسی کا

اے باد صبا جا کے یہ کہہ صحبتِ گل میں
دم بھرتے ہیں مرغانِ گرفتار کسی کا

بالکل ہی سیہ رنگ ہے پیراہن جوہر
خنجر بھی تمھارا ہے عزادار کسی کی

دیکھ آؤ کہ بیمار تمھارا تو نہیں ہے
رکھا ہے جنازہ سرِ بازار کسی کا

شیدائے ملاحت ہے مگر اف نہیں کرتا
آخر دل زخمی ہے نمک خوار کسی کا

چل بیٹھیے دل بیچنے والوں میں تعشق
سنتے ہیں کہ گھر ہے سرِ بازار کسی کا

2

سوے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا
موتیوں کی آبرو پر آج پانی پھر گیا

سوئیاں سی کچھ دل وحشی پھر چبھنے لگیں
ٹھیک ہوئی کو لباس ارغوانی پھر گیا

ہتھکڑی بھاری ہے میرے ہاتھ کی آج اے جنوں
دستِ جاناں کا کہیں چھلا نشانی پھر گیا

زور پیدا کر کہ پہنچے جیب تک دستِ جنوں
اب تو موسم اے وفورِ ناتوانی پھر گیا

سرفروشانِ محبت سے نہوگی آنکھ چار
منہ جو اس کی تیغ کا اے سخت جانی پھر گیا

کہتے ہو ہم آج ملکِ حسن کے ہیں بادشاہ
کیا ہما بالائے سرائے یارِ جانی پھر گیا

کیوں کبوتر کے عوض ہدہد نہ لایا خطِ شوق
اس خطا پر مجھ سے وہ بلقیسِ ثانی پھر گیا

بوسہ کیسا اک لبِ شیریں سے گالی بھی نہ دی
آج پھر امید وارِ مہربانی پھر گیا

اے ضعیفی سایہ سر پر سے گیا دھوپ آگئی
فصل بدلی آفتابِ زندگانی پھر گیا

گر پڑے آنسو عروجِ ماہِ کامل دیکھ کر
مری نظروں میں ترا عہدِ جوانی پھر گیا

3

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہوگیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہوگیا

دل ہمارا اک مرقع تھا پریشاں ہوگیا
نام گل رویوں کے بستی کا بیاباں ہوگیا

ضعف میں کروٹ بدلوانے کو اٹھا بار بار
میں تیرا اے دردِ دل ممنونِ احساں ہوگیا

دانۂ بارود ہیں ذرّے ہماری خاک کے
گر پڑی بجلی تو اک دن کو چراغاں ہوگیا

الفتِ گیسو نے خاطر جمع کی روزِ حساب
سب مرے اعمال کا دفتر پریشاں ہوگیا

کہتی ہے دوشِ صبا پر شمع پروانہ کی خاک
جلد حسن و عشق کا دفتر پریشاں ہوگیا

دیکھتا ہے وہ تڑپ کر کس طرح بسمل ہو سرد
رشتۂ نظارۂ قاتل رگِ جاں ہوگیا

جھک گئی آخر لڑائی میں وہ شرم آنکھیں نظر
سرنگوں گویا نشانِ فوجِ مژگاں ہوگیا

کیا معاذ اللہ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پاؤں
راہ برسوں کی مرا چاکِ گریباں ہوگیا

سانپ ہیں میرے سیہ خانے کی زنجیریں تمام
جان کا در پے خیالِ زلفِ پیچاں ہوگیا

چھپکے جانے کو اگر محبوب جانی سے کہوں
دل میں آنے کو نگاہوں سے وہ پنہاں ہوگیا

زندگانی میں جو تھا وحشی نگاہوں کو عزیز
خاک ہوکر سرمۂ چشمِ غزالاں ہوگیا

جذبۂ شوقِ شہادت نے دیا خلعت مجھے
سرخ پیراہن ہوا خنجر گریباں ہوگیا

تو نے خود باندھیں جو اے کانِ ملاحت پٹیاں
زخم ہر ایک تیرے زخمی کا نمک داں ہوگیا

اے تعشق منتیں ان کی بڑھیں اپنا جنون
طوق اُدھر اترا اِدھر ٹکڑے گریباں ہوگیا

4

دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہوجائیگا
ہم جہاں ہوں گے وہ گھر ماتم سرا ہوجائیگا

اس قدر تڑپیں گے ہم محشر بپا ہو جائیگا
جب گلے مل کر ترا خنجر جدا ہوجائیگا

ہاتھ سینہ پر جو رکھوگے تو کیا ہوجائیگا
فرق مرے دل کی سوزش میں ذرا ہوجائیگا

کاش یہ جمشید کو معلوم ہوتا جام میں
کانسہ سر کا کانسۂ دستِ گدا ہوجائیگا

آفتاب داغ دل کا سامنا اچھا نہیں
سانولا رنگ آپ کا اے مہ لقا ہوجائیگا

دیکھنا کیسی مبارک ہوگی صیادی تمہیں
دام میں طائر جو آئیگا ہما ہوجائیگا

نازپرور ہے ذرا بھی دل سے بگڑیں گے جو آپ
یہ بھی اپنی زندگانی سے خفا ہوجائیگا

کیا کنویں مجھ کو جھکائیگی مری کاہیدگی
چاہ میرے واسطے ہر نقشِ پا ہوجائیگا

کوئی طائر اس میں ہوائے بادشاہ ملکِ حسن
جو تیرے سر پر سے گذرے وہ ہما ہوجائیگا

تو ابھی سے حسن کی اقلیم کا ہے تاجدار
پر جوانی آتے ہی ظلِ ہما ہوجائیگا

تم نہ روکوگے تو ہوگا بحر ہستی میں تباہ
دل ہمارا کشتی بے ناخدا ہوجائیگا

دوڑ کر مانند پروانہ گرے گا آگ میں
جل کے دل کو سوز الفت کا مزا ہوجائیگا

شدت دوران سر میں سر جو ٹکرائیں گے ہم
کوہ میں ہر ایک پتھر آسیا ہوجائیگا

خاک میں بھی گردش تقدیر پیسے گی مجھے
ہوں وہ دانہ سنگ مدفن آسیا ہوجائیگا

تیرے ہونٹوں کا اثر دے گا تجھے عمر خضر
تو نے جب پانی پیا آب بقا ہوجائیگا

جمع ہیں محفل میں سب مجھ سے خفا ہوتے ہو کیوں
بحر کے بیٹھوں گا اگر میں بھی تو کیا ہوجائیگا

5

لیں دم اس منزل میں اب یہ حوصلہ جاتا رہا — جس کے ساتھ آئے تھے ہم وہ قافلہ جاتا رہا
عشق کی و شورشیں وہ ولولہ جاتا رہا — اک جوانی کیا گئی سب حوصلہ جاتا رہا
بعد میرے ظالموں نے ہاتھ کھینچے ظلم سے — آسماں کو بھی جفا کا حوصلہ جاتا رہا
گاہ وحشت میں ہنساتا تھا رلاتا تھا کبھی — دل نہیں جاتا رہا اک مشغلہ جاتا رہا
اے جنون بیڑی پہناتے تھے ہم ان کو ہر برس — جب سے منت بڑھ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا
جو ہے وہ مردہ نظر آتا ہے اس کے عشق میں — ہستی و ملک عدم کا فاصلہ جاتا رہا
خاک ہوکر شمع و پروانہ ہوئے آپس میں ایک — عشق کامل کے سبب سے فاصلہ جاتا رہا
ٹھنڈے ٹھنڈے ہاتھ رکھ کر میرے سینہ پر کہا — کیوں دلِ سوزاں کا اب تو آبلہ جاتا رہا

گنج گوہر بھی جو اب ہاتھ آئے تو کس کام کا
اے جنوں میرا دلِ پُر آبلہ جاتا رہا

6

نہاں جب ہوا ماہ کامل ہمارا — تڑپتا رہا دیر تک دل ہمارا
صد افسوس قاتل نے اتنا نہ دیکھا — کہ کیوں کر تڑپتا ہے بسمل ہمارا
نہ چونکے حضور آپ سوتے تھے غافل — پکارا کیا رات بھر دل ہمارا
کہاں پر کنارہ کیا چشم تر نے — جنازہ چلا سوئے ساحل ہمارا
نہ تھی آس پھرنے کی جو اس گلی سے — گلے مل کے رخصت ہوا دل ہمارا
نہ اٹھیں گے ہم اب کی ایسے گرے ہیں — مسیحا سنبھلنا ہے مشکل ہمارا
جنازہ کے ہمراہ آتا ہے گریاں — جھکائے ہوئے سر کو قاتل ہمارا
شہ حسن ہو دھیان رکھا کرو تم — کہ خالی نہ پھر جائے سائل ہمارا

جب آئینہ دیکھا تو کیا ہنس کے بولے
کہ مائل ہے ہم پر مقابل ہمارا

جب آکر کسی نے اٹھایا تو اٹھے
جہاں لے کے بیٹھا ہمیں دل ہمارا

پھرے رفتگاں خاک اڑاتے ہوئے
گیا قافلہ سوے منزل ہمارا

تیری گرمیاں جب کبھی یاد آئیں
دم سرد بھرنے لگا دل ہمارا

الگ چل کے مقتل میں کر ذبح قاتل
نہ ہو خون غیروں میں شامل ہمارا

جلے گی بھلا کیا مقابل ہمارے
نہ دے ساتھ اے شمع محفل ہمارا

نہ لیں گر حسینوں کو ہے بارِ خاطر
مبارک رہے یہ ہمیں دل ہمارا

7

حال تغیر کیا زلف کی سودائی کا
اب خدا منہ نہ دکھائے شب تنہائی کا

کیا جنون رنگ پہ ہے آپ کے سودائی کا
طور ہر داغ میں ہے لالۂ صحرائی کا

دل مایوس کے مانند پڑا جلتا ہے
ہے عجب حال چراغ شب تنہائی کا

خوب اے دل کمر یار کا نظارہ کیا
نام روشن ہے مری چشم کی بینائی کا

ضعف اب تو ہمیں پہروں نہیں اٹھنے دیتا
یاد ایام کہ تھا زور توانائی کا

چاہتا ہوں کہ ذرا تخلیہ ہوجائے حضور
حال کچھ عرض کروں گا شب تنہائی کا

چشم جاناں کی محبت میں یہ وحشت ہے مجھے
کہ ہے آنکھوں پہ گماں آہوے صحرائی کا

اب ملاقات مہینوں نہیں ان سے ہوتی
یاد آتا ہے زمانہ مجھے یکجائی کا

آپ نے سیکڑوں بیمار محبت مارے
بس انھیں باتوں پہ دعویٰ ہے مسیحائی کا

حسن اور عشق سے کیا چاہیے قسمت اچھی
نیک نام آپ ہیں شہرہ میری رسوائی کا

یوں تو حرف خط تقدیر نہیں مٹنے کا
آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا

مارکر مجھ کو جو تدبیر جلانے کی ہے
شہرہ منظور ہے اعجاز مسیحائی کا

جو میرے واسطے جلتا ہے فدا ہوں اس پر — میں ہوں پروانہ چراغ شب تنہائی کا
دل پر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے — پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا
مرغ وحشی کی طرح اڑ کے گیا جانب دشت — حال خط میں جو رقم تھا ترے سودائی کا
جس کی ہو بات مناسب ہے اُسی سے کہنا — تیرہ بختی سے گلہ ہے شب تنہائی کا

دل جو مرجائے ہمارا تو کرے کون آہیں
سو گیا جاگنے والا شب تنہائی کا

(8)

اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا — نام پروردہ قفس ہوں میں نشیمن کیسا
ہم وہ عریاں ہیں کہ واقف نہیں اے جوشِ جنوں — نام کس شے کا گریبان ہے دامن کیسا
اپنی آزردہ دلی بعدِ فنا کام آئی — ڈھیر یہاں گرد کدورت کے ہیں مدفن کیسا
کہہ دیا بس کہ تیری آہ میں تاثیر نہیں — یہ نہ دیکھا کہ یہ سینہ میں ہے روزن کیسا
چھلکے اس پھول سے برباد پڑی بھرتی ہیں — ہم تو اب طائرِ نکہت ہیں نشیمن کیسا
دل اُسے دیکے چلے ملکِ عدم کو بے خوف — مال رکھتے نہیں اندیشۂ رہزن کیسا
دلِ بیتاب کی ہے سینۂ سوزاں میں صدا — اصل پارہ کی ہے کیا دانہ گل خن کیسا
تھا کبھی دور اسیران قفس اے صیاد — اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا
چار دن میں یہ زمانہ بھی گزر جائے گا — ابھی روئیں گے جوانی کو لڑکپن کیسا
سخت جاں ہیں تری تلوار سے کیا خوف ہمیں — سختی مرگ سے دبتے نہیں آہن کیسا
جل گئے صورت پروانہ تپ عشق سے ہم — پھینکدے لاش اٹھا کر کوئی مدفن کیسا
ایک دن ابلق ایام کرے گا پامال — مجھ سے رہ رہ کے بگڑتا ہے یہ توسن کیسا
عشق سے کام نہ تھا حسن کی پروا بھی نہ تھی — یاد آتا ہے جوانی میں لڑکپن کیسا
کھیلتے ہو دل بیتاب سے پھولوں کی طرح — اور ہوتا ہے مری جان لڑکپن کیسا

شمع سے آپ کے سوزاں یہ سنا کرتے ہیں　　کوئی محتاج کفن بھی نہو مدفن کیسا
چاہتا ہوں کوئی دیکھے نہ تیری تیغ کے زخم　　چشمِ جراح ہے کیا دیدۂ سوزن کیسا
نقشِ پا ہیں ہوسِ نام و نشان خاک نہیں　　ہم تو اٹھنے کے لیے بیٹھے ہیں مسکن کیسا
آندھیاں گرم جو چلتی ہیں مری آہوں سے　　منہ چھپاتا ہے چراغ تہ دامن کیسا
سینہ اپنا ہے ہمارا دلِ سوزاں اپنا　　شمع فانوس و چراغ تہہ دامن کیسا

دو رجب سے صفتِ برگ خزاں دیدہ ہے
یاد آتا ہے شب و روز وہ گلشن کیسا

(9)

جفا ہے گردشِ لیل و نہار سے پیدا　　کیا ہے ربط مگر چشمِ یار سے پیدا
ہزار بار بنی قبر اور بیٹھ گئی　　نشانِ ضعف ہیں اپنے غبار سے پیدا
یقین ہے کہ تپ عشق طول کھینچے گی　　ہوئی ہے الفت گیسوے یار سے پیدا
کسی کی طے ہوئی منزل کوئی وطن سے چلا　　زوالِ حسن ہے خط عذار سے پیدا
تیرے مریض کو برسوں ہوئے کہ خاک ہوا　　ہنوز بوے وفا ہے مزار سے پیدا
بلا رہی ہے دل آواز جس کے بجنے کی　　وہ سیل ہے مژۂ اشک یار سے پیدا
کسی اسیر قفس کا پھڑک رہا ہے دل　　تڑپ ہے موج نسیم بہار سے پیدا
ہمارے ضعف جگر کے اثر سے بڑھ نہ سکی　　ہوئی گیاہ جو خاک مزار سے پیدا
عروج فصل میں آکر ہوئے اسیر قفس　　تڑپ ہوئی ہے شروع بہار سے پیدا
کریم کشتۂ تیغ نگہ پہ رحم کرے　　کراہنے کی صدا ہے مزار سے پیدا
فدا ہے دیدۂ جراح و چشم سوزن کا　　دھواں ہے زخمِ دل داغدار سے پیدا
قفس چھپا کے رکھا اے باغباں اسیروں کے　　چمک دلوں میں ہے باد بہار سے پیدا
تمام عمر میں اے گور آج سویا تھا　　جگر میں درد ہوا ہے فشار سے پیدا

کبھی چھپا نہ گریبانِ موج بادِ صبا
جنون کا جوش ہے اپنے غبار سے پیدا

عبث مرے دلِ زخمی سے چاندنی کو ہے لاگ
مگر ہوئی ہے تمھارے عذار سے پیدا

عجیب کام کیا ناوکِ محبت نے
صدا ہوئی ہے دلِ بیقرار سے پیدا

تمھاری زلف کو ہے ناگوار گرمیِ حسن
کہ پیچ و تاب ہے ایک ایک تار سے پیدا

شباب و شیب کا میرے کچھ اعتبار نہیں
ہوا ہوں رنگ خزان و بہار سے پیدا

رہا نہ دیکھ کے مجھ دل جلے کو غم اپنا
صدائے شکر ہے نخلِ چنار سے پیدا

وہ نخلِ خشک ہوں جو لائق اس چمن کے تھا
ہوا ہوں رحمتِ پروردگار سے پیدا

گمان خلق کو ہے چاندنی نے کھیت کیا
عجب سماں ہے خطِ روئے یار سے پیدا

یقین ہے کہ وہ تر دامنوں کو پاک کرے
اگر ہے آنکھ تو ہے آبشار سے پیدا

(10)

کن دنوں میں مٹ گیا صیاد خانِ عندلیب
موسمِ گل میں اُجاڑا آشیانِ عندلیب

عاشقِ گل جان کر اس گل نے غنچہ کی طرح
منہ بنایا سن کے آوازِ فغانِ عندلیب

عاشقوں کے گھر میں شادی وصل کی ہے چند روز
چار دن گل باغ میں ہیں مہمانِ عندلیب

ہے خزاں باغوں میں رہتے ہیں یہ کہہ کر باغباں
گل یہاں تھے اس جگہ تھا آشیانِ عندلیب

کیا خزاں میں جائیں سوئے باغ ہم عاشق مزاج
منہ کو آتا ہے جگر سن کر فغانِ عندلیب

بد دماغی سے پئے گلگشت آتا ہے وہ گل
باغ سے بستر اٹھائیں گل رخانِ عندلیب

باغباں جب فصلِ گل کے چہچہے کرتے ہیں یاد
بیٹھ کر روتے ہیں زیرِ آشیانِ عندلیب

جتنے کانٹے ہیں نظر آتے ہیں پیاسے خون کے
گل کو ہے منظور شاید امتحانِ عندلیب

قطرۂ شبنم نہیں یہ رازِ حسن و عشق ہیں
گوشِ گل میں ہیں گہر اشکِ روانِ عندلیب

باغباں کرنے لگے نالہ ثمر کے واسطے
عشقِ گل میں چرخ نے سن لی فغانِ عندلیب

عاشقوں کا بوجھ معشوقوں سے اٹھ سکتا نہیں
بار شاخِ گل ہے جسمِ ناتوان عندلیب

حال عاشق پر بھلا کیا اعتنا معشوق کو
کان رکھ کر گل نہیں سنتے فغانِ عندلیب

ہر چمن میں خاک اڑتی ہے پئے فصلِ بہار
کیا اداسی ہے میان آشیانِ عندلیب

بعد فصلِ گل تڑپ کر چاندنی یوں باغ میں
ہر طرف برگ خزاں ہیں نوحہ خوانِ عندلیب

کیا اسیری میں گھلایا ہے گلوں کی یاد میں
ہیں رگِ گل سے مشابہ استخوان عندلیب

اے تعشق رخصت گل میں لبوں تک آگئی
سرگذشت عاشقانِ داستانِ عندلیب

11

کیا تصور ہے کہ ہوں ہر وقت ہم پہلوے دوست
ہر گلِ داغ جگر سے آرہی ہے بوے دوست

کس نزاکت سے وہ تلواریں لگاتے ہیں مجھے
متصل شانہ دباتے جاتے ہیں گیسوے دوست

ظلم اٹھاتا ہوں مگر شکوہ میں کر سکتا نہیں
جس قدر دل سخت ہیں اتنی ہی نازک خوے دوست

قتل گہہ میں اپنے اپنے کام میں تھے حسن و عشق
اس کی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوے دوست

خونِ ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے
نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست

حسن کو اعجاز میں بھی سحر میں بھی ہے کمال
اب مسیحا سامری ہے نرگس جادوے دوست

بام پر آتا ہے جب ہوتا ہے پیدا ماہ نو
انگلیاں اٹھتی ہیں لاکھوں جانب ابروے دوست

واے حسرت کس طرح وہ قتل کرتے ہیں مجھے
غیر چہرے سے ہٹاتے جاتے ہیں گیسوے دوست

جو ہے وہ بے خود ہے سن کر اسکے گھنگرو کی صدا
مثلِ افعی لوٹتے ہیں پاؤں پر گیسوے دوست

سرد فرقت میں پڑا رہتا ہے میت کی طرح
گرم رہتا تھا اسی دل سے کبھی پہلوے دوست

یاد کرنا حسرتیں مجھ کشتۂ بے جرم کی
اے رفیقو جب دبانا شانہ و بازوے دوست

اے تعشق اب سر شوریدہ ہے اور سنگ ہے
وصل کے ایام میں تھی عادت زانوے دوست

12

خموشی ہوگئی طوقِ گلو آج
کسی کی یاد آئی گفتگو آج

دکھا منہ چاند کو ہنس ہنس کے تو آج
یہی صحبت رہے اے ماہ رو آج

تلاشِ یار کا تھا دھیان کل تک
ہمیں ہے اپنے دل کی جستجو آج

ہنسے دیتے تھے جو کل اس گلی میں
پڑے پھرتے ہیں روتے کوبکو آج

سرِ محفل بھر آئے ہوتے آنسو
گئی ہوتی ہماری آبرو آج

کل اے دستِ جنوں پھر دھجیاں ہیں
گریباں کو کیا ہے گر رفو آج

اکیلا ہوں شبِ فرقت میں اے دل
بہل جاؤں کرے باتیں جو تو آج

ہوا ترکِ محبت پہ نہ راضی
رہی تا دیر دل سے گفتگو آج

میرے لاشے پہ آؤ بال کھولے
سنگھا جاؤ وہ زلفِ مشکبو آج

یوہی لپٹے رہو میرے گلے سے
محبت کی چلی آتی ہے بو آج

رلا جاتے ہیں اب انکی گلی سے
گلے مل مل کے روئے ہم سے تو آج

بہت نازک ہیں وہ اے سخت جانی
خدا رکھے ہماری آبرو آج

شبِ فرقت کی آفت سے بچانا
خبر لینا ذرا اے مرگ تو آج

ترے در پر پڑے دم توڑتے ہیں
نکلتی ہے ہماری آرزو آج

تعشق دیکھتا ہے کس کی تو راہ
لگی ہیں دونوں آنکھیں چار سو آج

13

یہ میرے نالوں سے تھی تنگ ہجرِ یار میں روح
کہ بعدِ مرگ نہ آئے کبھی مزار میں روح

گئیں بہار کی راتیں چراغِ گل ہیں خموش
برنگِ شمعِ سحر ہے تنِ نزار میں روح

عجیب تفرقہ ڈالا غمِ جدائی نے
مزار میں ہے مرا جسم کوئے یار میں روح

بہت مرے تن پہ داغ سے محبت ہے — رہے گی بعد فنا جا کے لالہ زار میں روح
تمھارے بال جو سنبل سے یاد آتے ہیں — برنگِ زلف پریشاں ہے انتشار میں روح
ہم اس چمن میں وہ بلبل تھے صاحبِ الفت — وداع تن سے ہوئی موسمِ بہار میں روح
کیا میانِ قفس اس قدر تصورِ گل — ہوئی ہے طائرِ نکہت تنِ نزار میں روح
نہ ترک ہوتی ہے الفت تری نہ مرتا ہوں — نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
کشاں کشاں مرا لاشہ تو لے گئے احباب — نکل کے رہ گئی قالب سے کوئے یار میں روح
بدن سے چھوٹ کے جا کر رہے گی گلشن میں — کہ عندلیب ہے عشقِ گل عذار میں روح
قدم قدم پہ جنازہ نہ کیوں ٹھہر جائے — کہ میرے جسم سے نکلی ہے انتظار میں روح
ہے احتضار مجھے دوستو تڑپنے دو — اسی طرح سے نکلتی ہے ہجرِ یار میں روح
فغان و آہ ہے کیا حکم ہو تو سانس نہ لوں — مرا دل آپ کے بس میں ہے اختیار میں روح
دکھادے رخ تو یہ کانٹا ابھی نکل جائے — لگی ہوئی ہے تری پھول سے عذار میں روح
خرامِ ناز کی الفت مرے پہ بھی نہ گئی — بھٹکتی پھرتی ہے ہر تیرے رہگزار میں روح

حیات کا ہے تعشق بھلا بھروسا کیا
ہوا حباب میں ہے یا ہے جسمِ زار میں روح

(14)

دو دموں سے ہے فقط گورِ غریباں آباد — تم ہمیشہ رہو اے حسرت و ارماں آباد
تجھ سے اے درد ہے قصرِ دل ویران آباد — کیا سر افراز کیا خانۂ ویراں آباد
جس جگہ بیٹھ کے روئے وہ مکاں ڈوب گئے — شہر ہونے نہیں دیتے تیرے گریاں آباد
قیس و فرہاد کے دم سے بھی عجب رونق تھی — کچھ دنوں خوب رہے کوہ و بیاباں آباد
وحشت دل یہ بڑھی چھوڑ دیے گھر سب نے — تم ہوے خانہ نشیں ہو گئیں گلیاں آباد
آمدِ قافلۂ درد و الم ہے صد شکر — آج ہوتی ہے سرائے دل ویراں آباد

مٹ گئے داغِ جگر حسنِ رخِ یار گیا
کل کی ہے بات کہ تھا کیا یہ گلستاں آباد
تیرے دیوانوں کے جس دشت سے اٹھے بستر
وحشیوں سے نہ ہوا پھر وہ بیاباں آباد
صورتِ شمع ہوا خاک بدن جل جل کر
ہم نے تربت بھی نہ کی اے شبِ ہجراں آباد
صحبتیں ہوگئیں برباد گل اندا موں کی
خاک اڑتی ہے وہاں تھے جو گلستاں آباد
سینہ و دل میں خوشی سے نہ جگہ تھی غم کی
اے تعشق یہ مکاں بھی تھے کبھی ہاں آباد

15

دل جل کے رہ گئے ذقنِ رشکِ ماہ پر
اس قافلہ کو پیاس نے مارا ہے چاہ پر
گیسو کو ناز ہے دلِ روشن کی چاہ پر
پروانہ یہ چراغ ہے مارِ سیاہ پر
نیند اڑ گئی گراں ہے یہ شب رشکِ ماہ پر
بجلی نہ کیوں فلک سے گرے میری آہ پر
ہے یادِ خفتگانِ زمیں کا جو خطِ سبز
بھولے سے میں قدم نہیں رکھتا گیاہ پر
لٹتا ہے خانۂ دلِ عاشق بچایئے
بگڑی ہوئی ہے فوجِ مژہ کس گناہ پر
تاثیر کا ہے خوف انھیں عینِ شوق میں
ہے دل پہ ہاتھ کان ہیں آوازِ آہ پر
محشر بپا ہے بند ہیں کشتوں کے راستے
قد بارہ پر ہے بارہ ہے تیغِ نگاہ پر
کیا آدمی کی خاک کو روندوں میں رحم دل
روتا ہے پائمالیِ مردم گیاہ پر
کہتے ہو کس کے قلب میں اٹھتا ہے شب کو درد
روتا ہے دل میرا مرے حالِ تباہ پر
آخر تلاشِ گور ہوئی دل کو عشق میں
برسوں تباہ ہو کے اب آیا ہے راہ پر
دل کے معاملہ میں نہ ہو دخل غیر کو
لینا جو ہو تو لیجیے اپنی نگاہ پر
اوپر کی سانس لینے کا آزار ہوگیا
جس کی نظر پڑی تری ترچھی نگاہ پر
بخیہ جراحتِ دلِ نازک مزاج کا
موقوف ہے حضور کے تارِ نگاہ پر

16

لگی ہے آگ وہ ہیں داغ جسمِ لاغر پر — لٹائیو مجھے پانی چھڑک کے بستر پر
قلیل رات سے داغ اک عیاں ہوا سر پر — سحر کو خاک پڑی تھی ہمارے بستر پر
سیاہ بخت نہیں کوئی خلق میں ہم سا — ہر ایک وقت اندھیرا ہے اپنے بستر پر
خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی — ہم ایک قطرۂ خوں تھے زبانِ خنجر پر
ہے اس قدر تری وحشی کے خون کا پیاسا — کہ العطش کی صدا ہے زبانِ خنجر پر
فنا کے بعد بھی اٹھنے کو جی نہ چاہے گا — عجیب لطف کا سایہ ہے آپ کے در پر
ہمارے خون کا دھبا ہے مانعِ انکار — مگر ہے مہر خموشی زبانِ خنجر پر
پکا دیا اثر خون گرم نے بالکل — ورم رہا ہے مہینوں زبانِ خنجر پر
شکستہ ہوگا دل اس بت سے آگیا یہ خیال — میں رو دیا کوئی شیشہ گرا جو پتھر پر
اجل نے دشت نوردی پہ میرے رحم کیا — تمام عمر میں سویا ہوں آج بستر پر
لکھا تھا خط میں انھیں حال آہ سوزاں کا — سنا ہے راہ میں بجلی گری کبوتر پر
چلا نہ جائے گا خنجر سے دیکھ کر مرا حال — جو آپ ہاتھ نہ رکھئے گا چشم جوہر پر
ترے مریضِ محبت نے قبر کی آباد — عجب طرح کی اداسی ہے آج بستر پر
یہ تشنگی مری زخموں کو ہے معاذاللہ — بچا نہ آب کا قطرہ زبانِ خنجر پر
اٹھا کے لے گئے لاشہ کشاں کشاں احباب — پڑا رہا مرا سایہ حضور کے در پر
کمال خط میں رقم تھا جو شوق اس مہ کا — تمام راہ رہی چاندنی کبوتر پر
پڑا ہے پرتو عارض خط ان کو دینے میں — یہ سرخ گل تو نہ تھے بازوے کبوتر پر
عدم سے دل کو نہ لاتے نہ توڑتا وہ بت — خبر نہ تھی کہ یہ شیشہ گرے گا پتھر پر
تمھاری ٹھوکریں یاد آئیں گی بہت پس مرگ — کسی کا پاؤں پڑے گا جو کاسۂ سر پر
ہزار شکر کٹا کس مزہ سے حلق اپنا — کہ مدتوں رہی لذت زبانِ خنجر پر
یہ دم بدم کسی سوزاں کی آہ آتی ہے — ہوائے گرم کے جھونکے نہیں ترے در پر

تجھے جو اے دلِ گم گشتہ ڈھونڈنے نکلا
میں جس چمن میں گیا گر پڑا صنوبر پر

تمام عمر کی کی کبھی نہ پانی نے
عجب کریم کی رحمت ہے دیدۂ تر پر

وہ انتہا کے ہیں نازک میں سخت جاں ہوں کمال
عجب طرح کی مصیبت پڑی ہے خنجر پر

جلوں گا میں کہ دل اس بت کا غیر پر آیا
اڑے گی آگ کہ پتھر گرا ہے پتھر پر

بدن کو آبلۂ دل گھلائے دیتا ہے
اک آسمان گرا ہے تمھارے لاغر پر

تمھارے عہد میں ہے کیا دلوں کی بے قدری
کہ قمریاں بھی نہیں بیٹھتیں صنوبر پر

یہ آئینہ کو رلایا تمھاری دوری نے
کہ اب ورم نظر آتا ہے چشم جوہر پر

تمھاری چشم نے اتنا کیا تہ و بالا
میان میکدہ شیشے دھرے ہیں ساغر پر

بہا دیا ترے مجنوں نے رو کے چشمۂ فیض
ہجوم وحشی صحرا ہے دیدۂ تر پر

ہوا یہ زرد تری چشم دیکھ کر ساقی
کہ احتمال گل زعفراں ہے ساغر پر

چمن اداس پڑا ہے ترے نہ جانے سے
گمان ہے دل مایوس کا صنوبر پر

غبار سرخ ہے مٹی میں بوئے الفت ہے
یہ کس شہید کی تربت ہے آپ کے در پر

وہ دل کو لے کے اٹھے آئینہ کے دھوکے میں
ضرور جائیں گے ہم تربت سکندر پر

کوئی طریق جفا کا اٹھا نہ رکھیے گا
ہمارے آپ کے بس گفتگو ہے خنجر پر

ڈبو دیا مجھے اشکوں میں عشق دنداں نے
تھمی نہ کشتی عمر آ کے آب گوہر پر

عجب وضع کی دلچسپ چال چلتے ہو
تمھارے پاؤں کے بنتے ہیں نقش پتھر پر

پھرا نہ دل ترے کوچہ سے ہم عدم کو چلے
رہی امید ملاقات روز محشر پر

شب فراق میں ہے طور شام غربت کا
گمان غول بیاباں ہے مجھ کو اختر پر

کیا ہے تیغ نگہ سے کسی پری نے شہید
بجا ہے مہر سلیمان اپنے محضر پر

طلوع ہو جو مقابل میں داغ سودا کے
پسینہ آئے رخ آفتاب محشر پر

وہ پھر آج خود آیا ہے روشنی کرنے
مرے چراغ لحد ہنس رہے ہیں اختر پر

جمال پاک تعشق بھی دیکھ لے شاہا
کہیں جلوس کرے مسند پیمبرؐ پر

17

بجھ گیا دل نہ رہی فصلِ بہارِ عارض
بے چراغ اب نظر آتا ہے دیارِ عارض

دل ہو آباد زیادہ ہو بہارِ عارض
کہ مسلمانوں کی بستی ہے دیارِ عارض

ہم غریبوں کو دکھاتے ہیں بہارِ عارض
بانٹ دیتے ہیں وہ تحصیل دیارِ عارض

کیا خبر تھی خطِ شبرنگ نکل آئے گا
صبحِ عارض میں نہاں تھی شبِ تارِ عارض

رخِ رنگیں سے کہاں گرتے ہیں قطراتِ عرق
گلِ عارض سے ٹپکتی ہے بہارِ عارض

کر رہی ہے عجب اندھیر نزاکت ان کی
سانولا رنگ ہوا ہے شبِ تارِ عارض

لبوں سے پان کی سرخی بھی نظر آتی ہے
ہے مگر حسن صفا آئینہ دارِ عارض

جا چکی وصل کی شب آپ کا منہ اترا ہے
ہے اداس آج بہت صبحِ بہارِ عارض

آپ کے حسن کو کہتے ہیں سب اربابِ نیاز
ناز پروردۂ دامان و کنارِ عارض

ہاتھ اٹھا کر مہ نو تم کو یہ دیتا ہے دعا
عمر بھر حسن رہے زیبِ کنارِ عارض

چونک اٹھے سوتے میں آیا تہ رخسار جو ہاتھ
نازنیں روئیں کلائی کے ہیں خارِ عارض

عکسِ رخسار سے گلدام بنی ہیں زلفیں
طائرِ نکہتِ گیسو ہے شکارِ عارض

زلف و رخسار کا دیکھا نہ کبھی حسن افسوس
ہم سے برگشتہ رہے لیل و نہارِ عارض

عشقِ رخسار میں جاتا ہے مجھے چھوڑ کے دل
ہو مبارک سفرِ راہ دیارِ عارض

ہم سیہ بخت کبھی تھے خطِ شب رنگ کے صید
یاد ایام کے رہتے تھے نثارِ عارض

ان کے رخسار پہ رہتی ہے نظر آٹھ پہر
ہے مرے نام پہ تحصیل دیارِ عارض

ملتہب جاتی ہے ترے آتشِ رخ سے بالکل
عکس ہے کان کے بندوں کا شرارِ عارض

روح مجنوں ہوئی تیری رخ و گیسو پہ نثار
زلفِ لیلیٰ کے لیے ہوگئی بارِ عارض

قبر پر ڈالتے ہو خاک غضب کرتے ہو
عطر مٹی کا ہے عارض کو غبارِ عارض

مائل رخ جو ہوے دل تو پھنسے زلفوں میں
رسن زلف میں لٹکیں گے شکارِ عارض

خالِ رخسار سے ہے خط سیہ نور افشاں
چاندنی رات ہوتی ہے شبِ تارِ عارض

آتشیں رخ سے ٹپکتے ہیں عرق کے قطرے		بجھتے ہیں خاک پہ گر گر کے شرارِ عارض
نظر آتی ہیں رگیں جسم کھلے ہیں ایسے		دل ہے اے رشکِ چمن عاشق رازِ عارض
وہ مجھے روتے ہیں منہ سرخ ہوا جاتا ہے		کیا نزاکت ہے کہ آنسو بھی ہیں بارِ عارض
منہ ترا دیکھ کے شاخوں سے گرے پڑتے ہیں گل		خاک پر لوٹتے ہیں عاشقِ زارِ عارض
چاند پہ دیکھ کے ہالے کو فدا کیوں نہ ہنسیں		یوں تو آہ دل عاشق ہے نثارِ عارض
ہر گھڑی ناز سے رہتا ہے مکدر چہرہ		ان کے عارض کی صفائی ہے غبارِ عارض
نامۂ شوق پہ منہ رکھ کے بہت میں رویا		خوب نکلا خطِ محبوب سے کارِ عارض
کیا ہوا پھر جو چڑھ آئی خطِ شب رنگ کی فوج		لشکرِ حسن سے چھوٹا نہ حصارِ عارض

خطِ رخسار سے جان اپنی بچے گی کیونکر
ایک دم ہو گئے ہیں لیل و نہارِ عارض

(18)

کون اپنے ساتھ اٹھا کر لے گیا اورنگ و شمع		کچھ نہیں شاہوں کی تربت پر سوائے سنگ و شمع
اشک نکلے عشقِ گیسو میں کروں آہ و فغاں		چاہیے پر قافلے کے ساتھ شب کو زنگ و شمع
زخمیِ الفت ہوں میں جویائے قبر اے سرد مہر		موسمِ سرما میں ہے لطفِ مکانِ تنگ و شمع
وہ کفن سے منہ چھپائے سو رہے ہیں زیرِ خاک		چین آتا تھا نہ جن کو شب کو بے اورنگ و شمع
شعلہ رو جلنے جلانے میں ہیں چاروں ذی کمال		ایک ہیں ہم آپ اور پروانۂ بے ننگ و شمع
آتشِ غم نے دکھایا بعد مردن بھی اثر		بن کے شعلہ اڑ گئے تربت سے میری سنگ و شمع
اے شبِ غم بیٹھے ہیں بعد فغان و اشک و آہ		قافلہ پیچھے رواں ہے آگے آگے زنگ و شمع
ہے غضب آراستہ صحبت شبِ معراج کی		آسمان و ماہ ہے فانوسِ مینا رنگ و شمع
زندگی بھر سختیاں دل نے اٹھائیں کھائے داغ		بعد مردن بھی رہے سینہ پہ میرے سنگ و شمع

خاک دونوں کی ہوئی ہے ایک جل جانے کے بعد — خوب آپس میں ملے پروانہ بے ننگ و شمع
اپنے سوزاں سے کبھی ملتا نہیں وہ تیرہ رنگ — کیسے ہم آغوش ہیں پروانہ بے ننگ و شمع

اے تعشق مثل ناسخ تھا کبھی ہم کو بھی عیش
وصل میں تھی رونقِ محفل نوائے چنگ و شمع

(19)

اپنی فرحت کے دن آئے یار چلے آتے ہیں — کیفیت پر گلِ رخسار چلے آتے ہیں
پڑگئی کیا نگہِ مست ترے ساقی کی — لڑکھڑاتے ہوئے میخار چلے آتے ہیں
یاد کیں نشہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کس کی — غش تجھے اے دلِ بیمار چلے آتے ہیں
راہ میں صاحب اکثر کھڑے ہیں مشتاق — خاکسارانِ درِ یار چلے آتے ہیں
باغ میں پھول ہنسے دیتے ہیں بیدردی سے — نالہ مرغ گرفتار چلے آتے ہیں
دیکھ کر ابروے خمدار پھرے یوں عاشق — غل ہے کھائے ہوئے تلوار چلے آتے ہیں
جس طرح نرغے میں چلتے ہیں غزال صحرا — یوں تیری چشم کے بیمار چلے آتے ہیں
ہوں وہ بے خود کہ یہ ہے نالہ سوزاں پہ گماں — شعلۂ آتشِ رخسار چلے آتے ہیں
چاہیے شور قیامت پئے تعظیم اٹھے — آپ کے عاشق رفتار چلے آتے ہیں
شور سنتے ہیں جو ہم چاک گریبانوں کا — بند کھولے سربازار چلے آتے ہیں
ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی — ان کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں

چل گئی تیغ نگہ آج تعشق پہ ضرور
لوگ اس کوچہ سے خونبار چلے آتے ہیں

20

کب اپنی خوشی سے وہ آئے ہوئے ہیں　　میرے جذبِ دل کے بلائے ہوئے ہیں
کجی پر جو افلاک آئے ہوئے ہیں　　ان آنکھوں کے شاید سکھائے ہوئے ہیں
کبھی تو شہیدوں کی قبروں پر آؤ　　یہ سب گھر تمھارے بسائے ہوئے ہیں
کیا ہے جو کچھ ذکر مجھ دل جلے کا　　پسینہ میں بالکل نہائے ہوئے ہیں
ذرا پھول سے پاؤں میلے نہ ہوں گے　　تم آؤ ہم آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
کہیں خاک بھی اب نہ بیٹھے گی اپنی　　کہ ان کے گلے سے اٹھائے ہوئے ہیں
گرے گا زمیں پر نہ خونِ شہیداں　　عبث آپ دامن اٹھائے ہوئے ہیں
فقط پاس ہے ان کے تیر نگہ کا　　جو سینہ سے دل کو لگائے ہوئے ہیں
جنازہ مرا دوستو کل اٹھانا　　کہ وہ آج مہندی لگائے ہوئے ہیں
انھیں پاس ہے دل ہمارا مقرر　　وہی ہم سے آنکھیں چرائے ہوئے ہیں
جو ہے گھر کے اندر وہی گھر کے باہر　　وہ آنکھوں میں دل میں سمائے ہوئے ہیں
میرے بعد جانے کے اتریں گے کیونکر　　یہ کپڑے جو میرے پہنائے ہوئے ہیں
نہ ہو سبزہ رنگوں میں کیوں ان کی شہرت　　میرے قتل پر زہر کھائے ہوئے ہیں
میرے خط کے پرزے اڑائے انھوں نے　　کسی کے سکھائے پڑھائے ہوئے ہیں
خدا زلف سے دل جگر کو بچائے　　بڑے پیچ میں دونوں آئے ہوئے ہیں
تڑپ کر شب ہجر میں کیوں نہ رووں　　چمکتی ہے برق ابر آئے ہوئے ہیں

تعشق وہ جو چاہیں باتیں سنائیں
سر عجز ہم تو جھکائے ہوئے ہیں

21

یادِ غمِ دل سے کبھی جاتی نہیں
اب تو بھولے سے ہنسی آتی نہیں

آہِ دل کس کس طرف جاتی نہیں
اے اثر تجھ کو کہیں پاتی نہیں

لوٹتی ہے شامِ حسنِ صبح پر
عارضوں پر زلف لہراتی نہیں

ہے صبا کو ہم اسیروں سے غبار
اس طرف ہو کر کبھی جاتی نہیں

کچھ خبر ملتی نہیں دل کی مجھے
آج نالوں کی صدا آتی نہیں

رحم کے قابل نہیں مرغانِ قفس
نکہتِ گل اے صبا لاتی نہیں

قبر میں رکھ کر مجھے کہنے لگے
کیوں طبیعت اب تو گھبراتی نہیں

وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر
ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں

خوف تیرا ہے کمال اے شامِ ہجر
ضعف سے آواز تھراتی نہیں

بے تیرے رہتی ہے الجھن رات بھر
کروٹیں لیتے ہیں نیند آتی نہیں

حسن کی گرمی سے ہم تو جل گئے
آپ کی رنگت بھی سونلاتی نہیں

دل میں یاں روزن ہیں اور کہتے ہیں وہ
آہ کرنا بھی تجھے آتی نہیں

ہوں وہ زخمی آکے میرے سامنے
چاندنی کب پاؤں پھیلاتی نہیں

کوچۂ گیسو میں ہے کیا تیرگی
ٹھوکریں کس کی نگہ کھاتی نہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانکے ہوئے
بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

آئی پیری چھوڑ عشقِ نوجواں
اے تعشق تجھ کو شرم آتی نہیں

22

نئے آج ان کے چلن دیکھتے ہیں ہمارے وہ داغ کہن دیکھتے ہیں
تیری جامہ زیبی کے کل تھے جو عاشق انھیں آج پہنے کفن دیکھتے ہیں
تلاش شب وصل میں پھر رہا ہوں مرا آپ دیوانہ پن دیکھتے ہیں
سمجھتے ہیں تھا سینہ چاکوں میں یہ بھی شکستہ جو قبر کہن دیکھتے ہیں
چمن میرے داغوں کے کیا ان کے آگے جو لوگ آپ کی انجمن دیکھتے ہیں
سماتے نہیں مثل بو پیرہن میں جو ہم کوئی بھی گلبدن دیکھتے ہیں
سنے گا بھلا کون یہ سخت باتیں حضور اپنا طرز سخن دیکھتے ہیں
پھری ہے نظر ہم سے اس ماہ رو کی نیا دور چرخ کہن دیکھتے ہیں
نگاہ غضب ہے حسینوں کی مجھ پر میرے دل کو ناوک فگن دیکھتے ہیں
غم آنے نہ پاتا تھا کل جس مکان میں اسی گھر کو بیت الحزن دیکھتے ہیں
خیال رخ و زلف میں کیوں نہ روئیں کہ پانی میں سورج گہن دیکھتے ہیں
چلا حسن عاشق بھی ہوتے ہیں رخصت ہم آج آپ کا بانکپن دیکھتے ہیں
بگاڑا ہے زلفوں کی صحبت نے ایسا کہ ہر دم جبیں پر شکن دیکھتے ہیں
ملاتے ہیں جا جا کے دریا میں آنسو جو میلا تیرا پیرہن دیکھتے ہیں
تیرے حسن کا رعب ایسا ہے اے گل کہ چھپ چھپ کے مرغ چمن دیکھتے ہیں
انھیں ہم سمجھتے ہیں زلفوں کا عاشق جسے ہم اسیر رسن دیکھتے ہیں

تعشق نے آنا کیا ترک شاید
اداس آپ کی انجمن دیکھتے ہیں

23

جوش پر تھیں صفتِ ابرِ بہاری آنکھیں
بہ گئیں آنسوؤں کے ساتھ ہماری آنکھیں

ہیں جلو میں صفتِ ابرِ بہاری آنکھیں
اٹھنے دیتی ہیں کہاں گردِ سواری آنکھیں

کیوں اسیرانِ قفس کی طرف آنا چھوڑا
پھیرلیں تو نے بھی اے بادِ بہاری آنکھیں

سامنے آگئی گلگشت میں نرگس شاید
پلکوں سے چیں بجبیں ہیں جو تمھاری آنکھیں

کیا دُرِ اشک سے ہیں دامنِ مژگاں مملو
کب زباں ہے کہ کریں شکر گزاری آنکھیں

دیکھتے ہیں طرفِ چاہِ ذقن الفت سے
مفت میں ہم کو ڈبوتی ہیں ہماری آنکھیں

شوخیاں آہوؤں کی ذہن میں کب آتی ہیں
کچھ دنوں ہم نے بھی دیکھی تھیں تمھاری آنکھیں

قطرۂ آب کو محتاج کیا گردوں نے
یاد ایام کہ تھیں چشمۂ جاری آنکھیں

دور سے دیکھ کے تم کو کوئی جی بھرتا ہے
کررہی ہیں فقط ایام گذاری آنکھیں

ابر کو دیکھ کے ہر مرتبہ جوش آتا ہے
اب تو آئیں ہیں میرے ضبط سے عاری آنکھیں

جب ہٹا آئینہ آگے سے ہوئیں کیا بے چین
اپنے پر آپ ہی عاشق ہیں تمھاری آنکھیں

لطف دیکھا نہ کسی چیز کا اشکوں کے سوا
آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں

کہتی ہے بھر کے دمِ سرد خزاں میں بلبل
ڈھونڈتی ہیں تجھے اے فصلِ بہاری آنکھیں

تم کو شرم آتی ہے ہم قابلِ نظارہ نہیں
نہ رہا حسن تمھارا نہ ہماری آنکھیں

کیوں چراگاہ غزالاں نہ کہوں پلکوں کو
پھر رہی ہیں میری نظروں میں تمھاری آنکھیں

ہوؤں کس واسطے گر سامنے آنا چھوڑا
آپ کو حسن ہے پیارا مجھے پیاری آنکھیں

کور ہوجاؤں مگر عشق میں رونے کو نہ روک
ناصحا دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں

سیکڑوں شیشۂ دل بادہ کشوں کے توڑے
محتسب سے ہیں زیادہ وہ خماری آنکھیں

پھول نرگس کے گرے شاخ سے ڈالی جو نظر
تیری آنکھوں کی اطاعت میں ہیں ساری آنکھیں

فرش ہوجاتی ہیں تم پاؤں جہاں رکھتے ہو
ادب آموز محبت ہیں ہماری آنکھیں

بعد مدت کے ذرا ہوش میں آیا ہوں آج پھر دکھادے مجھے ساقی وہ خماری آنکھیں
اشکِ خونیں سے اسیری میں اٹھا لطفِ بہار ہے قفس رشکِ چمن ابر بہاری آنکھیں
کیا کریں بزم حسیناں میں تعشق جا کر
نہ رہیں قابل نظارہ ہماری آنکھیں

(24)

قدم اہلِ زمیں آنکھوں سے رو رو کر لگاتے ہیں نکل آتا ہے پانی جس جگہ ٹھوکر لگاتے ہیں
ہوئے جاتے ہیں بسمل مجھ سے پہلے دیکھنے والے خدا جانے وہ تلواریں مجھے کیونکر لگاتے ہیں
نہیں تسکین ہوتی ایک جا پر کوئے جاناں میں سحر سے شام تک ہم سو جگہ بستر لگاتے ہیں
وہ دیوانہ ہے جو وحشت سرائے دہر میں آیا مزاروں پر نشاں کے واسطے پتھر لگاتے ہیں
کہیں تربت نہ اپنی کھد سکے جز کوچۂ جاناں گدائے حسن موقع دیکھ کر بستر لگاتے ہیں
عجب اندھیر کر رکھا ہے آج ان کی نگاہوں نے جو کل کہتے تھے سرمہ آنکھ میں کیونکر لگاتے ہیں
چھڑا لینے کی اب تو پوچھتے پھرتے ہیں تدبیریں کبھی یہ فکر تھی ہم کو کہ دل کیونکر لگاتے ہیں
رہیں افتاد سے محفوظ یارب دست و پا ان کے جو مجھ سے ناتواں کی لاش کو ٹھوکر لگاتے ہیں
جگر جل جل کے دیتے ہیں دعائیں شعلہ رویوں کو رہیں ٹھنڈے دل ان کے آگ جو گھر گھر لگاتے ہیں
جگہ تھی دل میں جن کے در پہ ان کے بنتی ہیں قبریں جو کل گھر میں تھے بستر آج وہ باہر لگاتے ہیں
فرشتوں کو ملے ہیں وہ میرے اعضا جو بے حس تھے دل بیتاب کا دیکھوں پتا کیونکر لگاتے ہیں
نہیں ہے جذبۂ الفت سے ان کا ہاتھ قابو میں کہ دل پر تیغ پڑتی ہے وہ جب سر پر لگاتے ہیں
لہو ایسا جلا ہے سوزِ غم سے ان کے وحشی کا نکلتا ہے دھواں خالی جہاں بستر لگاتے ہیں
ادھر تو ہے نیاز اور اس طرف کو بے نیازی ہے قدم پر جب میں سر رکھتا ہوں وہ ٹھوکر لگاتے ہیں
کبھی شاید خریداری پہ مائل ہو مزاج ان کا
دکانیں اس گلی میں سر فروش اکثر لگاتے ہیں

25

پہلے تھیں جلوہ نما صورتیں کیا کیا دل میں
اب تو خاک اڑ رہی ہے صورتِ صحرا دل میں

دوہرے پردے ہوں چھپاؤں تمھیں ایسا دل میں
دل کلیجے میں سماجائے کلیجا دل میں

نگہ ناز کی ناحق کو شکایت ہوگی
کیا کہوں تم سے کہ روزن ہے یہ کیسا دل میں

کہتے ہو آج تو سرخی ترے اشکوں میں نہیں
یہ تو پوچھو کہ لہو کا بھی ہے قطرہ دل میں

شام کو سن لیا جو تھا کہ بناتے ہیں وہ بال
رات بھر آج خیال آئے ہیں کیا کیا دل میں

بولیں آپس میں نہ احباب میرے لاشے پر
رہ گئی یار سے باتوں کی تمنا دل میں

جب وہ آئے تو کوئی بات نہ منہ سے نکلی
یوں تو ہم بیٹھے تھے سوچے ہوئے کیا کیا دل میں

حسرتیں رہ گئیں اس گھر میں ہزاروں مرکے
کیوں نہ گھبرائیں وہ اب تو ہوے تنہا دل میں

اور تو آپ کے آگے بھی کوئی عیب نہیں
ہاں اگر ہے تو محبت کا ہے دھبہ دل میں

26

اس چمن میں کیوں کوئی حاجت روا پیدا کروں
مثل غنچہ دامن دل سے قبا پیدا کروں

ربط حسن و عشق کا یہ سلسلہ پیدا کروں
صورت زلف رسا آہ رسا پیدا کروں

کد ہے قاتل لو نئی طرز جفا پیدا کروں
خود قضا کی جان جائے وہ ادا پیدا کروں

جی میں ہے معشوق کوئی بے وفا
سب سے ہو نا آشنا وہ آشنا پیدا کروں

ہر قدم پر منزل ہستی میں لٹنے کا ہے خوف
اضطراب دل نہ کیوں مثل درا پیدا کروں

موج دریائے بلا کی چاہیے کشتی مجھے
ہو جو بالکل ناموافق وہ ہوا پیدا کروں

مجھ سے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو
میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں

تیغ سے تیری جو ہوں پیہم ستم گلگیر کے
متصل میں شمع کی صورت گلا پیدا کروں

اے خضرِ تقدیر سرگشتگی جاتی نہیں
جو نہ بھولے راہ میں وہ رہنما پیدا کروں
روز و شب آمادہ ہے اندھیر کرنے پر فلک
چاہتا ہے دردِ چشم سرمہ سا پیدا کروں
ہوں وہ پروانہ کہ جلنے کے لیے مانندِ شمع
سر سے پا تک صورتِ دستِ دعا پیدا کروں
طائرِ بے آشیاں ایسا ہوں بجلی گر پڑے
ایک تنکے کا اگر میں آسرا پیدا کروں
زلف کے سودے کو دعویٰ ہے بدل دوں سرنوشت
پاؤں سے مثلِ قلم زنجیرِ پا پیدا کروں
دورِ چشم جام کا جمشید سے ایسا ہے صاف
چاہتا ہوں گردشِ جامِ گدا پیدا کروں
مدتوں کی یہ حکیمِ حاذقِ قدرت نے فکر
کیا مریضانِ محبت کی دوا پیدا کروں

27

یہ باغ کیا جہاں میں ہو راحت یقیں نہیں
دل مضطرب ہے اس کا ٹھکانا کہیں نہیں
کہتے ہو زلف میں دلِ اندوہگیں نہیں
پس جب یہاں نہیں تو یہ جانو کہیں نہیں
آنکھیں ہوں نوکِ نشترِ مژگاں یقیں نہیں
ہے چھینٹ خون کی دلِ اندوہگیں نہیں
ہے ابتدائے عشق میں یہ حالِ چشمِ تر
ندی چڑھی ہوئی ہے میری آستیں نہیں
دل کیوں نہ بیٹھ جائے کہ ہے دوست وہ قدیم
بیکس ہوں اور کوئی میرا ہمنشیں نہیں
اے آسمان معاف رکھ ان صحبتوں سے اب
شادی کے کام کا دلِ اندوہگیں نہیں
بارے میرے لہو سے بھی اس کو ہے احتیاط
الٹی ہوئی جو کہنیوں تک آستیں نہیں
حکم اس گلی میں ہے نہ ملے ایک ایک سے
میت کو ہو فشار یہ وہ سرزمیں نہیں
میں زاہدوں کے سامنے ہوں تارک الصلوٰۃ
کس سے کہوں کہ لائقِ سجدہ جبیں نہیں
پیدا لباس سے ہے کہ وحشت سرا ہے قبر
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں
آہوں میں اور آنسوؤں میں ہے مقابلہ
اب آج آسماں نہیں یا یہ زمیں نہیں
جتنے ہیں اہلِ حسن وہ عالی دماغ ہیں
بستی یہ وہ ہے جس میں فلک ہے زمیں نہیں

سینے کے داغ مٹ گئے دل جیسے مٹ گیا ۔۔۔ وہ گھر ہے بے چراغ کہ جس میں مکیں نہیں
روکے ہے میرے قتل سے قاتل کے ہاتھ کو ۔۔۔ لپٹی ہوئی بغیر سبب آستیں نہیں
مجھ کو جلا کے خاک نہ کر اے تپ فراق ۔۔۔ کیا اس گلی میں ایک لحد کی زمیں نہیں
اتنا ہنوز حسرت مردہ کا ہے نشاں ۔۔۔ کہنہ مزار ہے دلِ اندوہگیں نہیں
دیں میرے دل نے شب کو جو خبریں وہ سب ہیں سچ ۔۔۔ صادق گواہ ہے نگہِ شرم گیں نہیں
آئینہ میں یہ عکس سے باتیں بناتے ہیں ۔۔۔ دنیا میں کوئی اور بھی ہے کچھ ہمیں نہیں
ترغیب میرے قتل کی دیتا ہے ہے ناز انہیں ۔۔۔ شانہ دبا رہی ہے نزاکت نہیں نہیں
دم ساز ہم صفیر تھے جو اگلے سال تک ۔۔۔ اس فصل میں سب ایک جگہ ہیں ہمیں نہیں
تاراج کتنے ملک دلوں کے ہوں دیکھیے ۔۔۔ صف بستہ فوج حسن ہے چیں یہ جبیں نہیں
قد بازہ پر ہے کیوں نہ ترقی ہو حسن کی ۔۔۔ اقبال کا بلند ہے تارہ جبیں نہیں
رخسار آپ کے ہیں چراغِ دیار حسن ۔۔۔ زلفوں کی شام کا ہے ستارہ جبیں نہیں
بجلی گرائی آہ کی یا ذبح ہوگئے ۔۔۔ صیاد اب کے سال نہیں یا ہمیں نہیں
ناحق عقیقِ سرخ کی ہے آپ کو تلاش ۔۔۔ لختِ جگر سے بڑھ کے مبارک نگیں نہیں
مشق تصورِ دل صد پارہ دیکھیے ۔۔۔ اتنے حسین ایک جگہ پر کہیں نہیں

پیری کی شاعری میں تعشق مزہ کہاں
وہ شعر کس طرح سے ہوں جب وہ ہمیں نہیں

28

حیا و شرم جانے دو اٹھاؤ روے زیبا کو ۔۔۔ نظر نیچی تہ و بالا کیے دیتی ہے دنیا کو
حوادث کا نہیں غم تارکِ اسباب دنیا کو ۔۔۔ نہیں کچھ خوف آندھی کا چراغ دست موسیٰ کو
میرے لاشے پہ روکا اس نے اشک شور افزا کو ۔۔۔ مگر جادو بھری آنکھیں پیے جاتی ہیں دریا کو
چلا گھر سے وہ بحر حسن اللہ ری کشش دل کی ۔۔۔ عجب قطرہ ہے جو کھینچے لیے جاتا ہے دریا کو

لگایا آشیانہ بن کے طائرِ فرقِ مجنوں پر — یہ نازِ حسن پاسِ عاشقی ہے آج لیلیٰ کو
رعایت عاشق و معشوق سے کرتے جو ہم ہوتے — غبارِ خاطرِ مجنوں سے مٹی دیتے لیلیٰ کو

دلِ وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز و وحشت زا
بغل میں تیرے دیوانے لیے پھرتے ہیں صحرا کو

29

نہیں ملتا بہت ہے رنج مجھ سے اس ستمگر کو — کوئی میرے گلے لا کر ملا دے اس کے خنجر کو
مجھے ہے فکر خط بھیجا ہے جب سے اس گلِ تر کو — ہزاروں بلبلیں روکیں گی رستے میں کبوتر کو
ہوا جوشِ جنوں زنجیر کی حاجت ہے زرگر کو — طبیعت اس قدر بگڑی بنا کر ان کے زیور کو
گلوں کے ہجر نے نکہت بنایا جسمِ لاغر کو — بہت ہے بوریا موجِ ہوا کا میرے بستر کو
دیا کیا وصل میں داغوں نے دل کے اس ستمگر کو — کہ تارِ فرشِ گل سمجھا وہ میرے جسمِ لاغر کو
لگایا پار بیڑا سرفروشانِ محبت کا — خدا دے نوح کی کشتی کا رتبہ آبِ خنجر کو
میں تھا وہ دردمند آواز آہوں کی نکلتی ہے — ذرا جب ٹھیس لگتی ہی میرے مٹی کے ساغر کو
خدا رکھے مرے دل کو کبھی آنسو نہ کم ہوں گے — ملا ہے مثلِ فوارہ خزانہ دیدۂ تر کو
وہ بیٹھے بیٹھے جب اٹھا قیامت ہوگئی برپا — پئے تعظیم اٹھواتا ہے قامت شورِ محشر کو
چھپاتا ہوں جو مانندِ کتاں دل پارہ پارہ ہے — کہ ناحق سب لگائیں گے نظر اس ماہ پیکر کو
کل آنسو موجزن تھے آج کم کم خون آتا ہے — خدا جانے کس نے نظر لگائی دیدۂ تر کو
ادھر منہ پھیر کر اپنا جو مجھ کو ذبح کرتے ہو — ضیائے رخ کہیں پنہاں نہ کردے چشم جوہر کو

ہوا جو خاک کا پیوند طالب ایک بوسہ کا
وہ ہونٹوں تک نہ لایا پھر کسی دن مئے کے ساغر کو

30

تا سحر کی ہے فغاں جان کے غافل مجھ کو
رات بھر آج پکارا ہے مرا دل مجھ کو

دردِ غم سے جو تپاں تھا وہ ملا دل مجھ کو
اس لیے دفن کیا ہے لب ساحل مجھ کو

بارِ حسن آپ کا لیلیٰ سے اٹھایا نہ گیا
نہ لیا قیس نے جس کو وہ ملا دل مجھ کو

غیر پھر غیر ہیں آخر ہیں پھر اپنے اپنے
یاد کرتا ہے تیرے پاس مرا دل مجھ کو

بارِ خاطر ہی اگر ہے تو عنایت کیجیے
آپ کو حسن مبارک ہو مرا دل مجھ کو

فصل گل آتے ہی صحرائے عدم کو پہنچا
روکتے رہ گئے اغلال و سلاسل مجھ کو

مرگیا اشک جو آنکھوں سے بہے آہ کے ساتھ
آگئی نیند ہوا میں لب ساحل مجھ کو

کیا عداوت ہے کہ جس دن سے ہوا ہوں زخمی
دیکھ جاتا ہے وہ رشکِ مہ کامل مجھ کو

شب کو تم سوئے تھے کیا سُوے فلک منہ کرکے
نظر آیا نہ سحر تک مہ کامل مجھ کو

پاؤں تک زلف تری یار بڑھ آئی شاید
آج بھاری نظر آتی ہے سلاسل مجھ کو

اثرِ ضعف سے ہوں قطرۂ اشک خونی
رحم کردے کفنِ دامن قاتل مجھ کو

31

بھرے ہیں آنکھوں میں آنسو اداس بیٹھے ہو
یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہو

وہ دیکھتے ہی نہیں پھر کے اے نظر بازو
کدھر لگائے ہوئے چشم یاس بیٹھے ہو

یہ کس کے دفن و کفن کی ہے فکر دامن گیر
کھلے ہیں بندِ قبا بے حواس بیٹھے ہو

نہیں مقام عجب نزع میں جو کرب نہیں
کہ تم مریض محبت کے پاس بیٹھے ہو

ہمیں بھی عزم عدم ہے گلے ملیں اٹھو
جو تم پہن کے سفر کا لباس بیٹھے ہو

غم مریض محبت میں شب کو جاگے ہو
چڑھی ہیں نرگسی آنکھیں اداس بیٹھے ہو

وہ کیا غضب کا ہے نازک مزاج جاں بازو ڈرے ہوئے درِ قاتل کے پاس بیٹھے ہو
بیانِ شمع ہے ہم خاک ہوں گے پروانو یہ حال دیکھنے کو آس پاس بیٹھے ہو
وہ اپنے در کے فقیروں سے پوچھتے بھی نہیں کہ تم لگائے ہوئے کس کی آس بیٹھے ہو
مجھی کو ناز سے دیکھا جلا جو پروانہ تم ایک بزم میں مردم شناس بیٹھے ہو
قفس میں بھی ہے اسیر و تمھیں وہی سودا لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو
جنھیں لگاتے تھے تیغیں وہ مرگئے شاید
کہ ہاتھ ہاتھ پہ رکھے اداس بیٹھے ہو

32

نہ ڈرے برق سے دل کی ہے کڑی میری آنکھ اس کی زنجیر طلائی سے لڑی میری آنکھ
اپنے بیمار کو رکھتی ہے چھپا کر تہ خاک کہتے ہیں صاحبِ غیرت ہے بڑی مری آنکھ
خاک میں مل کے عیاں ہوں گلِ نرگس بن کر دیکھ لے گر تیری پھولوں کی چھڑی میری آنکھ
اس طرح ذبح کیا تیغ نگہ سے مجھ کو خود وہ کہتے ہیں کہ ظالم ہے بڑی میری آنکھ
دل میں ہے کچھ اثرِ جوشِ محبت اب تک تر ہوئی دیکھ کے ساون کی جھڑی میری آنکھ
حسرتِ دید میں پتھرا کے بنی سنگ در نہ ہٹی پھر ترے در پر جو اڑی میری آنکھ
رات بھر اشک کے دانوں پہ گنا کرتی ہے فرقتِ یار میں ایک ایک گھڑی میری آنکھ
دل کے ٹکڑے میری پلکوں میں جو دیکھا تو کہا جانتی تھی انھیں پھولوں کی چھڑی میری آنکھ
رکھ لیے پیش حباب لب جو منہ پر ہاتھ نظر آئی انھیں دریا میں پڑی میری آنکھ
دوڑ کر مجھ سے گلے مل گئے ملتے ہی نظر دل کی تقدیر لڑی یا کہ لڑی میری آنکھ
اے شب وصل نہ معلوم یہ کیا کر گئی تو بند ہوتی نہیں اب کوئی گھڑی میری آنکھ
کہتے ہیں آنکھ لڑاتے ہی تو پتھر بن جائے ہے تیرا دل تو بہت نرم کڑی میری آنکھ

یاد خالِ رخِ جاناں کی مدد سے ناصح — شبِ فرقت کے ستاروں سے لڑی میری آنکھ
ہوگئی فرطِ نزاکت سے حیا کی شہرت — آگیا ان کو پسینہ جو لڑی میری آنکھ

ہے جو اشکوں میں اداہٹ تو نہ گھبرا اے دل
روئی ہے دیکھ کے مسی کی دھڑی مری آنکھ

(33)

جھانکنا سیکھا وہ بات اے مہ لقا جاتی رہی — اس قدر کیوں آنکھ سے شرم و حیا جاتی رہی
اے مسیحا تو نے جس دن سے توجہ چھوڑی — تیرے بیماروں کو امید شفا جاتی رہی
کیا قیامت ہوگئی گر پاؤں میں نے چھو لیے — کیوں طبیعت ہاتھ سے اے مہ لقا جاتی رہی
ظلم وہ مجھ پر کیا کرتے تھے اپنا جان کر — بعد میرے عادت جور و جفا جاتی رہی
رات کو رخ سے نقاب الٹی جو اس خورشید نے — بجھ گئیں شمعیں ستاروں کی ضیا جاتی رہی
پونچھ کر دانتوں کی مسی ہنس کے فرمانے لگے — لیجیے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی
آخر ان جادو بھری آنکھوں نے میری جان لی — بات تیری اے لبِ معجز نما جاتی رہی
پھر کبھی آنسو چھڑکنے کو نہ آیا قبر پر — میری مٹی سے اگر بوئے وفا جاتی رہی
بدگمانی خاک چھنواتی ہے مجھ سے اے جنوں — گردن جاناں کی زنجیر طلا جاتی رہی
تیرے در کی چھاؤں میں بیٹھے ہیں خوش میرے گدا — آرزوئے سایۂ بالِ ہما جاتی رہی

کیا کہیں تم سے تعشق ہجر کی راتوں کا حال
کچھ دنوں سے نیند بھی اے مہ لقا جاتی رہی

(34)

محفل سے اٹھانے کے سزاوار ہمیں تھے
سب پھول تیرے باغ تھے اک خار ہمیں تھے

ہم کس کو دکھاتے شب فرقت کی اداسی
سب خواب میں تھے رات کو بیدار ہمیں تھے

سودا تیری زلفوں کا گیا ساتھ ہمارے
مرکر بھی نہ چھوٹے وہ گرفتار ہمیں تھے

کل رات کو دیکھا تھا جسے خواب میں تم نے
رخسار پہ رکھے ہوئے رخسار ہمیں تھے

دل سوختہ تھے چاہے والوں میں تمھارے
لیکن سبب گرمیِ بازار ہمیں تھے

کل کوچۂ قاتل میں جو تھا خلق کا مجمع
کھائے ہوئے اس ہاتھ کی تلوار ہمیں تھے

اے عشق مژہ کون ہمیں دیکھنے آتا
آنکھوں میں کھٹکتے تھے وہ بیمار ہمیں تھے

تربت میں بھی آنکھیں نہ ہوئیں بند ہماری
ایسے تیرے اک طالب دیدار ہمیں تھے

ٹھنڈے کیے غیروں کے دل اور ہم کو جلایا
اک تھے تو محبت کے گنہگار ہمیں تھے

ملتے ہی لب یار سے لب دل نکل آیا
مارا جسے عیسیٰ نے وہ بیمار ہمیں تھے

تم غیروں سے ڈر ڈر کے لپٹ جاتے تھے پیہم
کل رات کو نالاں پس دیوار ہمیں تھے

سب راز تعشق سے بیاں ہوتے تھے دل کے
پہلے ترے اک محرم اسرار ہمیں تھے

(35)

منہ جو فرقت میں زرد رہتا ہے
کچھ کلیجہ میں درد رہتا ہے

تھی کبھی رشک مہر کی عاشق
دھوپ کا رنگ زرد رہتا ہے

کس کے سنتے ہو رات کو نالے
کہتے ہو سر میں درد رہتا ہے

کبھی پوچھا نہ میرے کوچہ میں
کون صحرانورد رہتا ہے

شور ہے زرد آئی ہے آندھی
کیا مرا رنگ زرد رہتا ہے

یاد آتی ہیں گرمیاں تیری دل ہمارا بھی سرد رہتا ہے
کتنے ہو تجھ کو دیکھتے ہیں ہم بندہ صحرانورد رہتا ہے
جس طرف بیٹھتے تھے وصل میں آپ اسی پہلو میں درد رہتا ہے
کہتے ہیں دل کی چوٹ کا ہے فساد
منہ تعشق جو زرد رہتا ہے

36

یادِ ایام کہ ہم رتبۂ رضواں ہم تھے باغبانِ چمنِ محفلِ جاناں ہم تھے
قابلِ قتل نہ اے لشکرِ مژگاں ہم تھے دل کی اجڑی ہوئی بستی کو نگہباں ہم تھے
دھجیاں جیب کی ہاتھوں میں ہیں آج اے وحشت جامہ زیبوں سے کبھی دست و گریباں ہم تھے
جان لی گیسوؤں نے الفتِ رخ میں آخر کافروں نے ہمیں مارا کہ مسلماں ہم تھے
غیر کے گھر کی طرف کے جو اٹھے تھے پردے عطر بالوں میں وہ ملتے تھے پریشاں ہم تھے
قفسِ تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ مرتے کیونکر ناز پروردۂ آغوشِ گلستاں ہم تھے
روح تڑپی ہے پئے لالۂ صحرا کیا کیا فصلِ گل جوش پہ تھی قیدیِ زنداں ہم تھے
دل کے دینے میں تامل ہمیں ہوتا کیونکر یہ حسینوں کی امانت تھی نگہباں ہم تھے
آج تھی شب کو بہت داغ جگر میں سوزش کہتی تھی ان کی ملاحت نمک افشاں ہم تھے
شعلہ حسن سے تھا دود دل اپنا اول آگ دنیا میں نہ آئی تھی کہ سوزاں ہم تھے
ہر طرف دہر میں تھا زلف کی زنجیر کا غل مگر اے جوشِ جنوں سلسلۂ جنباں ہم تھے
قافلے رات کو آتے تھے ادھر جانکے آگ دشتِ غربت میں جدھر اے دلِ سوزاں ہم تھے
کہتے ہیں عارضِ محبوب کہ تھی رات جو گرم چاند پر اوس پڑی تھی عرق افشاں ہم تھے
طوق سب کے گلے میں تھے وہ دن یاد کرو تم پر اس عہد میں بھی چاک گریباں ہم تھے
دیتے پھرتے تھے حسینوں کی گلی میں آواز کبھی آئینہ فروش دل حیراں ہم تھے
ڈوب جاتے ہیں رو رو کے تعشق تارے
مثل ابر آخرِ شب وصل میں گریاں ہم تھے

(37)

پئے تعظیم اٹھی خاک اپنے جسمِ لاغر کی
ہوا جب آ گئی تربت کی جانب کوئے دلبر کی

کہاں خالی گئی تیغِ نگہ اس ماہ پیکر کی
جگر کے زخم کا پرتو ہے سرخی دیدۂ تر کی

خوشا دل منعکس ہے جس میں صورت عرشِ انور کی
مرے دل سے وضع معلوم ہوتی ہے مرے گھر کی

چلا دل راہ لی لختِ جگر نے دیدۂ تر کی
دھواں اٹھا گری بجلی نگاہ گرم دلبر کی

زیارت کر کے آیا ہے جو خالِ روئے دلبر کی
ستاروں کی طرح آنکھیں چمکتی ہیں کبوتر کی

نہ اٹھے پھر کبھی راتوں کے بیدار اس طرح سوئے
مگر کروٹ بدلوانے کو آئی صبح محشر کی

جہاں پہنچا قریبِ قصرِ جاناں دل نکل آیا
یہ ادنیٰ تیرہ بختی ہے میرے طالع کے اختر کی

کبھی وہ چاند کا ٹکڑا نہ آیا بام پر شب کو
نہ چمکی ایک دن قسمت میرے طالع کے اختر کی

وہاں اٹھی نہیں پروی ہوا ہوں دفن میں جب سے
یہی ضد ہے کہ گھر میں اڑ کے خاک آئے نہ باہر کی

کبھی بھولے سے بھی اب تو نہیں آتی ہنسی ان کو
خدا جانے قسم کھائی ہے کس کے دیدۂ تر کی

تردد ہے جو خط میں حال انھیں لکھا ہے آہوں کا
ہوائے تند میں اکثر تباہی ہے کبوتر کی

ہماری جانفشانی نے کیا فولاد کو پانی
لہو کے ساتھ چھینٹیں اڑ رہی ہیں آبِ خنجر کی

شبِ تارِ جدائی کی کشاکش میں جو لکھتا ہوں
قلم کا دم اکھڑتا ہے رگیں کھنچتی ہیں مسطر کی

جو مرغِ آشیاں گم کردہ کوئی شام کو دیکھا
وہ سمجھے روح ہے دیوانۂ زلفِ معنبر کی

شکستِ قلب کی آواز سن کر پھیر دیتا ہے
صدا پہچانتا ہے وہ میرے مٹی کے ساغر کی

بنائے جاتے ہیں جام آئینہ بھی صاف ہوتے ہیں
وہ ہے جمشید کی مٹی یہ مٹی ہے سکندر کی

میں وہ دیوانہ مژگاں ہوں پھیلے خوں اگر میرا
زبانِ نشترِ فصاد کو حاجت ہو نشتر کی

ہمارا دل ہے جو دکھڑے جدائی کے اٹھاتا ہے
یہ چوٹ ایسی ہے چھاتی سو جگہ سے شق ہو پتھر کی

اسی در کے گدا ہیں دفن ہونے دیجیے ہم کو
عنایت ہو جگہ اپنی گلی میں ایک بستر کی

نہیں کچھ خواہش جنت ترے در کے فقیروں کو
جگہ مل جائے گی طوبا کے نیچے ایک بستر کی

مکرر ذبح ہونے میں جو کھینچیں میں نے سرد آہیں
لہو جم جم گیا اب تک ہے ٹھنڈی باڑھ خنجر کی

نہ چھٹنے پائے پچھا قبر میں بھی داغ سوزاں سے
کہ رنگت سانولی ہو جائیگی خورشید محشر کی

کسی دل کو غم و اندوہ سے فرصت نہیں دیتا
قسم کھائی ہے گردوں نے زمین کوئے دلبر کی

شہادت نامہ دل کوچۂ قاتل سے لایا ہے
کہ دیتی ہے لہو کی بو ہوا بالِ کبوتر کی

بہم صدمے اٹھائے دل جگر باہم ہوئے آخر
برابر آئے بھی عمریں بھی لائے تھے برابر کی

سمجھ کر عاشق ابرار گلے سے بڑھ کے خود لپٹا
طبیعت ہاتھ سے جاتی رہی قاتل کے خنجر کی

لیے تھے نامۂ اعمال اپنے اور دیوانے
ہمارے ہاتھ میں تھیں دھجیاں دامانِ محشر کی

گئے ہیں خود کہیں یہ جان کر دیوانہ ہو جاؤں
کبھی اس واسطے کھلتی نہیں زنجیر باہر کی

شکستہ ہے دلِ بیتاب کی لازم ہے دلداری
یہ کشتی ہے تلاطم میں کرو تدبیر لنگر کی

وہ سب جھانک آئے قبر اوپری دل کے جو کہ مرتے تھے
نچھوڑیں گی مجھے نیچی نگاہیں اس ستمگر کی

شب تارِ جدائی کے سوا نکلے نہیں ممکن
یہی پہچان لکھی ہے میرے طالع کے اختر کی

طبیعت سے یہ کہتا ہوں جنوں کی فصل آ پہنچی
کئی دن سے رگِ جاں میں کھٹک پیدا ہے نشتر کی

تعشق آئیں ٹھکرانے کو وہ گورِ غریباں میں
بھلا ایسی کہاں قسمت ہمارے کاسۂ سر کی

38

نجد سے جانبِ لیلیٰ جو ہوا آتی ہے
دلِ مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

دیکھیں نیند آتی ہے ہم کو کہ قضا آتی ہے
شبِ فرقت یہ نہیں آتی بلا آتی ہے

آئے ہیں کون سے عاشق کے گلے مل کے حضور
آپ سے آج مجھے بوئے وفا آتی ہے

مر کے بدنام کیا نامِ محبت ہم نے
منہ پہ کچھ ڈال دو کوئی کہ حیا آتی ہے

بھر رہا ہے نفسِ سرد میرا دل شاید
ٹھنڈی ٹھنڈی تیرے کوچے سے ہوا آتی ہے

روندتے ہیں جو وہ خونی جگروں کے دل کو
پاؤں پڑنے کو گلستان سے حنا آتی ہے

وصل میں شام سے منہ ڈھانکے سونا کیسا
نیند بن کر تیری آنکھوں میں حیا آتی ہے

کہتے ہو بوندیاں پڑتی ہیں کہیں شام کو روز
میرے اشکوں کے ٹپکنے کی صدا آتی ہے
ہم یہ چلاتے ہیں بیٹھے ہوئے اس کوچے میں
کس کو دردِ دل عاشق کی دوا آتی ہے
منہ کو آتا ہے شب تار جدائی میں جو دل
شمع دکھلاتی ہوئی آہ رسا آتی ہے
کہتے ہو کیوں ہے تعشق تیرے منہ پر زردی
ہجر میں نیند کم اے ماہ لقا آتی ہے

39

باغ میں پھولوں کو روند آئی سواری آپ کی
کس قدر ممنون ہے بادِ بہاری آپ کی
بیوفائی آپ کی غفلت شعاری آپ کی
میرے دل نے عادتیں سیکھی ہیں ساری آپ کی
ہے یقیں باہم گلے ملنے کو انھیں دستِ شوق
ہو اگر تصویر بھی یکجا ہماری آپ کی
میکدے میں ٹوٹے جاتے ہیں بہم لڑ لڑ کے جام
مفسدہ پرداز ہے چشم خماری آپ کی
جذب اے کہتے ہیں آئے کھینے میری قبر تک
اب یہاں سے بڑھ نہیں سکتی سواری آپ کی
کرتی ہیں اندھیر ہاتھوں کی یہ کالی سیلیاں
قاتلِ عالم ہوئی ہے سوگ واری آپ کی
جابجا ہوتے ہیں دامن گیر دل عشاق کے
ہر قدم پر آج رکتی ہے سواری آپ کی
یاد ایام کہ تھا زوروں پہ جذب حسن و عشق
وہ میرے دل کا تڑپنا بے قراری آپ کی
ہے شب مہتاب گورے رنگ سے کپڑے سیاہ
حسن کو چمکا رہی ہے سوگواری آپ کی
دو طرح کے ایک ساغر میں لبالب ہے شراب
خواب آلودہ نہیں چشم خماری آپ کی
میرے لاشے کو لیے پھرتے ہیں ان راہوں میں لوگ
جن گلی کوچوں میں پھرتی تھی سواری آپ کی
آج کس پر رحم آیا کس کو روئے ہیں حضور
بے نصیب دشمناں آواز بھاری آپ کی
عہد میں مجنوں کے لیلیٰ کا رہا کیا دور دور
اب تعشق کے زمانہ میں ہے باری آپ کی

40

شب کو کیا کیا باغ میں جلوے تمھارے ہوگئے
چاندنی کے پھول جو توڑے ستارے ہوگئے

برق موجیں بن گئیں موتی شرارے ہوگئے
دل جلے جب دفن دریا کے کنارے ہوگئے

فوج مژگاں سے جو بگڑے سب کنارے ہوگئے
قتل ناحق دل جگر دونوں ہمارے ہوگئے

دور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں
آب دیدہ ہو کے باہم کچھ اشارے ہوگئے

رات کو تیرا مجھے دھوکا ہوا اے ماہ رو
بے خودی میں چاند سے کیا کیا اشارے ہوگئے

بڑھتے بڑھتے آتشِ رخسار لَو دینے لگی
رفتہ رفتہ کان کے موتی شرارے ہوگئے

عاشقوں کے شیشۂ دل میں پڑے جاتے ہیں بال
رونگٹوں سے اور بھی رخسار پیارے ہوگئے

چُن کے افشاں بام پر آئے جو تم اے رشکِ ماہ
چاندنی میلی ہوئی بے نور تارے ہوگئے

اس نہ آنے سے تو بہتر ہے کہ آئے وقتِ نزع
کچھ تو حسرت کی نگاہوں سے نظارے ہوگئے

ہے زوالِ حسن منہ اترا ہوا ہے یار کا
ہے جو عارض چاند کے ٹکڑے ستارے ہوگئے

کیا کوئی آتش نفس آج آگیا ہے خواب میں
پھول مرجھائے ہوئے عارض تمھارے ہوگئے

اے تعشّق آنسوؤں میں جب ڈبویا عشق نے
تھے ہمارے آشنا جتنے کنارے ہوگئے

41

دل پسِ مردن بھی یادِ گلبدن میں مست ہے
طائرِ جاں مل کے مرغانِ چمن میں مست ہے

ہیں یہ سرشارِ قناعت رفتگاں آنکھیں ہیں بند
دیکھیے جس کو وہ ایک دو گز کفن میں مست ہے

بے اٹھائے پھر نہیں اٹھتی جو گر پڑتی ہے شمع
کون کون اے مست تیرے انجمن میں مست ہے

مست ہے اے گلبدن کیا تیرے پیراہن کی بو
بلبلِ تصویر تیری انجمن میں مست ہے

جھومتے ابرِ بہار اٹھے گری پڑتی ہے برق
جو ہے اب خمخانۂ چرخِ کہن میں مست ہے

جھومکے لیتی ہے صبا انگڑائیاں شاخیں تمام　　دیکھ کر اس مست کو جو ہے چمن میں مست ہے
روز ہے امید ہوتی ہے نگاہ لطف آج　　چشم کا عاشق اسی دیوانہ پن میں مست ہے
کیا بھٹک کر چلتی ہے شیدائے چشم مست پر　　خون پی کر تیغ دستِ تیغ زن میں مست ہے

نشہ کے ڈوروں سے وہ چشمِ خماری مست ہے
ہے عجب آہو کہ جادو کی رسن میں مست ہے

42

نخلِ امید میں پھول آئے ہیں بار آتا ہے　　آمدِ فصلِ بہاری ہے کہ یار آتا ہے
یوں تیرے در پہ تیرا عاشقِ زار آتا ہے　　سو جگہ بیٹھ کے مانند غبار آتا ہے
دل جلایا تپ عشق بتاں نے ایسا　　میرے سایہ سے جہنم کو بخار آتا ہے
سال بھر سے تیرے عاشق بھی بھرے بیٹھے ہیں　　دیکھ ہی لیتے ہیں اگر ابر بہار آتا ہے
نالہ کرنے کو بیاباں میں نکل جاتا ہوں　　پاس آزردہ گئے اہل دیار آتا ہے
ساری باتیں مجھے دل سے ہیں تمہاری مرغوب　　تم بگڑتے ہو مری جان مجھے پیار آتا ہے
شیشۂ دل میں کدورت نہیں رہتی بالکل　　جب ادھر کو تیرے کوچہ سے غبار آتا ہے
شرم آلودہ نگاہوں نے مجھے مارا تھا　　آنکھیں نیچی کیے بالائے مزار آتا ہے
ہیں وہی ناز جو تھے عاشقِ رفتار کے ساتھ　　میرے تابوت کے ہمراہ سوار آتا ہے
دوں میں کیا پلکوں کی جاروب درِ جاناں پر　　نازکی ہوتی ہے مانع کہ غبار آتا ہے
نگہ لطف نہیں گورِ غریباں کی طرف　　پاس کچھ بھی تمہیں اے اہلِ دیار آتا ہے
رخ تیرے تیر کا ہوتا ہے جدھر کو صیاد　　جان و دل سے اسی پہلو پہ شکار آتا ہے
مجھ سے کیا پوچھتے ہو داغ ہیں دل میں کتنے　　تم کو ایام جدائی کا شمار آتا ہے

یوں جلاتا ہے فلک گورِ غریباں میں چراغ
کوئی جگنو کبھی بالائے مزار آتا ہے

43

منتظر تیرے ہیں چشمِ خوں فشاں کھولے ہوئے
بیٹھے ہیں دل بیچنے والے دکاں کھولے ہوئے

رشک مہر آتا ہے مرغانِ چمن کھاتے ہیں دھوپ
بیٹھے ہیں بازو میانِ آشیاں کھولے ہوئے

میرے مرنے کی خبر سن کر پریشاں ہو گئے
گھر سے نکلے گیسوئے عنبر فشاں کھولے ہوئے

حسن سے اور عشق سے ہے کوئے دلبر میں فساد
فوج غم بڑھتی ہے آہوں کے نشاں کھولے ہوئے

آمد آمد ہے خزاں کی جانے والی ہے بہار
روتے ہیں گلزار کے در باغباں کھولے ہوئے

ہو گیا سوداگرانِ مشک کا بازار بند
تم جو آئے گیسوئے عنبر فشاں کھولے ہوئے

لاش اٹھی مجھ گریباں چاک کی کس دھوم سے
ساتھ تم بھی تھے تو بند اے جانِ جہاں کھولے ہوئے

فرقتِ گل میں ہمارے خون کا پیاسا ہے باغ
صورتِ سوفار ہیں غنچہ دہاں کھولے ہوئے

44

بہت مضر دلِ عاشق کو آہ ہوتی ہے
اسی ہوا سے یہ کشتی تباہ ہوتی ہے

نہ ذبح کیجیے غیروں کو سخت جاں ہیں بہت
خراب آپ کی تیغِ نگاہ ہوتی ہے

میں جل کے خاک ہوا کہتے ہیں وہ حسرت سے
خدا کے واسطے ایسی بھی آہ ہوتی ہے

ہوائے گیسوئے جاناں بھری ہے جو دل میں
ہماری آہ سے آندھی سیاہ ہوتی ہے

جفا وہ کرتے ہیں اے دل وفا کئے جا تو
نہ مضطرب ہو یونہی رسم و راہ ہوتی ہے

ہر ایک سمت کو جاتی ہے دوڑ دوڑ کے آہ
عبث تلاشِ اثر میں تباہ ہوتی ہے

چراغ داغ میں دن سے جلائے بیٹھا ہوں
سنا جو ہے شبِ فرقت سیاہ ہوتی ہے

گیا شباب مرا رہ گیا تعلقِ عشق
دل و جگر میں چمک گاہ گاہ ہوتی ہے

نہ پوچھیے شبِ فرقت کی تیرگی کا حال
چراغ خانہ کی لو تک سیاہ ہوتی ہے

خیالِ سبز خطوں کا ہے بعد مردن بھی
ہری ہری جو لحد پر گیاہ ہوتی ہے

فراقِ یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم
اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے

تمام رات جو چلتی ہے گرم گرم ہوا
یقین ہے کسی عاشق کی آہ ہوتی ہے

بخار سر سے نکلتا ہے روکتا ہوں جو آہ
سیاہ دل کے دھوئیں سے کلاہ ہوتی ہے

نسیم کوچہ جاناں میں جلد پہنچادے
کہ مشتِ خاک ہماری تباہ ہوتی ہے

کبھی کبھی وہ مجھے سرفراز کرتے ہیں
ملالِ روز خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

عجیب ناز سے آتے ہیں میرے لاشے پر
قدم قدم پہ حیا سد راہ ہوتی ہے

تمام رات وہ کہتے ہیں کروٹیں لے کر
جگر کے پار تعشق کی آہ ہوتی ہے

45

سرشت میں ہے نزاکت حیا ہے خو تیری
نکل سکی نہ کبھی پیرہن سے بو تیری

خلاف سب کے ہوئی کی جو آرزو تیری
پھری ہوا ادھر آنے لگی جو بو تیری

جفا کا حوصلہ تم کو نہ تاب صبر ہمیں
نہ اب وہ دل ہے ہمارا نہ اب وہ خو تیری

یہ اتفاق بھی دنیا میں کم سنا ہوگا
ہمارے ساتھ ہوئی دفن آرزو تیری

پڑھا جو نزع میں قرآں رہی نہ جسم میں روح
زبان بند ہوئی سن کے گفتگو تیری

ترے خیال سے فرقت میں جی بہلتا ہے
تیری جگہ ہے جدائی میں آرزو تیری

اسی کے سامنے گریوں یوں نہ آنکھ سے اے اشک
کہیں نہ خاک میں مل جائے آبرو تیری

ہوا ہے چھوٹ کے تجھ سے دلا یہ حال اپنا
جگر پہ ہاتھ ہے ہر سمت جستجو تیری

ہزاروں مر گئے بیخود ہیں سیکڑوں اے زلف
بلا کا رنگ ہے تیرا غضب کی بو تیری

کہوں مزار شکستہ دل شکستہ کو
کہ اس میں رہ گئی ہے مر کے آرزو تیری

ہمارے جامۂ ہستی کی دھجیاں اڑ جائیں
قبا جو غیر کے ہاتھوں سے ہو رفو تیری

برنگِ گل نہ چھپا حال تنگ پوشی کا
سمائے گی نہ ترے پیرہن میں بو تیری

ہنسی کو روک نہ ظالم میرے جنازہ پر
مجھے گلہ نہیں اس کا یہی ہے خو تیری

عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری

مرا پیام صبا میرے گل سے کہہ دینا | چلی گئی مجھے بیہوش کرکے بو تیری
تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا | گلہ کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری
دکانیں عطر فروشوں کی ہوگئیں بیکار | بسا رہی ہے تیرے پیرہن کو بو تیری
عجب نہیں ہے کہ چندے تباہ ہوجائے | وفا طریق ہے میرا جفا ہے خو تیری
صدائے نغمۂ بلبل سے دل پہ چوٹ لگی | کہ یاد آگئی کانوں کو گفتگو تیری
یہی جو دست درازی جنوں کی ہے اے جیب | مجال کیا جو درستی کرے رفو تیری
دلا وہ کہتے ہیں ہم کو غریقِ رحمت ہو | ہوئی ہے ڈوب کے اشکوں میں آبرو تیری

مرے پہ کچھ نہیں احتیاج چادرِ گل
دماغ جان میں ابھی تک بھری ہے بو تیری

46

مشکل ہے آفتاب کا چھپنا غبار سے | داغ جگر عیاں ہے میرے جسمِ زار سے
چھٹی ہے روح پیرہن جسمِ زار سے | چلتے ہیں مثل بو چمن روزگار سے
بالوں کی شکل شوق شہادت میں وقت ذبح | لپٹیں میرے گلے کی رگیں تیغ یار سے
اس واسطے کہ دھوپ میں ہم دل جلے رہیں | رہتے ہیں نخل دور ہمارے مزار سے
تر دامنی پہ اپنے دلا مثلِ آبشار | روتے ہوئے چلے چمن روزگار سے
ہم تھے وہ راز پوشِ محبت جو مرگئے | آنسو بہے نہ دیدۂ شمعِ مزار سے
جھک جائے تو ذرا تو گلے سے لگائیں ہم | پیدا ہوئے ہیں ہاتھ ہمارے مزار سے
صد شکر صبح ہونے نہ پائی کہ مرگیا | بارے خجل ہوا نہ شب انتظار سے
ہم وہ ضعیف تھے کہ ہزار آندھیاں چلیں | اٹھا گیا نہ ایک دن اپنے غبار سے
پہلو سے مثل روح تڑپ کر نکل گیا | آخر رہا گیا نہ دل بے قرار سے
لاشے کو مثل کاہ اڑا لے گئی ہوا | اٹھا نئی طرح میں ترے رہگزار سے

وحشت کا مادہ حرکت میں ہے مر کے بھی
باقی ہے قبر جنبشِ بادِ بہار سے

47

یاد رخ دیدۂ پر آب میں ہے بوئے گل جامۂ حباب میں ہے
پاؤں آہستہ سے رکھ اے غافل دیکھ تو کون کون خواب میں ہے
شب فرقت میں ہے یہ حال مرا شمع بالیں پر اضطراب میں ہے
یاد رخ ہے دل شکستہ میں چاندنی خانۂ خراب میں ہے
مرگیا دشت میں تیرا وحشی جو بگولہ ہے اضطراب میں ہے
تھے وہ غفلت شعار عالم میں سبزہ اپنے لحد کا خواب میں ہے
روک اے شہسوار توسن کو روح مجھ زار کی رکاب میں ہے
ہے وہی تو تو دیکھ بھی لیں گے نہ چھپے گا جو اس حجاب میں ہے
دل پر آبلہ ہے کیوں نالاں کب صدا شیشۂ حباب میں ہے
یاں اترتا ہے داغ سے پھاہا تھرتھری جسم آفتاب میں ہے
بار خاطر ہوا ہمارا دل آپ کی زلف پیچ و تاب میں ہے
لیجئے روح بھی تڑپنے لگی دل تو مدت سے اضطراب میں ہے
بند آنکھیں ہیں رنگ فق ہے مرا بے خودی عشق ماہتاب میں ہے
سیر دریا کو وہ نہیں جاتے صورت چشم جو حباب میں ہے
اثر دردِ دل نہاں دیکھا میری تصویر اضطراب میں ہے
تھی کفن کی تلاش عالم کو کوئی محبوب اس حجاب میں ہے

ہے تعشق بہار پر پیری
اب خزاں گلشن شباب میں ہے

48

چاک دامانِ قیامت کیجئے امتحانِ دستِ وحشت کیجئے
نقش پا تعویذ تربت کیجئے جاں نثاروں پر عنایت کیجئے
چھوٹ جائیں ہم عذابِ ہجر سے اب تو ایسی کوئی صورت کیجئے
یہ بہارِ حسن ہے دو چار دن ہم ہوا خواہوں سے الفت کیجئے
دور جانا ہے کہ ہے قصدِ عدم مہرباں اب ہم کو رخصت کیجئے
عاشقِ قامت کے نالے صور ہیں آپ سنئے تو قیامت کیجئے
مجھ سے کہتا ہے ملالِ ہجر یار اب خوشی سے دل کو رخصت کیجئے
اپنے نالوں کو سلایا قبر میں جایئے اب جا کے راحت کیجئے
مفت میں مرجائیں گے بیمارِ ہجر دیکھئے اتنی نہ غفلت کیجئے
دشمنِ جاں ہوگیا دل سا شفیق آپ کی کس سے شکایت کیجئے
لوگ کہتے ہیں مسیحا آپ کو کچھ علاجِ دردِ فرقت کیجئے
وصل کی ہے رات وہ آنے کو ہیں گل چراغِ داغِ حسرت کیجئے
موت مل جائے کہیں گر ہجر میں زندگانی کی شکایت کیجئے
کی صفائی عاشقوں کی مرگ نے دور اب دل سے کدورت کیجئے
قبر میں لاشا کوئی پھینک آئے گا آپ کیوں ناحق کی زحمت کیجئے
موت ہے غارت گری کی تاک میں جمع کیا اسبابِ راحت کیجئے
جوہری ہیں ایسی چیزوں کے حضور آبروئے اشک حسرت کیجئے

اے تعشق چار دن ہے زندگی
دشمنوں سے بھی محبت کیجئے

49

اس قدر نایاب دنیا میں محبت ہوگئی
چشمۂ آبِ بقا چشمِ مروت ہوگئی

رخصتِ فصلِ بہاری میں قیامت ہوگئی
رو رہے ہیں باغباں بلبل کو وحشت ہوگئی

اب تو یہ طولِ شبِ فرقت سے حالت ہوگئی
دل سے رو رو کر امیدِ وصل رخصت ہوگئی

بیٹھے بیٹھے اپنے دل کی غیر حالت ہوگئی
دوستو جلدی خبر لینا قیامت ہوگئی

ہم صفیرانِ چمن کی غیر حالت ہوگئی
اس قدر اپنی گرفتاری کو مدت ہوگئی

مرگ درمانِ مریضانِ محبت ہوگئی
آج باری کے طبیبوں تم کو فرصت ہوگئی

اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں
درد دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہوگئی

پوچھتا ہے جب کوئی کب سے جدا ہو دل سے تم
لا کے آنسو میں یہ کہتا ہوں کہ مدت ہوگئی

ہے عنایاتِ خدا ہم بیکسوں پر بعدِ مرگ
دھوپ جب تربت پہ آئی ابرِ رحمت ہوگئی

تا قیامت اب تپِ غم کا ہمارا ساتھ ہے
دم نکل سکتا نہیں ایسی نقاہت ہوگئی

روح آنکھوں سے روانہ ہوگئی اشکوں کے ساتھ
آج رونے سے ترے گریاں کو فرصت ہوگئی

کچھ نہ تھا جز لاشۂ پروانہ ہنگامِ سحر
شمع بھی روتی ہوئی محفل سے رخصت ہوگئی

کرتے کرتے آہ روتے روتے آخر مرگیا
آج مجھ کو آپ کے کاموں سے فرصت ہوگئی

باغِ عالم کو بھی دیکھا انتہا کا بے ثبات
رفتہ رفتہ چشمِ نرگس داغِ حسرت ہوگئی

خانۂ تاریک دل کب سے ترا تھا بے چراغ
مجھ کو شمعِ داغِ حسرت بھی غنیمت ہوگئی

مرگیا پر ہے ابھی تک مجھ سے وحشت خلق کو
دیدۂ غولِ بیاباں شمعِ تربت ہوگئی

ہم وہ بلبل تھے اٹھایا جب چمن سے آشیاں
باغباں کو باغ کی صورت سے نفرت ہوگئی

تیرے ہاتھوں کو ہوا رنگ حنا بار اس قدر
نازکی سے درد کی شانے میں شدت ہوگئی

مژدہ باد اے دل دیا حکم اس نے میرے قتل کا
قید ہستی سے رہائی کی اجازت ہوگئی

عمر بھر چھانی جو خاک اس در کی یہ حاصل ہوا
ایک تربت کی جگہ ہم کو عنایت ہوگئی

حسن ہو یا عشق ہو تقدیر اچھی چاہیے
قیس دیوانہ ہوا لیلیٰ کی شہرت ہوگئی

وائے بے دردی تماشا ہوگئے ہیں داغ عشق
دل کو لے بیٹھے جہاں ہم جمع خلقت ہوگئی

دیکھتے ہیں وہ ہمارے آفتابِ داغ کو
ہاتھ آنکھوں پر دھرے ہیں سرخ رنگ ہوگئی

پھول داغوں کے لیے پھرتے ہیں دیوانے تیرے
کوچہ و بازار میں بوے محبت ہوگئی

ذبح کرنے میں پڑیں چھینٹیں جو میرے خون کی
آپ کی پوشاک میں بوئے محبت ہوگئی

ٹھیک رہتا تھا اسی الفت سے میں بیمارِ ہجر
تیرے کوچہ سے ہوا آئی تو فرحت ہوگئی

اے تعشق رنج تھا جب تک کہ ہم وہ دور تھے
سامنا ہوتے ہی پھر باہم محبت ہوگئی

50

ہوگئے غش اہلِ نار ایسی حرارت لے گئے
دل جلے تیرے جہنم پر بھی سبقت لے گئے

بند کرتے ہی ہوئی شق جا بجا سے گورِ تنگ
حسرتیں اتنی مریضانِ محبت لے گئے

کس قدر تھے چشمِ عالم میں سبک ہم تیرہ بخت
چند پروانے اڑا کر شمعِ تربت لے گئے

تھا وہ تر دامن اڑی جب خاک میری قبر سے
آبرو اس کو سمجھ کر ابرِ رحمت لے گئے

پوچھتے کیا ہو شبِ فرقت کی بیداری کا حال
آنکھ کیونکر بند ہوتی ہے یہ حسرت لے گئے

ہجر میں رونے کو بیٹھا تھا اب اٹھ سکتا نہیں
کیسے آنسو تھے کہ دل کی ساری طاقت لے گئے

کب ہوئی تربت پہ مٹی ڈالنے کی احتیاج
خاک دانِ دہر سے جب ہم کدورت لے گئے

کہہ رہے ہیں دیکھئے نیند آئے شب کو کس طرح
آج نالوں کی تعشق ہم سے رخصت لے گئے

51

پہنچے جو مثلِ ابر ہم آنسو بھرے ہوئے
برسوں سے تھے جو خشک بیاباں ہرے ہوئے

آنسو بھر آئے دیکھ کے بادل بھرے ہوئے
صحرا کے ساتھ زخم جگر کے ہرے ہوئے

خالی ہوئے جو آنکھوں کے بادل بھرے ہوئے
گلزار و کوہ و شہر و بیاباں ہرے ہوئے

خوفِ شب فراق سے تھرا رہا ہے دل
دامن میں طفل اشک چھپے ہیں ڈرے ہوئے

وہ نخل خشک تھے نہ مبارک ہوئی بہار
بجلی گری فلک سے ذرا جب ہرے ہوئے

اٹھتے ہیں امتحان کو بادل بہار کے
ہم بھی بہت دنوں سے ہیں اے دل بھرے ہوئے

چمکی جو جوش میں تیرے وحشی کی برقِ آہ
بیٹھے ہیں آشیانوں میں طائر ڈرے ہوئے

کھینچو نہ میرے سینہ سے اے قاتلِ جہاں
تم کیا کروگے تیر لہو میں بھرے ہوئے

بیتاب ہے پئے سرِ شوریدہ تیغ یار
لڑکوں کے دامنوں میں ہیں پتھر بھرے ہوئے

وحشت سرائے دہر میں آیا نہ پھر کوئی
ایسے گئے یہاں سے مسافر ڈرے ہوئے

آنکھیں ہیں اپنی عالمِ غربت میں سدِ راہ
ہیں ہر قدم پہ اشک کے دریا بھرے ہوئے

نالے میں کیا کروں شب تاریک ہجر میں
چپکے ہیں آج مرغ سحر تک ڈرے ہوئے

جھنجھلا کے باغباں نے مجھے ذبح تو کیا
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے

اللہ رے پاس الفتِ پروانہ بعد مرگ
روتی ہے شمع سامنے لاشہ دھرے ہوئے

52

ہم اسیروں سے عشق کامل ہے
ہر قفس چاک صورت دل ہے

ہم ہیں سو حسرتیں ہیں اور دل ہے
مہرباں دیکھنے کی محفل ہے

ہنستے ہو چاک جیب پر ناحق
یہ تقاضائے وحشت دل ہے

میرے لاشہ پہ آکے وہ بولے — اس طرف بیٹھئے جدھر دل ہے
شبِ فرقت میں کوئی پاس نہیں — ایک بس میں ہوں اک مرا دل ہے
مجھ میں طاقت کہاں جو لوں کروٹ — شفقتِ بے قرار یہ دل ہے
میں تو نکلا تمہارے کوچہ سے — آج اکیلا مرا وہاں دل ہے
جل رہے ہیں تمام جزو بدن — کس قدر بے قراریٔ دل ہے
تم کو کیا قدر میرے رونے کی — اشک ہر ایک پارۂ دل ہے
فرش گویا ہے آبگینہ کا — اس گلی میں یہ مجمعۂ دل ہے
نامہ بر غرق ہے پسینہ میں — خط میں مضمون سوزشِ دل ہے
عاشقوں کا کبھی نہ دخل ہوا — گھر تیرا ہے کہ خانۂ دل ہے
تیرے در کی زمیں کا کیا کہنا — یہ جگہ تو لحد کے قابل ہے
ہوں وہ بے خود کہ جب کوئی بولا — میں یہ سمجھا کہ نالۂ دل ہے
دن چڑھے گا نہ ہم غریبوں کو — کوچ ہمراہ شمع محفل ہے
یاد کرتے ہیں چشم کا بہنا — بستر اپنا قریب ساحل ہے
کانپتے ہیں بگولے اٹھتے ہیں — خاک مجھ ناتواں کی شامل ہے
تجھ پہ اے کشتِ پائمال امید — خرمنِ اشک ہم کو حاصل ہے
زور سے آہ کر نہیں سکتا — نرم دل ہیں وہ سخت مشکل ہے
ہوں میں تیغ فراق سے مجروح — زخم کو التیام مشکل ہے
میرے دل کو جلا رہے ہیں رقیب — آج بندہ بھی شمع محفل ہے
شمع و پروانہ جل کے ہوگئے خاک — کون کہتا ہے وصل مشکل ہے
شام سے ہیں روانہ پروانے — صبح تک قصد شمع محفل ہے
اشک تھمتے نہیں تیرے آگے — آج سکتے میں شمعِ محفل ہے
اٹھ سکے کیا پئے جواب سلام — دست نازک میں آپ کے تل ہے
آئینہ خانہ ہے یہ بزم جہاں — اک یہاں ایک کے مقابل ہے

دل مجنوں میں کیا برائی تھی تجھ کو لیلیٰ جو فکرِ محمل ہے
کیوں چمک ہو نہ میرے زخموں میں غیرت ماہتاب قاتل ہے
قتل کرنا ہے بے گناہوں کو کس تردّد میں آج قاتل ہے
مفت بدنام ہو رہی ہے نقاب میرے ان کے حجاب حائل ہے
میری باتوں کو سن کے نیند آئی کیا میرے حال سے وہ غافل ہے
اکثر آتی ہے زلزلہ میں زمین بے قراروں کی خاک شامل ہے
تن سے چھٹ کر ہے روح آوارہ آج لیلیٰ بغیر محمل ہے
سر کسے دوں کسے نہ دوں اے عشق سنگِ طفلاں ہے تیغ قاتل ہے
زرد ہے رنگ زعفراں کی طرح حال میرا ہنسی کے قابل ہے
اے تعشق بیان کیا کیجئے
کچھ دنوں سے جو حالتِ دل ہے

(53)

دردِ سر ہے جلد بتلادے دکاں حداد کی اے جنوں تجھ کو قسم ہے تیشۂ فرہاد کی
باغ میں اس سرو قد سے عرض ہے شمشاد کی بندگی مقبول ہو اس بندۂ آزاد کی
آپ کے مجنوں کی آتی تھی صدا فریاد کی آؤ کچھ باتیں کریں باہم دلِ ناشاد کی
جب اسیرانِ گذشتہ کی حکایت یاد کی رات بھر بیٹھا رہا نیند اڑ گئی صیاد کی
روئی شیریں جب کسی طائر کو دیکھا کوہ پر فرطِ الفت سے یہ جانا روح ہے فرہاد کی
رات بھر مطلق نہ آئی نیند ایسا جی لگا صبح تک باتیں سنیں ہم نے دلِ ناشاد کی
باغ کے حسن گذشتہ کا اسیروں سے ہے ذکر یا الٰہی بند ہوجائے زباں صیاد کی
دم نکلنا کوئے جاناں سے نکلنا یاد ہے ہم یہ دو باتیں نہ بھولے عالمِ ایجاد کی
قصۂ مہر و وفا دنیا میں باقی رہ گیا حسن شیریں کا نہیں وحشت نہیں فرہاد کی

نقل کو پہچانتے ہیں اصل سے بنیاد ہیں — قالبِ خاکی جو پایا قبر ہم نے یاد کی
لی نہ کروٹ تک پکارا فتنۂ محشر ہزار — دیکھئے کب نیند بھرتی ہے دلِ ناشاد کی
کوئے جاناں سے نہیں آتی صدا نالوں کی آج — کیوں صبا کیسی طبیعت ہے دل ناشاد کی
ضد سے ہے تعریفِ گل چیں ہم اسیروں کی حضور — دل کے ٹکڑے کر رہی ہے گفتگو صیاد کی
پاؤں اپنے سو گئے ملتے ہی سامانِ جنوں — مول لے کر پھیر دیں پھر بیڑیاں حداد کی
کیا چھپے ناحق بہایا تھا اسیروں کا لہو — بوئے خون دیتی ہے مٹی خانۂ صیاد کی
اب پڑے رہتے ہیں مثلِ نقشِ پا آرام سے — درد دل اٹھتا نہیں کیا ضعف نے امداد کی
وحشیانِ کوہ و صحرا سے ملے جا کر بہم — ذکر آیا قیس کا باتیں رہیں فرہاد کی
جس کو جیسی بن پڑی کیا اختیار اے مہرباں — دل نے کوچہ آپ کا اور ہم نے نجد آباد کی
ہم نے کی راہِ عدم روکا کئے دام و قفس — ہوگئیں بیکار ساری کوششیں صیاد کی
دیکھ کر روئی خوشی حسرت سے مجھ کو دیکھ کر — جب بنا ڈالی گئی اپنے دل ناشاد کی
کوئی وحشی اس طرح سے گم ہوا ہوگا اسیر — قبر زنداں میں بنائی ہے تیرے ناشاد کی
تہا تردد ایک مدت سے نہ تھی دل کی خبر — آنسوؤں نے آج آ کر کیا طبیعت شاد کی
وحشیوں میں آمدِ فصلِ بہاری کی ہے دھوم — بیڑیاں آواز دیتی ہیں مبارک باد کی
مجھ سے مل اے فاختہ میرا تیرا قصہ ہے ایک — مجھ کو الفت قدِ جاناں کی تجھ شمشاد کی
مجھ کو حیرت ہے وہ الفاظ آج بولے ہیں حضور — حال خود پوچھا عجب بات آپ نے ارشاد کی
درد الفت نے قدم رنجہ کیا شادی ہوئی — دل میرا ٹوٹا صدا آئی مبارک باد کی

اے تعشق عاشقوں کے خوش و خرم دل رہیں
ہو نہ بربادی کسی کے خانۂ آباد کی

(54)

تیری گلی سے پریشان و اشک بار آئے
لحد میں ہم دلِ بیمار کو اتار آئے

کبھی نہ ہوش میں ہم اے خیالِ یار آئے
کسی کے در پہ گئے جب اسے پکار آئے

بنی ہے کیا دلِ بیتاب پر خدا جانے
کچھ آج اشک بھی آنکھوں سے بے قرار آئے

کمالِ عشق میں وہ اعتبار لے گئے ہم
عدم میں غل ہے کہ یکتائے روزگار آئے

ہماری خاک پڑی ہے تمھارے کوچہ میں
ذرا نسیم سے کہہ دو نہ بار بار آئے

کمال شہرۂ الفت گراں بخاطر تھا
سبک ہوئے جو ہیں سب قبر میں اتار آئے

وہ عندلیب ہیں مرجائیں گر خزاں میں ہم
عدم سے خاک اڑاتی ہوئی بہار آئے

کہیں یہ چھوٹ گیا دل کہیں پہ رہ گئی روح
ہم اس قدر تیرے کوچہ سے بے قرار آئے

تمھارے کوچہ میں جاکر کبھی نہ بہلا دل
خبر کے واسطے آنسو ہزار بار آئے

یہی نشان ہے خود رفتگانِ الفت کا
کہ نیند آئے اسے جو سرِ مزار آئے

تمھارے وحشیوں میں ہیں وہ صاحبِ شہرت
ہمارے نام سے پتھر ہزار بار آئے

ہمارے بعد یہ ہے حال ہم صفیروں کا
اس آشیاں میں صدا دی ادھر پکار آئے

زوالِ حسن میں روکا نہ پاسباں نے ہمیں
تری گلی کی طرف سے ہزار بار آئے

تڑپ کے برق بھی کہتی ہے تیرے نالوں سے
مری طرف نہ کوئی آہ کا شرار آئے

صبا نے دی ترے وحشی کی قبر پر جاروب
پئے طواف بگولے ہزار بار آئے

شبِ فراق میں آرام ہے دلا معیوب
میں خود تڑپنے لگوں جب تجھے قرار آئے

عجب نہیں ہے مرے سوزِ داغ فرقت سے
زمین کو بھی پسینہ دمِ فشار آئے

خفا نہ ہو جو تمھاری گلی میں دفن ہوئے
ہزار بار سب آئے ہم ایک بار آئے

ریاضِ دہر میں ہم اپنی بے ثباتی پر
عرق عرق ہمہ تن مثلِ آبشار آئے

یہ رشک ہے ترے کوچہ کے آنے والوں سے
ہوا کے ساتھ نہ ہرگز مرا غبار آئے

وہ نیند آئی کہ تا روز حشر سوئے ہم — نسیم آہ کے جھونکے جو پانچ چار آئے
یہ حرمتِ شب فرقت کی ہے تجھے تاکید — کبھی نہ خاک سوئے چشم انتظار آئے
نسیم آہ ہے اس کام پر فقط معمور — تیری طرف سے نہ دل میں کبھی غبار آئے
تمام گرد کدروت ہے قالبِ خاکی — عدم سے قلب پہ ہم لے کے یہ غبار آئے

وفورِ رحمت معبود اے تعشق دیکھ
امیدوار شفاعت گناہ گار آئے

55

عشق دنداں کی رعایت مری جاں لازم ہے — آبروے دلِ بے تاب و تواں لازم ہے
دلِ سوزاں نہو سینہ میں دھواں لازم ہے — کچھ تو اجڑی ہوئی بستی کا نشاں لازم ہے
چھٹکے ہم قافلہ والوں سے رہے جاتے ہیں — اور جلدی تجھے اے عمرِ رواں لازم ہے
درد چھپتا نہیں انسان کہے یا نہ کہے — کب برائے دہنِ زخم زباں لازم ہے
لکھ کے خط یار کو آنسو نہ بہاؤں کیونکر — کہ عریضہ کے لیے آبِ رواں لازم ہے
موت کو بھیج دو گر خود نہیں منظور آنا — کچھ نہ کچھ اب تو علاجِ خفقاں لازم ہے
شیشۂ دل ہے اسے ٹھیس نہ لگنے پائے — احتیاط آپ کو اے جانِ جہاں لازم ہے
ہم سے اور دل سے رہیں رات کو باتیں تا صبح — درد کا سوختہ جانوں سے بیاں لازم ہے
سر کو مر جائیں نہ ٹکرا کے اسیرانِ قفس — شور اتنا نہیں اے برگِ خزاں لازم ہے

ان پہ عالم ہے نہ کیوں عالمِ وحشت ہو بیاں
موسم گل میں وفور خفقاں لازم ہے

56

ہیں وہ آمادہ مرے لاشے پہ آنے کے لیے
کیا کریں شرم و حیا مانع ہے جانے کے لیے

لو نکیرین آئے تربت میں ستانے کے لیے
کیا بلایا تھا ہمیں باتیں سنانے کے لیے

موسمِ گل ہوگیا آمادہ جانے کے لیے
اور جگہ ڈھونڈا کیے ہم آشیانے کے لیے

خاک اڑا رکھی ہے کیوں چرخ اٹھانے کے لیے
نقش پا ہیں ہم تو خود بیٹھے تھے جانے کے لیے

کس قدر جلدی مجھے محبوب کے آنے کی ہے
خود سواری بھیج دی اس کے بلانے کے لیے

ہم صفیرو کیجیو اتنی توجہ بعدِ ذبح
پر میرے لے جائیو تم آشیانے کے لیے

قدر دانی آپ کی ہم ناتواں کیا روئیں گے
دل میں طاقت چاہیے آنسو بہانے کے لیے

یوں نہ آئے ایک دن لاشے پہ آج آئے حضور
کچھ بہانہ ڈھونڈتے تھے آپ آنے کے لیے

حشر کو کہتے اٹھے خوابیدہ گان کوئی دوست
کس مزے کی نیند میں آئے جگانے کے لیے

دیکھ لوں میں آخری دیدار آنکھیں کھول کر
اپ اتریں قبر میں شانا ہلانے کے لیے

روتے روتے مر گیا تھا میں جو یادِ زلف میں
شبنم آئی قبر پر چادر چڑھانے کے لیے

سانپ پانی کا مری آنکھوں میں ہے ہر موجِ آب
آج اس نے بال کھولے ہیں نہانے کے لیے

باغباں کیا کیا مرے دم کے ہیں جلوے باغ میں
برق جگنو بن گئی ہے آشیانے کے لیے

زخم اے جراح ہیں اس سرمگیں کی تیغ کے
آئیو منہ پھیر کر ٹانکے لگانے کے لیے

دل جگر میں ہوگئے ناسور کیا جی خوش ہوا
اور دو آنکھیں ملیں آنسو بہانے کے لیے

ایڑیاں ہم یاں رگڑتے ہیں خمارِ مرگ ہے
واں ملی جاتی ہے مہندی نیند آنے کے لیے

تھا وہ پروانہ کہ روئی شمع مجھ کو رات بھر
صبح کو آئی صبا لاشہ اٹھانے کے لیے

عاشقِ یک رنگ ہوں اس کی رعایت ہے ضرور
مل کے مہندی آؤ تلواریں لگانے کے لیے

ہیں وہ غم دیدہ اگر کچھ بھی ہمیں دیتا فلک
خاک حسرت مول لیتے گھر بنانے کے لیے

خانۂ دل کیا بگاڑا ہے کہ فرماتے ہیں وہ
اب تو معمارِ ازل آئے بنانے کے لیے

دست رنگیں سے گرا ہے دل میرا جب مثلِ گل
فصلِ گل دوڑی ہے آنکھوں سے اٹھانے کے لیے

ہم یہاں اے ضعف ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے
وہاں اٹھے پردے ہوائے سرد آنے کے لیے

آنکھ بھی کھولیں نہ پامال آپ کی رفتار کے
فتنۂ محشر اگر آئے جگانے کے لیے

ہم بہل جاتے ذرا ہوتا جو زندہ ابن قیس
دو گھڑی مل بیٹھتے رونے رلانے کے لیے

رشک ایسا ہے مرے پہلو میں دل کو دیکھ کر
کیا بگڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جانے کے لیے

لاش اٹھا چاہتی ہے وہاں شہید ناز کی
آپ کیا بیٹھے ہیں یہاں مہندی لگانے کے لیے

حسرت وارمان سے مل کر دل کیا آباد خوب
مجھ کو بھیجا تھا نئی بستی بسانے کے لیے

دیکھنا اے دل اٹھا ہے کس طرح کا ابر یاس
خرمن امید پر بجلی گرانے کے لیے

ایک قطرہ بھی نہ قاتل نے دیا ہنگامِ ذبح
اشک دوڑے تشنگی میرے بجھانے کے لیے

57

شہادت دل پر اضطراب ہوتی ہے
کسی کی فوجِ مژہ فتح یاب ہوتی ہے

کسی سے دشت نوردی کی وجہ کیا کہیے
شکایتِ دل خراب ہوتی ہے

بغیر جان لیے کیوں چلی گئی شب ہجر
کہ صبح باعثِ شرم و حجاب ہوتی ہے

نہ گھر میں اور نہ آتا ہے اس گلی میں قرار
عجیب شکل دمِ اضطراب ہوتی ہے

یہ فیض بعد فنا بھی ہے چشم گریاں کا
مرے مزار کی چادر سحاب ہوتی ہے

کسے قبول ہے یہ گاہ گاہ شادئ وصل
طبیعت دل غمگیں خراب ہوتی ہے

ہے دفن ہونے کو لاشہ تمہارے گریاں کا
مگر زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے

میں ہوں وہ عاشق رخ فرد میرے عصیاں کی
مقابل ورق آفتاب ہوتی ہے

جب آکے روتے ہیں مجھ دل جلے کے قبر پہ ابر
جو بوند پڑتی ہے اشک کباب ہوتی ہے

بھری ہیں نشہ سے ایسی وہ نرگسی آنکھیں
کہ جیسے جام میں مملو شراب ہوتی ہے

اس آفتاب سے جو فیض یاب ہوتا ہے
ضیا میں چاند کا ٹکڑا نقاب ہوتی ہے

یہ پاس ہے دل مجروح کا جب آتے ہیں ضرور چاند سے منہ پر نقاب ہوتی ہے
ہے دل جلا کوئی بیدار انھیں یہ فکر نہیں چراغ بجھتے ہی تدبیرِ خواب ہوتی ہے
یہ کہتی ہے شب فرقت نہ کھو میری حرمت ذرا جو دل کو تمنائے خواب ہوتی ہے
گھلا گھلا کے تری شرم نے مجھے مارا کفن کے واسطے کافی نقاب ہوتی ہے
بڑھی ہوئی ہے گلوں سے کہیں تری رنگت
کہ عکس رخ سے گلابی نقاب ہوتی ہے

58

ایسی دل سوزِ حسینوں کی پلک ہوتی ہے سانس لینے سے کلیجہ میں کھٹک ہوتی ہے
دلِ مجروح ہوا سے نہیں ہوتا بیتاب مشکِ افشاں تری زلفوں کی مہک ہوتی ہے
صورتِ دردِ جگر ہجر میں اٹھتے ہیں سحاب برق کے دل میں بھی رہ رہ کے چمک ہوتی ہے
رات کو داغ سے پھاہا جو سرک جاتا ہے روشنی صبح کی بالائے فلک ہوتی ہے
ہے یہ نزدیک قدم رنجہ کرے فصل جنوں سر آمادہ سودا میں دھمک ہوتی ہے
برگ گل میں کوئی کانٹا نہ چبھا ہو صیاد ہم اسیروں کے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
دل اڑے جاتے ہیں بجھتے ہیں چراغ ہستی دامن افشاں تیرے پلکوں کی جھپک ہوتی ہے
دل سے منہ پھیرتی ہیں تاب وتواں کی فوجیں حسن کی ناز کی جانب سے کمک ہوتی ہے
جس قدر ہوتی ہے کانٹوں کی زباں میں تیزی آبلوں میں وہی پانی کی جھلک ہوتی ہے
تھا وہ دیوانۂ رخسار جب آتی ہے بہار قبر کی خاک میں پھولوں کی مہک ہوتی ہے
اب کہاں چھوڑتی ہے دل کو وہ غصے کی نظر صفِ مژگاں کی طرف سے بھی کمک ہوتی ہے
کچھ نہ ہوتا تو نہ ہوتی خفقان کی شدت حیف ہے قبر میری زیرِ فلک ہوتی ہے
دیکھے داغ دلِ سوزاں کو بھلا کیا کوئی اور چشم خورشید قیامت میں کھٹک ہوتی ہے
یاد آتے ہیں جو گیسو تو چمک جاتے ہیں داغ
شب یلدا میں ستاروں کی جھلک ہوتی ہے

59

خلخال ان کے پاؤں کی زرگر بنائیں گے
طوقِ گلوے فتنۂ محشر بنائیں گے

ہم خونِ آرزو کا جو محضر بنائیں گے
تجھ کو گواہ اے دلِ مضطر بنائیں گے

اپنا مزار متصل در بنائیں گے
گھر بھی تمھارے گھر کے برابر بنائیں گے

کہتے ہیں وہ یہ سرمہ کا دنبالہ پونچھ کر
اس نیمچہ کو توڑ کے خنجر بنائیں گے

چھلاّ حضور ہاتھ کا دے دیجئے ہمیں
دل کے جہاز کا اسے لنگر بنائیں گے

ہنس ہنس کے پھول توڑ رہے ہیں وہ باغ میں
میری لحد کے واسطے چادر بنائیں گے

افتادہ رہنے دی تھی زمیں دل کی اس لئے
امید تھی کہ آپ یہاں گھر بنائیں گے

جانِ جہاں ہو خط تمھیں لکھیں گے ہم اگر
تارِ نفس کو توڑ کے مسطر بنائیں گے

فرماتے ہیں مرے دلِ نازک کو توڑ کر
دیکھیں تو شیشہ گر اسے کیونکر بنائیں گے

بنتی ہے روز زلف تعشّق کے سامنے
دیوانہ اس کو آپ مقرّر بنائیں گے

60

نہیں ہے سرمہ کا دنبالہ چشم دلبر میں
کھلی ہے فتح کی بیرق مژہ کے لشکر میں

یقیں ہے کہ ہو بخشش کا طور محشر میں
تری ہے اشک ندامت کی دامن تر میں

ہوا ہوں اُلفت دندان ماہ پیکر میں
جہاز عمر کا ڈوبا ہے آب گوہر میں

مجھے سنبھال میں ہوتا ہوں ساقیا بیہوش
وہ چشم مست نظر آرہی ہے ساغر میں

دل حزیں پہ خدا جانے کیا بلا آئی
عجیب درد سے روتا ہے کوئے دلبر میں

وہ چشم مست ہے ایسی خمار آلودہ
بھری ہو جیسے لبالب شراب ساغر میں

گئیں نہ موسم گرما میں گرمیاں اُن کی
کہ عاشقوں کے دلوں کی ہے آگ مجمر میں

صدا جو ہے مرے سینے میں دل دھڑکنے کی
تو پوچھتے ہیں کہ ماتم ہے آج کس گھر میں

بتاؤ لطف شب وصل کس طرح بھولوں
کہ آج تک وہی گرمی ہے میرے بستر میں

تصور رُخ جاناں میں سیر عالم کی
تمام منزلیں طے کی ہیں میں نے دم بھر میں

یہ کون درد رسیدہ ہوا ہے آج شہید
چمک ہے زخم جگہ کی تمھارے خنجر میں

کفن دیا ہے مجھے میری بیقراری نے
کہ رہ گیا تن لاغر لپٹ کے بستر میں

لحد میں جا کے تعشق نہ کوئی دوست پھرا
عجب کی جا ہے کہ جی لگ گیا نئے گھر میں

سلام

کل سلام = ۶۲

کل اشعار سلام = ۱۰۵۶

تعشق کی سلام نگاری

اردو شعر و ادب کی تاریخ گواہ ہے کہ سلام کی روایت تقریباً چار سو سال سے جاری ہے۔ سلام اور مرثیہ کا وجود تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوا اور مرثیہ ہی کی طرح سلام نگاری کی ابتدا بھی دکن ہی میں ہوئی۔ عربی اور فارسی ادبیات میں مراثی تو نظر آتے ہیں لیکن سلام کا وجود نہیں۔ یہ سچ ہے کہ چند رثائی نظمیں ترجیع بند اور ترکیب بند کی ہیئت میں فارسی میں نظر آتی ہیں، لیکن انھیں ہم اس سلام کے زمرہ میں نہیں رکھ سکتے جس کو اردو میں سلام کہتے ہیں۔

جہاں تک سلام کا تصور ہے اس کا تعلق قران کریم کے سورہ الاحزاب کی اس آیت سے منسوب ہے جہاں ارشار باری ہو رہا ہے کہ بے شک جس طرح اللہ اور اس کے ملائک حضور ختمی مرتبتؐ پر سلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی سلام بھیجو۔

سلام کی چار سو سالہ تاریخی روایت کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

سب سے قدیم سلام جو عموماً دکنی مخطوطات میں نظر آتے ہیں، سیدھے سادے الفاظ میں بیان کیے جاتے تھے جس میں صرف حضورؐ اور ان کی اہل بیت پر درود و سلام بھیجا جاتا جیسا کہ گیارہویں صدی ہجری کے عظیم شاعر مرزا ان بیجاپوری کے سلام سے ظاہر ہے۔

اے حسینؑ علیؑ سلام علیک
شاہِ جملہ ولی سلام علیک
توں ہے برحق امام دو جگ کا
رہبر و رہنما سلام علیک
جد ہے تیرا محمدؐ مرسلؐ
سرور انبیاؑ سلام علیک

فاطمہ ہور علیؑ کی دریا کا

توں دُرے بے بہا سلام علیک

اس قسم کے صدہا سلام جو ہر گونہ ہیئت میں لکھے جاتے تھے، مرثیہ سے پہلے اور مرثیہ کے بعد پڑھے جاتے۔ یہاں قادرالکلامی، معجز بیانی، معنی آفرینی وغیرہ کا دخل نہیں تھا، کیونکہ شاعر کا مقصد صرف ہدیۂ سلام پیش کر کے ثواب دارین حاصل کرنا تھا۔ چنان چہ یہ سلام غزل، قطعہ، مثنوی، ترکیب و ترجیع بند، مربع، مخمس، مسدس وغیرہ وغیرہ تمام اشکال میں لکھے گئے۔ سلام کا دوسرا دور جس میں مرثیہ کے عناصر اربعہ یعنی میر ضمیرؔ، میر خلیقؔ، میر فصیحؔ اور دلگیرؔ سرفہرست تھے، سلام کو ترقی دی۔ اسی دور میں سلام کی ہیئت بشکل غزل معین کی گئی۔ سلام میں ندرت بیانی، تغزل، اور جدت، طرازی کی آرایش کی جانے لگی۔ سلاموں کے مطلعوں میں مجری، مجرئی، سلامی، سلام جیسے الفاظ کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جب سلام کا سنہری دور یعنی مرثیہ گوئی کے آفتاب اور مہتاب کا زمانہ شروع ہوا تو سلام اپنے ارتقا کی بلند ترین منزلوں پر نظر آنے لگا۔ اسی دور میں دبستان انیسؔ، دبستان دبیرؔ، دبستان خاندان اجتہاد کے علاوہ حضرت انسؔ لکھنوی کا خاندان جو ناسخؔ کے دبستان سے منسلک تھا، سلام کے گلزار میں نئے نئے چمن ایجاد کر رہا تھا۔ سلام میں تغزل کی چھاپ صاف نظر آرہی تھی۔ باریک اور دقیق مطالب، ندرت بیان، شگفتہ زبان اور صنائع لفظی و معنوی کی آرائش سلام کے چہرہ پر صاف نظر آرہی تھی۔ مولوی امداد امام اثرؔ نے کاشف الحقائق جلد دوم میں صحیح لکھا ہے کہ میر انیسؔ کے سلاموں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جنھیں اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو غزل کہلائے جا سکتے ہیں۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے سلاموں کے مطلعوں میں وہی مروجہ الفاظ رکھے۔ لیکن خاندان انسؔ کے شعراء جن میں عشقؔ، تعشقؔ اور رشیدؔ وغیرہ شامل تھے، مطلعوں سے وہ الفاظ خارج کر دیے اور سلام کو ایک نیا روپ دیا۔ چنانچہ بعد میں یہ روایت بالکل ختم ہوگئی۔ تعشقؔ لکھنوی کا تعلق سلام کے اسی تیسرے اور سنہری دور سے ہے اور ان کے بعد موجودہ چوتھا دور جو تقریباً ایک صدی کے محیط پر بکھرا ہوا ہے، جدید تقاضوں کا نقیب ثابت ہوا جس میں جوشؔ، جمیلؔ مظہری، نجمؔ آفندی، نسیمؔ امروہوی، آل رضاؔ اور درجنوں دوسرے بڑے شاعر شریک رہے۔

مرحوم سعادت علی رضوی نے وسیلۂ نجات میں شہید یار جنگ شہید کے سلاموں پر مقدمہ میں بہت صحیح کہا ہے۔ ''انس کے فرزندوں میں عشق اور تعشق نے خصوصاً سلاموں میں نئی زمینیں، جدت خیال اور مضمون آفرینی کی اور غالباً کسی نے ان پر سبقت حاصل نہیں کی۔''

تعشق لکھنوی کے باسٹھ (62) سلام ہمارے رثائی ادب کا گراں بہا خزانہ ہیں۔ مشکل ردیفوں میں عمدہ مضامین کو سلاست زبان سے آراستہ کیا ہے۔ صاف سادہ اور شگفتہ زبان کا استعمال خاندان انس کی شناخت سمجھا جاتا تھا۔ رشید لکھنوی جو میر انیس کے نواسے اور انس لکھنوی کے پر پوتے تھے، ان کے بارے میں محشر لکھنوی لکھتے ہیں کہ ''باتیں کرتے کرتے حضرت رشید نے فرمایا۔ کیوں محشر، شاعر کو کیا کرنا چاہیے۔'' میں نے عرض کی ''تا امکان جذبات اصلی نظم کرنے کی قوت ہونی چاہیے۔'' فرمایا ''اس کے ساتھ اتنا اور بڑھا دو کہ سیدھی زبان میں۔''

اگر تعشق لکھنوی کے سلاموں کا جائزہ لیا جائے تو بالکل یہی نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ چونکہ رشید لکھنوی تعشق کے شاگرد تھے، شاید استاد کے کلام اور پیام کے اثر نے رشید کو زبان برتنے کے اس انداز پر مامور کیا ہو یعنی دبستان انس میں ادق، مغلق، سخت اور ثقیل عربی و فارسی الفاظ کا گزر کم ہوتا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دبستان دبیر اور دبستان انس زبان دانی اور بات برتنے کے معاملے میں دریا کے دو کناروں کی مانند تھے۔

کہتے ہیں کہ میر انیس نے اپنی جوانی کے زمانے کی کہی ہوئی غزلوں کو تلف کر دیا۔ چنانچہ اب صرف تین چار غزلیں ہمارے پاس باقی ہیں، جب کہ خوش بختانہ ہمارے پاس تعشق لکھنوی کا مختصر دیوان غزلیات، جو اس کتاب میں موجود ہے، ان کے تغزل اور پاکیزہ شاعری کا نقیب ہے۔ تعشق لکھنوی کے ایک سلام جو ''دھوپ'' کی ردیف میں ہے، صنعت حسن تعلیل کی صناعی دیکھیے۔

گرمی اندام شہ کی تاب کب لاتی ہے دھوپ
تن عرق افشاں نہیں پانی ہوئی جاتی ہے دھوپ
دن کو جو گھر سے نکل آئی ہیں زینب بے نقاب
سامنے سے سایہ کو بڑھ بڑھ کے سرکاتی ہے دھوپ

قید خانہ شام کا ہے اس قدر تاریک وتنگ
جس میں آکر سر کو دیواروں سے ٹکراتی ہے دھوپ
تر ہوئی ہے آنسوؤں سے اس قدر عاشور کو
اپنی چادر سوکھنے کو روز پھیلاتی ہے دھوپ

اسی طرح ایک سلام جس کی ردیف ''آرزو'' ہے، کے اشعار میں مضمون بندی کا ہنر استادانہ کلام کی سند ہے۔ جذبات کا دریا الفاظ کے بند توڑ کر احساسات میں طغیانی کر رہا ہے۔

پیش حسینؑ چشم تمنا تھے دائرے
خط میں لپٹ کے آئی تھی صغراؑ کی آرزو
شوق لب حسینؑ زبانِ نبیؐ کو تھا
مریمؑ کو تھی کمال مسیحا کی آرزو
یہ کہتے ہیں احباب لب تشنہ نہ تر ہوئے
روتی ہے پھوٹ پھوٹ کے دریا کی آرزو
پانی سے تشنہ کو عار ہے عباسؑ مر گئے
بن بن کے اشک بہہ گئی دریا کی آرزو

تعشق لکھنوی کا ایک پندرہ شعر کا مشہور سلام جو مجالس میں بہت پڑھا جاتا ہے

ع۔ گھر کو چھوڑا شاہؑ نے جنت بسانے کے لیے

اس سلام میں سوز وگداز کو عجیب کیفیت سے بیان کیا گیا ہے جو تعشق ہی کا حق ہے

حضرت سجادؑ راہِ شام سے واقف نہ تھے
ہاتھ پکڑے تھی رسن رستہ بتانے کے لیے
کھیلتی تھیں خاک سے طفلی میں زینبؑ بارہا
مشق کی تھی کربلا میں خاک اڑانے کے لیے

میر تقی میر، میر انیس اور رشید لکھنوی نے ہاتھوں کی جھریوں پر عمدہ اشعار لکھے ہیں اگر چہ میر انیس کا شعر سب سے لاجواب ہے۔

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ دست قدرت نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

لیکن تعشق کا شعر بھی عمدہ اور بے نظیر ہے۔

جھریوں کو عہد پیری میں تعجب سے نہ دیکھ
جھنتے پڑ جاتے ہیں جامہ جب پرانا ہوگیا

ہر سلام پر ریویو کرنا ممکن نہیں، اس لیے کچھ اشعار سلاموں سے انتخاب کر کے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

زندگانی ایک جھونکا ہے ہوا کا غافلو
کیا بھروسہ دم ادھر آیا اُدھر جاتا رہا
قتل شبیر سے فولاد کو بھی شرم آئی
میان سر کو جھکائے ہوئے خنجر نکلا
سیاہ، شاہ کی آنکھوں میں سب زمانہ ہوا
ہوائے تیر سے ٹھنڈا چراغ خانہ ہوا
غضب ہوا نظر آیا کوئی جو بال سفید
سمند شوخ جوانی کو تازیانہ ہوا
میان آب اثر کر گئی حسینؑ کو پیاس
لیے ہوئے دل پر آبلہ حباب آیا
عمر میں تھے علی اکبرؑ سے بہت کم اصغرؑ
بوجھ دونوں سے شہادت کا برابر اٹھا
دست وبازو میں رسن لپٹی ہے زیور کی طرح
سر پہ رانڈوں کے پڑی ہے خاک چادر کی طرح
ٹھوکریں کھاتے ہیں شہ بڑھ گئے آگے اکبرؑ
ساتھ یوسف کے گیا قافلہ بینائی کا

ہیں وہ ہشیار جو پیتے ہیں مئے خمِ غدیر
کبھی ان بادہ کشوں کو نہ بہکتے دیکھا

سلام کی تحریر کو تعشق لکھنوی کے سلاموں کے مقطعوں پر تمام کرتے ہیں۔

تعشق لکھنوی نے اپنے سلاموں کے مقطعوں میں یہ التزام کیا ہے کہ مضمون حضرت حجت حق امام زمانہ سے مربوط ہو۔ کئی اشعار ظہور اور حضورؑ کی نوکری سے متعلق ہیں۔ ان کے باسٹھ (62) سلاموں کے مقطعوں میں تینتالیس (43) سے زیادہ امام زمانہ کی مدح اور ظہور وغیرہ سے متعلق ہیں، چند مقطعے جو حضورؑ کے ظہور سے متعلق ہیں یہاں پیش کیے جارہے ہیں۔

جان شیریں کو فدا کیجیو ہنگام ظہور
ہے تعشق جو مزا مجھ کو نمک خواری کا

ہوا ظہور تعشق امام عالم کا
زمین رشکِ فلک ہے وہ آفتاب آیا

اے تعشق معرفت ہے یوں امام عصرؑ کی
ہے نہاں خورشید آنکھوں سے نظر آتی ہے دھوپ

مثل حیدرؑ حضرت صاحب جو فرمائیں ظہور
ہے تعشق کفش برداری میں قنبر کی طرح

اے تعشق ہو وہ دن لیں صاحب عصر انتقام
سب زمیں ہو خون اعدا سے تہہ افلاک سرخ

کس طرح ہو نہ تعشق کو تمنائے ظہور
کہ سیہ خانۂ ہستی میں اجالا ہوگا

فہرست سلام

شمارہ نمبر	مصرعہ مطلع
۱	کربلا میں جا کے دنیا کا گلہ جاتا رہا
۲	کربلا میں جو یہ تن خاک شفا ہو جاتا
۳	یہ بعد شہ حال یہ تھا فاطمہؑ کی جائی کا
۴	کربلا سے بعض کا جنت کو جانا ہو گیا
۵	شکر ہے وصف حسام شہ صفدر آیا
۶	شہ کہتے تھے یارب یہ ہوا انجام ہمارا
۷	بعد عباسؑ کب اک بندِ کمر ٹوٹ گیا
۸	جوش دیکھے جو دیدۂ تر کا
۹	وقت کوئی نہیں دن رات میں بیداری کا
۱۰	ہے اندھیرا چشم تر میں وہ قمر جاتا رہا
۱۱	کب اشک غم شاہ خوش خو نہ نکلا
۱۲	لحد میں داغ شہ نامدار لیتا جا
۱۳	ضمیر کو جو ہوس تھی وہ روبرو آیا
۱۴	جو اٹھا غلغلۂ حشر ہے مضطر اٹھا
۱۵	شمۂ روضۂ سرور جو قضا را چمکا
۱۶	حیف ہے روضۂ سلطان زمن چھوٹ گیا

۱۷	تر پسینہ سے پیمبرؐ کا جو گلرو ہو گیا
۱۸	میں نہیں مشتاق جو رضواں لگا لے جائیگا
۱۹	نوجوان بیٹا اگر مرنے کی رخصت مانگتا
۲۰	کہتے تھے حلق پر خنجر رواں ہو جائیگا
۲۱	ذرے سے حر کو شہؑ نے ابوذرؓ بنا دیا
۲۲	کہتے تھے سرور دیں کام نکل جائیگا
۲۳	روضۂ احمدؐ سے زہراؑ کا دل وجاں چھٹ گیا
۲۴	میانِ قبر علیؑ سا فلک جناب آیا
۲۵	قتل شبیرؑ کو جس دم ستم ایجاد آیا
۲۶	تھے دل آزار اس طرف لاکھوں ادھر کوئی نہ تھا
۲۷	ان کو جاتے ہوئے مڑ کر جو اُدھر دیکھ لیا
۲۸	مر کے حال اہل دنیا کھل گیا
۲۹	حلق میں جب آکے پیکاں رہ گیا
۳۰	درِ علیؑ پہ سر اس خاکسار کا پہنچا
۳۱	چھٹ کے اکبرؑ سے دل شہؑ تہ و بالا ہو گا
۳۲	شہر سے چھوڑ کے گھر سبط پیمبرؐ نکلا
۳۳	پئے کربلا جان کھویا گیا
۳۴	دم نزع کیا چشم حر میں سماں تھا
۳۵	دل بھی ساتھ آنسوؤں کے چشمِ زدن میں آیا
۳۶	لحد میں جلوہ نما وہ شہؑ زمانہ ہوا
۳۷	کبھی ملالِ شہؑ بحر و بر نہیں جاتا
۳۸	جب ادھر شہؑ نے کمانوں کو کڑکتے دیکھا
۳۹	جو کبھی گھر سے نہ بے تاج کے باہر نکلا

۴۰ جو دفن سبطِ نبیؐ کے جوار میں ہوگا

۴۱ مل گئی جو راہ میں بستی وطن یاد آیا

۴۲ ہے آسرا مزار میں حیدرؑ کی ذات کا

۴۳ روئے مطلب پڑھ کے شہؑ دل پارہ پارہ ہوگیا

۴۴ کہتی تھی ماں کہ نہ کچھ منہ سے کہا کیا باعث

۴۵ ہے وطن میں یہ شہؑ تشنہ جگر کی صورت

۴۶ روز عاشور ہے خوش فوج ستم گر ہے آج

۴۷ قتل گہہ میں مطمئن ہیں شاہ دیں گھر کی طرح

۴۸ آندھیاں اٹھتی ہیں سرخ ایسی کہ ہیں افلاک سرخ

۴۹ شہؑ کے درباں جو کریں روضۂ رضواں آباد

۵۰ گرمئ اندام شہؑ کی تاب کب لاتی ہے دھوپ

۵۱ باندھی مرنے پہ غریبوں نے کمر آخر شب

۵۲ شاہؑ کہتے تھے جو مہلت دے زمانا زینبؑ

۵۳ شامیوں سے ہوئے یوں قیدئ زنداں رخصت

۵۴ لے کے دریا کو نہ کیوں سبط پیمبرؐ چھوڑ دے

۵۵ اگر ہجوم غم روزگار بڑھ جاتا

۵۶ ہو تشنگی دل شہؑ والا کی آرزو

۵۷ گھر کو چھوڑا شاہؑ نے جنگل بسانے کے لیے

۵۸ لطف کرتے ہیں خداوند ضرور آپ سے آپ

۵۹ کرتے ہیں بیکس جو زنداں میں فغاں بیٹھے ہوئے

۶۰ جو شہؑ سے حُر طلب عفو کے خیال میں ہے

۶۱ چمن فاطمہؑ کا قلم دیکھتے ہیں

۶۲ کوئی بھی ہمدم دم آخر نہ تھا شبیرؑ کا

سلام

1

کربلا میں جا کے دنیا کا گلہ جاتا رہا
سیرِ گلزارِ جناں کا حوصلہ جاتا رہا

دل کو چین آتا ہے رونے سے غمِ شبیرؑ میں
ایک آنسو کیا گرا ایک آبلہ جاتا رہا

بیڑیاں اتریں تو عابدؑ کو ہوا اس کا ملال
محنت و اندوہ و غم کا سلسلہ جاتا رہا

کہتے تھے عابدؑ ہزار افسوس اے واماندگی
ہم اکیلے رہ گئے سب قافلہ جاتا رہا

مر گئے انصارِ شہؑ قبضے نہ ہاتھوں سے چھٹے
کب لڑائی کا دلوں سے ولولہ جاتا رہا

غل رہا سجادؑ کی زنجیرِ پا کا حشر تک
کب ہماری مغفرت کا سلسلہ جاتا رہا

حر ادھر آیا کہ حضرت نے دیا باغِ بہشت
راہ بھر کا ایک دم بھر میں گلہ جاتا رہا

روتی ہیں شب بھر سکینہؑ سینۂ شہؑ کے لیے
خوابِ راحت کا بھی دل سے حوصلہ جاتا رہا

ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھی ہے ماں اصغرؑ کے بعد
زندگی بیکار ہے وہ مشغلہ جاتا رہا

جب سنی بیمار نے دنیا سے جانے کی خبر
دل سے اکبرؑ کے نہ آنے کا گلہ جاتا رہا

بعدِ شہؑ عابدؑ نہ ہوتے تو الٹ جاتی زمیں
یوں دلِ مضطر کو روکا زلزلہ جاتا رہا

گردِ دامن بھی نہ سمجھا ساتھ والوں نے ہمیں
خاک اڑاتے رہ گئے ہم قافلہ جاتا رہا

کس طرح رکتے ہیں دیکھوں تو غم سرورؑ میں اشک
کیا کہیں میرا دلِ پُر آبلہ جاتا رہا

وہ ستم شہؑ نے سہے دل ظالموں کے بھر گئے
ظلم کا اہلِ جفا کو حوصلہ جاتا رہا

ہو کے پیوندِ زمینِ کربلا ہو جاؤں ایک
جب ملا دریا میں قطرہ فاصلہ جاتا رہا

یاد آتا ہے طوافِ مرقدِ پاکِ حسینؑ
خلد میں وحشت ہے ایسا مشغلہ جاتا رہا

ایسے ایسے ظلم خوش ہو ہو کے حضرت نے سہے — صبر کا ایوبؑ کو بھی حوصلہ جاتا رہا
بیڑیاں عابدؑ کو پہنائیں نہ سمجھے اہلِ کیں — ہاتھ سے دینِ نبیؐ کا سلسلہ جاتا رہا

اے تعشق دامنِ صاحب نہ چھوٹا ہاتھ سے
آمد و رفتِ نفس کا سلسلہ جاتا رہا

2

کربلا میں جو یہ تن خاکِ شفا ہو جاتا — کچھ بروں کا تری رحمت سے بھلا ہو جاتا
کچھ بھی عصیاں جو نہ کرتا میں تو کیا ہو جاتا — حق تری بندہ نوازی کا ادا ہو جاتا
کربلا چھوڑ کے جاتا اگر اے رضواں میں — نہیں معلوم مجھے خلد میں کیا ہو جاتا
شاہؑ کہتے تھے جو آتی تو قضا آجاتی — ایک سجدہ تہِ شمشیر ادا ہو جاتا
جانتے صبر میں ایوبؑ کو ہم مثلِ حسینؑ — اگر ایسا پسر ان سے بھی جدا ہو جاتا
شام کو قافلہ شاہؑ گیا جب لٹ کر — نہ ہوا ساتھ مرا دل کہ درا ہو جاتا
اپنے محبوب کی منظور نہ کی دل شکنی — کیوں نہ بندوں سے رضا مند خدا ہو جاتا
بھوک ایسی تھی کہ ہوتے شہِ ذی جاہ ہلاک — سرِ اقدس نہ اگر تن سے جدا ہو جاتا
کہتے تھے شہ نہ دیا تم نے ذرا سا پانی — کیا برائی تھی جو پیاسوں کا بھلا ہو جاتا
شاہؑ فرماتے تھے ہوتا نہ ادا حقِ وفا — روزہ عاشور کے دن کا جو قضا ہو جاتا
پاس تھا بھائی کی محنت کا بہن کو ورنہ — اٹھتے جب دستِ دعا حشر بپا ہو جاتا
کہتے تھے عابدؑ بیمار کہ اچھا ہوتا — تر جو آبِ دمِ خنجر سے گلا ہو جاتا
کہتے تھے عابدِ بے پر یہ ستم کیوں سہتا — گر نہ میں قافلے والوں سے جدا ہو جاتا
شاہؑ کہتے تھے نہ ہوتی جو یہ بھوک اور یہ پیاس — خاک انسان کے جینے کا مزا ہو جاتا
دونوں عالم میں سیہ کاروں کا پردا رکھا — کیوں نہ دل شیفتۂ آلِ عبا ہو جاتا
خونِ ناحق کے اثر سے ہوئی تھی لال زباں — کیا کوئی منکرِ خونِ شہدا ہو جاتا

ذبح ہوتا کوئی سجدے میں جو مانندِ حسینؑ — نام اس کا بھی نہ مذبوح قفا ہو جاتا
جس کو معبود کہے آپ کہ میرا ہے یہ ہاتھ — کیوں نہ وہ چشمِ نصیری میں خدا ہو جاتا
کہتی تھی ماں کہ نہ دینا تھی رضا اکبرؑ کو — کل منالیتی اگر آج خفا ہو جاتا

اے شہنشاہِ دو عالم ترا ہوتا جو ظہور
کیا تعشق سے فقیروں کا بھلا ہو جاتا

3

یہ بعد شہؑ حال یہ تھا فاطمہؑ کی جائی کا — گر پڑے اشک جہاں نام لیا بھائی کا
نہ رہا لطف سر و تن میں بھی یکجائی کا — عجب افسانہ ہے شبیرؑ کی تنہائی کا
رن میں تھیں کیا شبِ عاشورِ صدائیں پُر ہول — دل دھڑکتا تھا ہر ایک طائرِ صحرائی کا
تیر اتنے دلِ شبیرؑ میں در آئے تھے — حوصلہ تنگ ہو خود صبر و شکیبائی کا
شاہؑ محتاجِ کفن کو ہیں ردا کو زینبؑ — ایک سا حال ہے غربت میں بہن بھائی کا
شہؑ رضا سب کو دیے دیتے ہیں جلدی جلدی — فکرِ محبوب میں کیا شوق ہے تنہائی کا
باندھے اسباب وغا رن میں اکیلے ہیں حسینؑ — ڈھال میں طور ہے سارا شبِ تنہائی کا
شہؑ کو صغراؑ نے یہ لکھا کہ سدھارے جو حضور — نام گھر میں نہ رہا رونق و زیبائی کا
قبر میں یاد کروں گی تو ڈروں گی بابا — ہائے دن جاکے وہ آنا شبِ تنہائی کا
اپنے محبوب کے آگے سرِ میداں شہؑ نے — معرکہ مار لیا صبر و شکیبائی کا
کربلا میں ہے مجھے باغِ جناں پر یہ گمان — آشیانہ ہے کسی طائرِ صحرائی کا
وقتِ رخصت عجب الفت سے جنابِ زینبؑ — ناامیدانہ کھڑی تکتی تھیں منہ بھائی کا
ٹھوکریں کھاتے ہیں شہؑ بڑھ گئے آگے اکبرؑ — ساتھ یوسف کے گیا قافلہ بینائی کا
ذبح ہونے میں ہنسے شہؑ تو یہ بولے ایوبؑ — ہے الگ سب سے یہ انداز شکیبائی کا
صاف پردے سے ہوا دستِ یداللہ عیاں — جاکے بھائی نے کہاں ساتھ دیا بھائی کا

بیڑیاں پہنے ہوئے شام تک آئے عابدؑ ناتوانی سے لیا کام توانائی کا
نظر آتا تھا دھواں شہؑ کو زمیں سے تا چرخ پیاس سے حال یہ تھا چشم کی بینائی کا
آئی آواز جو سجدے میں جھکے شہؑ تہِ تیغ ایسے در پر یہ طریقہ ہے جبیں سائی کا
شہؑ کو صغرا نے یہ لکھا تھا کہ دیکھیں بابا پھر بھی آتا ہے زمانہ کبھی یکجائی کا
صبر میں ایک بھی بندہ نہیں مثلِ شبیرؑ تیری صنعت میں اثر ہے تری یکتائی کا
سر کے اکبرؑ جو گلے مل کے تو شہؑ بیٹھ گئے ایک دم میں نہ رہا نام توانائی کا
شہؑ کو صغرا نے جو قطعہ لکھا کہ اکیلی ہوں میں باپ ماں کا نہ سہارا نہ بہن بھائی کا
شہؑ نے خط پڑھ کے یہ قاصد سے کہا کہہ دینا تم نے عالم نہیں دیکھا مری تنہائی کا
پاؤں بیڑی میں ہیں پر کہتی ہیں دل سے عابدؑ سلسلہ ہاتھ سے جائے نہ شکیبائی کا

غیبتِ حضرتِ صاحب میں تعشق یہ ہے کرب
حال جو خانۂ زنداں میں ہو سودائی کا

4

کربلا سے بعض کا جنت کو جانا ہوگیا قافلہ کچھ شام کی جانب روانا ہوگیا
ناموافق مجھ سے اے رضواں زمانا ہوگیا کربلا سے جانبِ فردوس جانا ہوگیا
ایک بے گھر لاکھ تیروں کا نشانا ہوگیا فوجِ شر میں جو کماں تھی اس میں خانا ہوگیا
کہتے تھے شہؑ آج آمادہ ہے امت قتل پر خود نبیؐ کی جان تھے ہم وہ زمانا ہوگیا
کیا ہوا مجروح حلق اصغرِ ناداں فقط باپ کا بازو تو ماں کا دل نشانا ہوگیا
جھریوں کو عہد پیری میں تعجب سے نہ دیکھ جھنتے پڑ جاتے ہیں جامہ جب پرانا ہوگیا
کہتے تھے شہ پھر گئے سب دفعتہً بعد نبیؐ درہم و برہم وہ سارا کارخانہ ہوگیا
کہتے تھے سجادؑ پانی جس نے اعدا کو دیا مشکل اس کی لاش پر آنسو بہانا ہوگیا
کہتے تھے شہؑ کل تک آئے ہیں اسی در پر ملک ہم وہی ہیں گھر وہی ہے وہ زمانا ہوگیا

گیسوئے زہراؑ کی خدمت میں ہوا جو باریاب ۔۔۔ مرتبے میں پنجۂ مریمؑ وہ شانا ہوگیا
قید خانے میں کہا شہزادیوں نے شکر ہے ۔۔۔ خیر اتنا تو غریبوں کا ٹھکانا ہوگیا
تخلیے میں شاہؑ کو دینے جو تھے کچھ امتحاں ۔۔۔ اس لیے سب قافلہ آگے روانا ہوگیا
دل کو سمجھاتے تھے حضرت یاد کر عہدِ رسولؐ ۔۔۔ یہ بھی رہنے کا نہیں جب وہ زمانا ہوگیا
تھی صدائے شہؑ ہٹیں سر لے کے فوجیں شام کی ۔۔۔ پاؤں پھیلانے کا مقتل میں ٹھکانا ہوگیا
رو گیا وہ بعد شہؑ جو آگیا صغراؑ کے پاس ۔۔۔ دل کا بہلانا اسے رونا رلانا ہوگیا
تا سحر مثلِ اسیرانِ قفس پھڑکے پرند ۔۔۔ تنگ ایسا قتل کی شب آشیانا ہوگیا

اے تعشق کان ہیں مشتاق اس آواز کے
آئے دن رجعت کے غیبت کا زمانا ہوگیا

(5)

شکر ہے وصفِ حسامِ شہِؑ صفدر آیا ۔۔۔ عمر بھر میں اگر آیا تو یہ جوہر آیا
ذکرِ محبوب سے عابدؑ جو زباں پر آیا ۔۔۔ دل تڑپ کر یہ پکارا کہ میں باہر آیا
تشنہ لب تھے جو دمِ نزع شہؑ تشنہ گلو ۔۔۔ دیکھ کر آبِ دمِ تیغ کو دل بھر آیا
حُر کو فردوس نظر آنے لگا زیرِ قدم ۔۔۔ زانوئے سبطِ پیمبرؐ جو تہِ سر آیا
شاہؑ کہتے تھے تہِ تیغ وہ پیاسا ہوں میں ۔۔۔ پانی تلوار کا مشکل سے میسر آیا
مشک پائی جو علمدارؑ نے اک شور ہوا ۔۔۔ قبضۂ حضرت عباسؑ میں کوثر آیا
نفسِ سرد سے عابدؑ کے ہوا پانی سرد ۔۔۔ بعد شبیرؑ کے جب سامنے ساغر آیا
حشر میں جب مرے آقا کی سواری آئی ۔۔۔ میں بھی دوڑا ہوا قنبرؑ کے برابر آیا
دب گیا خیمۂ سرورؑ سے بلندی میں فلک ۔۔۔ جھک گیا چاند جو شمسہ کے برابر آیا
کہتی تھی ماں علی اکبرؑ جو گئے تم رن کو ۔۔۔ ساتھ ہی منہ سے کلیجہ مرا باہر آیا
جھومتا جوشِ محبت میں سرِ راہِ صراط ۔۔۔ بادہ خوار آپ کا یا ساقیٔ کوثر آیا

شاہ نے لاشۂ اصغرؑ سے کہا کھود کے قبر
لو مبارک ہو سفر ختم ہوا گھر آیا

کششِ شوقِ شہادت نہ یہ دیکھی نہ سنی
تیر جس صف سے چلا جانب سرورؑ آیا

شہ بناتے ہیں لحد بیٹی کی کہتی ہیں بتولؑ
کھودنا قبر کا واری تمھیں کیونکر آیا

یاد بے شیر میں بانوؑ یہ بیاں کرتی تھی
چین آغوشِ لحد میں تمھیں کیونکر آیا

قبر میں حیدرِؑ صفدر نے قدم رنجہ کیا
جس کے در کا میں گدا تھا وہ مرے گھر آیا

شاہ کہتے تھے کسی نے ہمیں رخصت نہ کیا
بس گلے ملنے کو آیا بھی تو خنجر آیا

چشمِ امید ہے پانی کو ہر ایک ساغر سے
قافلہ تشنہ لبوں کا سوئے کوثر آیا

روئے جب تشنگیِ اصغرؑ ناداں پہ حسینؑ
اشک ٹپکے جو یہاں جوش میں کوثر آیا

پھر کے آؤ گے یہ اکبرؑ سے ہے صغراؑ کا بیاں
موت کہتی ہے جو وعدہ نہ برابر آیا

سب کہیں خدمتِ صاحب میں تعشق تجھ کو
مدح خوانِ پسرِ ساقیِ کوثر آیا

(6)

شہؑ کہتے تھے یارب یہ ہو انجام ہمارا
تلوار کے پانی سے بھرے جام ہمارا

کوٹھے پہ تہِ تیغ یہ فرماتے تھے مسلمؑ
اب نام ہے خورشید لب بام ہمارا

صغراؑ نے لکھا خط کہ اے گیسوؤں والو
کیا کیا دم الجھتا ہے سر شام ہمارا

پیری ہے غم شاہ میں جی کھول کے رو لے
اے چشم چھلکنے کو ہے اب جام ہمارا

آتی تھی اندھیرے میں صدا لاشۂ شہ سے
ہے روشنی بزم جہاں نام ہمارا

شہ کہتے تھے گردوں سے اگر آگ بھی برسے
لے سانس نہ ٹھنڈی دل ناکام ہمارا

فرماتے تھے شہ کام کیا مر گئے اکبرؑ
ہم لاش اٹھاتے ہیں یہ ہے کام ہمارا

خود ہم کو بنانا جو نہ آیا تو نہ آیا
تو نے تو بگڑنے نہ دیا کام ہمارا

ہے تشنہ لبوں سے کرم شہ کا اشارا
کم چشمۂ رحمت سے نہیں جام ہمارا

صغرا نے یہ اکبر سے کہا ساتھ ہیں بہنیں
بھولے سے بھی لوگے نہ کبھی نام ہمارا

فرماتے تھے شہ دل ہے خنک خشک زباں سے
دریا کی ترائی میں ہے کیا کام ہمارا

یہ کہتے چلے آتے ہیں کس شوق میں حضرت
دل کھینچتی ہے شمر کی صمصام ہمارا

شہ کہتے تھے پیدا ہو سحر باغ جناں کی
تربت کے اندھیرے میں جو ہے نام ہمارا

رونے سے نہ دل سیر ہو جب تک کہ ہیں آنکھیں
ہوں خشک جو دریا تو بھرے جام ہمارا

صغرا نے کہا باد صبا کہیو پدر سے
اک خط بھی نہ بھیجا یہ ہے پیغام ہمارا

شہ کہتے تھے کیوں در پئے اصغر ہوئے باغی
تھا پھول ابھی یہ ثمر خام ہمارا

بیمار نے شوق رخ و گیسو میں یہ لکھا
معمول ہے رونا سحر و شام ہمارا

کہتا تھا سر شہ کہ ملا تاج شفاعت
اللہ نے بخشا ہمیں انعام ہمارا

یہ چشم پُر آب اور یہ دل بزمِ عزا میں
مشکیزہ یہ اپنا ہے یہ ہے جام ہمارا

نا فہم سمجھتے نہیں شب کیوں ہوئی پیدا
منظور ہے اس کو فقط آرام ہمارا

صغرا نے کہا ساتھ لیے جاتے ہو بابا
ہم سے ہے زیادہ تمھیں آرام ہمارا

ہو حضرت صاحب کے غلاموں میں تعلق
قنبر کے برابر ہو رقم نام ہمارا

7

بعد عباس کب اک بندِ کمر ٹوٹ گیا
بازوئے پاک شہ جن و بشر ٹوٹ گیا

قتل شبیر سے ہیں احمدؐ و حیدرؑ مغموم
باغباں روتے ہیں ایسا گل تر ٹوٹ گیا

ہوگیا تیر سے ٹھنڈا در دندان حسینؑ
گر پڑا ٹوٹ کے تارا کہ گہر ٹوٹ گیا

میں تڑپ کر غم شبیر میں دم توڑوں گا
اشک کا تار جو اے دیدۂ تر ٹوٹ گیا

کس جگہ فاتح خیبر نے مدد کی میری
طرف باغ جناں قبر میں در ٹوٹ گیا

کوچۂ گیسوے طولانی شہ میں جو چلی
سو جگہ سے نفس باد سحر ٹوٹ گیا

دخترِ فاطمہؑ کے فرق سے کھینچی چادر ۔۔۔ کیوں نہ دستِ نجسِ بانیٔ شر ٹوٹ گیا
حر یہ کہتا تھا کشاکش میں پڑے گا اے دل ۔۔۔ رشتۂ الفت شبیرؑ اگر ٹوٹ گیا
تیر مارے دہن شہؑ پہ خطا کاروں نے ۔۔۔ تھا جو رشتہ میں نبیؐ کے وہ گہر ٹوٹ گیا
پھول مرجھا گئے گرمی میں جو پانی نہ ملا ۔۔۔ نخل امید شہِ تشنہ جگر ٹوٹ گیا
گر پڑے گنجِ شہیداں میں پہنچ کر شبیرؑ ۔۔۔ دل کے ٹکڑوں کو جو دیکھا تو جگر ٹوٹ گیا
بعدِ قتل شہِؑ دیں آلِ نبیؐ ہے برباد ۔۔۔ جس کے سایہ میں چمن تھا وہ شجر ٹوٹ گیا
آہ زینبؑ سے ہوا دل شہِؑ دیں کا ٹکڑے ۔۔۔ جنبشِ بادِ صبا سے گلِ تر ٹوٹ گیا

صبحِ عاشور گئی چرخ پر آوازِ فغاں
مثلِ غنچہ دل مرغانِ سحر ٹوٹ گیا

(8)

جوش دیکھے جو دیدۂ تر کا ۔۔۔ جی لگے ڈوبنے سمندر کا
بوجھ سر پر ہے خونِ سرورؑ کا ۔۔۔ اس لیے منہ ہے لال خنجر کا
یا علیؑ جس کو عرش کہتے ہیں ۔۔۔ ایک پایہ ہے تیرے منبر کا
رن سے اصغرؑ گئے بتولؑ کے پاس ۔۔۔ کس نے بتلا دیا پتا گھر کا
صبح سے عصر تک ہزار افسوس ۔۔۔ ہو گیا خاتمہ بہترؑ کا
سینۂ شہؑ میں زخم تیر و سناں ۔۔۔ داغ اکبرؑ کا وہ یہ اصغرؑ کا
خشکیٔ حلق شاہؑ کا ہے گواہ ۔۔۔ رک کے چلنا گلے پہ خنجر کا
پیارے بھائی کو دے سکی نہ بہن ۔۔۔ کفن افسوس اپنی چادر کا
ابر رحمت خدا کی رحمت سے ۔۔۔ ایک کونا ہے دامنِ تر کا
اونچے ہو ہو کے کہتے ہیں پیاسے ۔۔۔ وہ کنارا ہے حوضِ کوثر کا

ہے خبر کچھ بھی تاجداروں کو کیا ہوا حال کاسۂ سر کا
خشک دیکھے جو لعلِ لب شہؑ کے پانی پانی جگر ہو پتھر کا
درِ حیدرؑ کے سامنے ہے بہشت خوب ہے یہ مقام بستر کا
ہو تعجیل ظہورِ صاحبِ عصر
دین قائم رہے پیمبرؐ کا

(9)

وقت کوئی نہیں دن رات میں بیداری کا — خوب اے اہلِ عدم شغل ہے بیکاری کا
غل ہے سب فوج میں عابدؑ کی گرفتاری کا — چارہ سازوں پہ عجب وقت ہے ناچاری کا
بعد شہؑ اہلِ جہنم نے جلایا جس کو — ہے دھواں چرخ اسی خیمۂ زنگاری کا
کہتا تھا نیزوں کی نوکوں میں دل سرورؑ دیں — کیا زمانہ میں یہی طور ہے دلداری کا
کہتے تھے خون کی دھاروں کو یہ زینبؑ کے پسر — اپنے آگے یہی عہدہ ہے عملداری کا
دوہری ایذائیں تھیں عابدؑ کے لیے صد افسوس — قید کا تھا جو زمانہ وہی بیماری کا
صاف زنداں میں ہے ٹوٹے ہوئے دل کی صورت — غم یہ ہے آلِ پیمبرؐ کی گرفتاری کا
دل میں ہے سوزشِ داغ و الم و عشقِ حسینؑ — خوب اس گھر میں ہے سامان عزاداری کا
دل مسموم ہے خود اور کلس داغِ فریق — بعد شہؑ حال یہ ہے خیمۂ زنگاری کا
کربلا چھوڑ کے جنت میں ہے یہ مجھ کو قلق — اہلِ زنداں کو جو صدمہ ہو گرفتاری کا
لاکھ تو دے مگر آگے ترے اے ربِّ غنی — ایک سا حال رہے گا مری ناداری کا
چپ ہیں شہؑ مانگ رہی ہے جو سکینہؑ پانی — تلخۂ یاس نشاں دیتی ہے ناچاری کا
اس طرف کوچ پر آمادہ کھڑے ہیں شبیرؑ — حکم پہنچا ہے ادھر خلد کی تیاری کا
کہتی تھیں فاطمہؑ دل تو مرے بچے کا ہے ایک — حوصلہ سارے زمانے کو دل آزاری کا
نقدِ جاں دے کے گرے پڑتے ہیں انصارِ حسینؑ — شوق ہے جنسِ شہادت کی خریداری کا

دل کے اپنے غمِ سجادؑ میں ہے یہ حالت — رو دیے قافیہ باندھا جو گرفتاری کا
روئیں بھائی کو بھتیجوں کو جناب زینبؑ — کوئی پیارا نہ رہا فاطمہؑ کے پیاری کا
کہا زینبؑ نے علمدار ہوں عباسؑ مگر — عہدہ میرے علی اکبرؑ کو ہو سالاری کا

جان شیریں کو فدا کیجیو ہنگامِ ظہور
ہے تعشق جو مزا تجھ کو نمک خواری کا

(10)

ہے اندھیرا چشمِ تر میں وہ قمر جاتا رہا — گم ہوا ایسا پسر نورِ نظر جاتا رہا
آتشِ دوزخ جلائے گی مجھے کیونکر کہوں — میں نہ مانوں گا کہ اشکوں سے اثر جاتا رہا
شہؑ کی ڈیوڑھی رشکِ گلشن تھی سحر سے روزِ قتل — سب وہ ساماں صبح سے تا دوپہر جاتا رہا
گرمیِ نارِ جہنم کا کبھی آیا نہ خوف — دل سے کس دن اعتبارِ چشمِ تر جاتا رہا
مرگِ اکبرؑ سے ملی مٹی میں بانو کی مراد — اس طرح سے پھول کو توڑا ثمر جاتا رہا
لاش اٹھائیں کس طرح بھائی کے غم میں شاہِ دیں — بازوؤں کا زور بھی مثلِ کمر جاتا رہا
شاہؑ کہتے تھے کہ خط اصغرؑ کو لکھ سکتا نہیں — وقت فرصت ہاتھ سے اے نامہ بر جاتا رہا
شاہؑ کے پہلو ہیں خالی اکبرؑ و اصغرؑ کے بعد — دل تو پہلے جا چکا تھا اب جگر جاتا رہا
ایک اکبرؑ کے پتے دیتے تھے اتنے شاہِ دیں — لختِ دل لختِ جگر نورِ نظر جاتا رہا
تیری بیہوشی نے اے غافل تجھے لٹوا دیا — کھول آنکھیں دیکھ سب زادِ سفر جاتا رہا
نقشِ پائے شہؑ کے آگے بن گئے جامِ گدا — وہ تمہارا دور اے شمس و قمر جاتا رہا
لے لیا زیور لعینوں نے سکینہؑ ہیں یتیم — گوشوارے قطرۂ خوں ہیں گہر جاتا رہا
بیٹھ کے روتی تھیں جس کے سائے میں بنتِ رسول — آتشِ رشک ایسی بھڑکی وہ شجر جاتا رہا
کوئی سونے کو جو کہتا تھا تو کہتے تھے مریضؑ — سب مرا آرام ہمراہِ پدر جاتا رہا

شاہ کہتے تھے کہ مہمانوں سے پانی ہے عزیز — شیوۂ مہر و محبت اس قدر جاتا رہا
آبلے پڑ جائیں دل میں جو سنے تفصیل سے — اس طرح گوش سکینہ کا گہر جاتا رہا
زندگانی ایک جھونکا ہے ہوا کا غافلو — کیا بھروسا دم ادھر آیا اُدھر جاتا رہا

اے تعشق جب ہوا مہر امامت کا ظہور
دیکھنا ظلمت کا دنیا سے اثر جاتا رہا

11

کب اشک غم شاہِ خوش خو نہ نکلا — لہو ہو کے اے دل کبھی تو نہ نکلا
ہوا دل میں زینب کے بیٹوں کا صدمہ — مگر آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا
کفِ پائے اکبر سے تشبیہ دیتے — کوئی پھول اتنا بھی خوشبو نہ نکلا
سنی تھیں بہت حوضِ کوثر کی دھومیں — مری چشم سے بڑھ کے مملو نہ نکلا
عجب ضعف تھا شہ نے کیا کیا نہ کھینچا — مگر دل سے تیر سہ پہلو نہ نکلا
ہیں بعد شہ طرفہ عالم میں صغرا — بھریں سرد آہیں جو آنسو نہ نکلا
کٹیں کروٹیں لے کے فرقت کی راتیں — کوئی دل بہلنے کا پہلو نہ نکلا
دمِ قتل سرور تڑپتی تھیں زہرا — مگر سر کے نیچے سے زانو نہ نکلا
غم شہ میں ہم روئے پر کچھ نہ روئے — کلیجہ کھنچ آئے وہ آنسو نہ نکلا
پیمبر کے گیسو تھے اکبر کے گیسو — کسی شے میں فرق اک سر مو نہ نکلا
رہا طوق جو فاطمہ کے گلی میں — مہینوں رسن سے وہ بازو نہ نکلا
یہ راتوں کو کہتی تھی ماں بعد اکبر — کچھ ارمان اے میرے مہرو نہ نکلا
نکلتا ہے ہوکر نہاں ماہ تاباں — میرے چاند چھپ کر مگر تو نہ نکلا
لحد میں کسی دن تو کروٹ بدلتے — مگر حشر تک کوئی پہلو نہ نکلا
چھدا جب گلا مسکراتے تھے اصغر — بس ایسا تو اس سن میں خوش خو نہ نکلا

وہ نور آفتابِ رخِ شہ نے بخشا مہ نو کبھی پیش ابرو نہ نکلا
کہا شہ نے پہلو میں ہے زیرِ خنجر کوئی درد سے بڑھ کے دل جو نہ نکلا
سمندر کو جب چشم پرنم سے دیکھا نظر میں حباب لب جو نہ نکلا
شہ دیں کو غیض اس طرح کا کب آیا کہ جس سے ترحم کا پہلو نہ نکلا
غیور ایسے زینبؑ کے بیٹے تھے دونوں کوئی شیر ہو کر لب جو نہ نکلا
دل آزار تولا کیے صبر شہ کو کوئی تیر ہو کر ترازو نہ نکلا
پس مرگ پہلو پہ تھا دستِ زہراؑ کہ نکلا دم اور درد پہلو نہ نکلا
تعشق ظہور امام زماں کا
میرے سر سے سودا سرِ مو نہ نکلا

(12)

لحد میں داغِ شہ نامدار لیتا جا یہ روشنی پئے شبہائے تار لیتا جا
اگر نہیں ہے ترے پاس اور کچھ تو نہ ہو امید رحمتِ پروردگار لیتا جا
جو گذرے سینۂ سرورؑ سے تیر خالی ہاتھ کہے تڑپ کے دلِ بیقرار لیتا جا
یہ میری صاحب دلدل سے ہے صراط پہ عرض مجھے بھی ساتھ میرے شہسوار لیتا جا
پکاری در سے یہ صغراؑ کہ بھائی ناقہ سوار خط حسینؑ غریب الدیار لیتا جا
صدا یہ آتی تھی شبیرؑ تو ہے مالکِ حشر اٹھا کے جبر یہ جبر اختیار لیتا جا
سوال سر جو کرے ہاتھ اٹھا کے پھر خنجر کہے عطائے شہ نامدار لیتا جا
حسینؑ کہتے تھے اکبرؑ وہ تھا یہ ہے اصغرؑ امانتیں مری پروردگار لیتا جا
کٹے گی سہل سے باتوں میں راہ ملکِ عدم زباں سے نامِ شہ ذوالفقار لیتا جا
بکیں گے نفع سے بازار حشر میں آنسو ملیں تو یہ گہر آبدار لیتا جا
یہ دی زمین نجف نے صدا جو کور آیا ابوترابؑ کے در کا غبار لیتا جا

غم حسینؑ سے جاتی رہے گی وحشتِ قبر — یہی شفیق میانِ مزار لیتا جا
صدا یہ آتی تھی بڑھ بڑھ کے شہ جو کھاتے تھے زخم — ٹھہر ٹھہر کے دم اے دلفگار لیتا جا
علیؑ کے در سے نہ جاتا تھا کوئی خالی ہاتھ — صدا یہ آرہی تھی بار بار لیتا جا
حسینؑ کہتے تھے لشکر سے دے فرات کی راہ — نہیں تو آب دمِ ذوالفقار لیتا جا
کہا یہ ماں نے ہے دل تجھ سے باغ باغ اصغرؑ — نہ اس بہار کو اے گلعذار لیتا جا
عجیب پھول ہیں داغِ محبتِ شبیرؑ — یہ تحفۂ چمنِ روزگار لیتا جا
عدم سے دہر میں بھیجا مجھے کہ جا محتاج — بس ایک زندگی مستعار لیتا جا
صدا یہ آتی تھی حر کو قصور و حور و بہشت — لٹا رہے ہیں شہؑ نامدار لیتا جا

جگر پہ غیبت صاحب کا ہو تعشق داغ
یہ گل یہاں سے پئے اعتبار لیتا جا

(13)

صغیر کو جو ہوس تھی وہ رو برو آیا — کہ آبِ تیر جفا کھینچ کے تا گلو آیا
شہید کا دلِ مجروح کو ملا رتبہ — غم حسینؑ میں آنکھوں سے جب لہو آیا
کوئی ہوا ہے نہ ہوگا خدا پرست ایسا — کہ شام تک سر شبیرؑ قبلہ رو آیا
بچا وہ نار جہنم سے شہ کو جو رویا — کہاں یہ اشک پئے حفظِ آبرو آیا
ہوئے جو مرہم زخمِ حسینؑ اشکِ عزا — تو بڑھ کے رشتۂ الفت پئے رفو آیا
عجیب شاہ رسالت نے کی وزیر کی قدر — زباں پہ ذکر علیؑ کا نہ بے وضو آیا
پڑھی نماز تیمم سے تین دن شہ نے — نہ تھا فرات میں پانی پئے وضو آیا
معاف کیجیو یہ امر اضطرابی ہے — جو تیرے ہاتھ کو سمجھوں لحد میں تو آیا
رسول چومتے تھے جس کو صورت مصحف — غضب ہوا تہ خنجر وہی گلو آیا
کہا یہ شہ نے تہِ تیغ جھک کے سجدے میں — مرے کریم دمِ حفظ آبرو آیا

ٹپک رہی ہے عبارت سے حسرت صغراؔ | یہ شہ کو خط نہیں طومارِ آرزو آیا
ہوا گناہوں سے میرا جو دامن آلودہ | تو اشکِ ماتمِ شہ بہر شست و شو آیا
عجیب شوق میں شہ آئے تیغِ قاتل تک | نہ اس طرح کوئی پیاسا کنارِ جو آیا
لگا کے خون پر و بال میں گیا طائر | وطن میں شاہ نہ آئے مگر لہو آیا

جدھر کو جائے تعشق ظہور میں غل ہو
کہ لو غلامِ شہنشاہ نیک خو آیا

(14)

جو اٹھا غلغلۂ حشر سے مضطر اٹھا | پر نہ میرا درِ شبیرؑ سے بستر اٹھا
درِ شبیرؑ سے میں آنسوؤں میں تر اٹھا | خلد میں جانے کو اٹھا بھی تو کیونکر اٹھا
جان دینے کی رضا لے کے جو دلبر اٹھا | درد بانوؑ کے کلیجے میں برابر اٹھا
عمر میں تھے علی اکبرؑ سے بہت کم اصغرؑ | بوجھ دونوں سے شہادت کا برابر اٹھا
شاہ کہتے تھے ترا داغِ جوانی اکبرؑ | کچھ خبر ہے پدرِ پیر سے کیونکر اٹھا
اور تو سب گئے اس بزم سے ہو کر سیراب | ایک پیاسا پسرِ ساقیٔ کوثر اٹھا
داغ بھائی کا اٹھایا شہ دیں نے بے شک | پر کمر جھک گئی اٹھا بھی تو کیونکر اٹھا
کی عجب حال میں تعظیم رسولؐ عربی | سرو قد سرورِ دیں کا تنِ بے سر اٹھا
حر کو شبیرؑ نے دی دولت دین و دنیا | درِ سرور سے گدا ہو کے تونگر اٹھا
تھیں جہاں قید وہیں قبر سکینہؑ کی بنی | مر کے بھی خانۂ زنداں سے نہ بستر اٹھا
پیاس کا خاطرِ سرورؑ میں ابھرا تھا یہ بخار | جب پڑا تیر دھواں دل سے برابر اٹھا
دھوپ میں شاہ کو نیند آ گئی آنکھیں ہوئیں بند | کچھ عجب لطف تہِ سایۂ خنجر اٹھا
ایک نے شمر سے اتنا بھی نہ پوچھا افسوس | ہاتھ فرزندِ یداللہ پہ کیونکر اٹھا
کہا صغراؔ نے اکبرؑ کو ہمیں چھوڑ گئے | کس طرح آپ سے یہ رنجِ برادر اٹھا

دل ہٹا دہر سے پیاسوں کا چلے کوثر کو — کشتیِ عمر رواں ہوئی لنگر اٹھا
کی غمِ شاہ میں جعفر نے کبھی بیٹھ کے آہ — اور اٹھا تو کلیجے کو پکڑ کر اٹھا
عمر بھر ماتمِ شبیرؑ میں روئیں زینبؑ — منہ سے دم بھر نہ کبھی گوشۂ چادر اٹھا
تین دن تک رہے کس عمر میں پیاسے اصغرؑ — ایک دن ہاتھ سے خالی بھی نہ ساغر اٹھا

تا عدم جبکہ گیا شور و [illegible] حضرت
پہلے مرقد سے تعشق میں تڑپ [illegible] اٹھا

(15)

شمسۂ روضۂ سرورؑ جو قضارا چمکا — غل ہے زوار کے طالع کا ستارا چمکا
علمِ شاہ جو میداں میں قضارا چمکا — مہر بولا مرے طالع کا ستارا چمکا
قبر میں داغِ غمِ شہؑ جو قضارا چمکا — غل ہوا زیرِ زمیں عرش کا تارا چمکا
جب ترائی میں علمدار ہوے جلوہ فگن — نہر کا برق کے مانند کنارا چمکا
نزع میں آئے تھے اب قبر میں آئے ہیں علیؑ — لو مرا کوکبِ اقبال دوبارہ چمکا
کیا جہنم کی ہے قدر اشکِ عزا کے آگے — کب ستارہ کے مقابل میں شرارہ چمکا
کچھ نقابِ رخِ اکبرؑ جو ہوا سے سرکی — چاند کا ابر کے پردے سے کنارا چمکا
مر کے آئے جو پسر لاشوں سے زینبؑ نے کہا — نام روشن ہوئے اقبال تمھارا چمکا
شاہ کہتے تھے غم اپنا ہے چراغِ عالم — داغ ہر سینے میں ہر دل میں ہمارا چمکا
فاطمہؑ لیتی تھیں بیٹے کی بلائیں دمِ ذبح — حُسن کیا کیا تہِ تیغِ ستم آرا چمکا
ہاتھ قبضہ پہ دھرا شاہ نے بے دم ہوئی فوج — شام کو صبحِ قیامت کا ستارا چمکا
شمر سے کہتی تھی فضہ یہ ہیں نازوں کے پلے — تو یتیموں پہ نہ تیغ اے ستم آرا چمکا
حالِ قتلِ شہِ دیں شامیوں سے چھپ نہ سکا — کس قیامت کے اندھیرے میں یہ تارا چمکا

اے فلک جلد تعشق کو دکھا روزِ ظہور
تیرہ بختوں کے نصیبوں کے خدارا چمکا

16

حیف ہے روضۂ سلطانِ زمن چھوٹ گیا
خلد اک پھول ہے جس کا وہ چمن چھوٹ گیا

شاہ کرتے ہیں سفر بیاہ کے قابل ہے پسر
گھر کے بسنے کے دن آئے تو وطن چھوٹ گیا

کچھ رہا ہو کے مکدر ہیں زیادہ عابدؑ
غم یہ تازہ ہے کہ زندان کہیں چھوٹ گیا

لو میں شبیر چلے جاتے ہیں کہتی ہیں بتولؑ
گرمیوں میں مرے بچے سے وطن چھوٹ گیا

سر کے ہمراہ گئے شام کی جانب سجادؑ
تنِ شہؑ دشت میں بے دفن و کفن چھوٹ گیا

رہ گئے قید میں بھر کر نفس سرد حرم
جب سنا کوئی گرفتارِ رسن چھوٹ گیا

دی شہِؑ دیں نے یہ زینبؑ کو صدا شکر کرو
آج میں رنج و مصیبت سے بہن چھوٹ گیا

شہؑ لہو روتے ہیں بھائی کے نشانے کے لیے
دل ہے ٹکڑے کہ جگر بند حسنؑ چھوٹ گیا

شہؑ کو آتی تھی صدا چشمۂ کوثر ہے قریب
تجھ سے دریا اگر اے تشنہ دہن چھوٹ گیا

باغ عالم میں نیا پھول زمیں پر جو کھلا
کب ترے ہاتھ سے اے چرخ کہن چھوٹ گیا

شام سے آکے تنِ شہؑ سے کہا عابدؑ نے
صبر کا مجھ سے کہیں پر بھی چلن چھوٹ گیا

لختِ دل جانتے تھے ہر گل تر کو شبیرؑ
جس میں تھی بوئے محبت وہ چمن چھوٹ گیا

کہتی تھی ماں نہ بڑھا دودھ تمہارا اصغرؑ
پانی اس عمر میں اے غنچہ دہن چھوٹ گیا

کہا زینبؑ نے یہ بیبیوں سے کہ بڑھ کر گرنا
منہ نہ دیکھوں گی جو تم سے یہ چلن چھوٹ گیا

یادِ اصغرؑ میں کہا کرتی تھی صغراؑ رو کر
گھٹنیوں چلنے نہ پائے کہ وطن چھوٹ گیا

کچھ بھی حاصل نہ ہوا شہؑ کو بجز دانۂ اشک
تھا جو برسوں کی ریاضت وہ چمن چھوٹ گیا

سامرہ سے ہے نکل کر یہ تعشق افسوس
زندگی میں درِ سلطانِ زمن چھوٹ گیا

(17)

تر پسینہ سے پیمبرؐ کا جو گلرو ہوگیا
جب چلا جھونکا ہوا کا دشت خوشبو ہوگیا

گریہ مقبول دل شبیر خوشخو ہوگیا
عرش کا تارا مرا ہر ایک آنسو ہوگیا

دین کا رکن رکیں یا مرتضیؑ تو ہوگیا
زمزم و کعبہ فدائے چشم و ابرو ہوگیا

کٹ چکا جب سر تو بولا جسم سرور شکر ہے
آج قصہ بخشش امت کا یک سو ہوگیا

کہتی تھی بانو کہ میری گود خالی ہوگئی
تم سے اصغر قبر کا آباد پہلو ہوگیا

خط میں صغرا نے یہ لکھا شہ کو حالِ دل جگر
بن گیا یہ خون کا قطرہ وہ آنسو ہوگیا

گھر میں لائیں لاشۂ عباسؑ کیونکر شاہ دیں
ہاتھ اٹھ سکتا نہیں کمزور بازو ہوگیا

ایک کروٹ فرقتِ شہ میں نہیں چین ایک دم
پہلوئے بیمار میں دل دردِ پہلو ہوگیا

شاہ کے حلق بریدہ سے یہ آتی تھی صدا
خوب چرچا پیاس کا دو دن لب جو ہوگیا

چھٹ گئے غمخوار شہ صحبت ہے خونخواروں سے گرم
قلب کا پہلو نشیں تیر پہلو ہوگیا

سر جو نیزے پر چڑھا شہ کا ہوا رتبہ بلند
اوج میں رشک شب معراج گیسو ہوگیا

جب سے حضرت چھٹ گئے صغرا کبھی ہنستی نہیں
کل دلِ خوش نام تھا جس کا وہ آنسو ہوگیا

یا علیؑ کونین سے دونا ہے تیرا مرتبہ
تو خدا کا ہاتھ پیغمبرؐ کا بازو ہوگیا

شاہ تھے سجدے میں زیرِ تیغ آتی تھی صدا
افتخارِ خاندان مصطفےٰ تو ہوگیا

رو دیے سجادؑ بعد شہ پیا جب آب سرد
حلق سے پانی ادھر اترا کہ آنسو ہوگیا

کہتی تھی بانو مرا اکبر اندھیرے کا ہے چاند
پرتوِ رخ سے شب مہتاب گیسو ہوگیا

سروز عادل کی جانب فوج سے آیا جو تیر
تولنے کو صبر کے جوہر ترازو ہوگیا

کھینچ لی شہ نے سناں جب آگیا اکبرؑ کو چین
دل نکل آیا علاج درد پہلو ہوگیا

اے تعشق غیبت صاحب میں ہے یہ جوش اشک
آتش دوزخ کو سیلاب ایک آنسو ہوگیا

18

میں نہیں مشتاق جو رضواں لگا لے جائیگا
کربلا سے جانب فردوس کیا لے جائیگا

بوترابی جو ہے وہ ساتھ اور کیا لے جائیگا
ہاں مگر تھوڑی بہت خاکِ شفا لے جائیگا

شاہ فرماتے تھے بستی ہو کہ صحرا غم نہیں
جاؤں گا میں جس طرف میرا خدا لے جائیگا

لاکھ عصیاں سدِ راہِ کربلا ہوتے رہیں
مجھ کو دریا اس کی رحمت کا بہا لے جائیگا

جب ہوئے پیدا علی اکبرؑ تو کہتی تھی قضا
سارے گھر کی روشنی یہ مہ لقا لے جائیگا

کہتی تھی بانوؑ خبر کس کو تھی اے پیک قضا
آ کے تو جھولے سے اصغرؑ کو اٹھا لے جائیگا

شہؑ نے اعدا سے کہا مہمان ہوں کیا مجھ کو عذر
نہر سے یہ بے وطن خیمہ اٹھا لے جائیگا

کربلا سے میں نہیں جاتا سوئے باغِ جناں
کیا زبردستی مجھے رضواں اٹھا لے جائیگا

شاہؑ کہتے تھے کہ ہوئی ہے قیامت وقتِ ذبح
سامنے سے کون زینبؑ کو ہٹا لے جائیگا

قید میں کہتے تھے عابدؑ اب کوئی لوٹے گا کیا
طوق لے جائے گا یا زنجیر پا لے جائیگا

تھا یہ حضرت کا بیاں مقتل سے مدفن ہے قریب
دو قدم کوئی تو لاشے کو اٹھا لے جائیگا

شاہؑ کہتے تھے نظر میں ہے جو ہوگا بعد قتل
کوئی عمامہ کوئی ظالم عبا لے جائیگا

کوئی تن کا پیرہن کوئی ردائے فاطمہؑ
کوئی محبوب الٰہی کی قبا لے جائیگا

اے جہنم آگ کو بڑھنے نہ دے میری طرف
تجھ کو اشک ماتم سرورؑ بہا لے جائیگا

ایک تجھ سا دینے والا دونوں عالم میں نہیں
اور کس کے پاس حاجت یہ گدا لے جائے گا

شہؑ نے زینبؑ سے کہا بے رحم ہے ظالم یہ شمر
سر مرا اور آپ کے سر کی ردا لے جائیگا

خط کتابت کی سلیماں سے ہوئی جو رسم و راہ
نامہ حیدرؑ کے فقیروں کا ہما لے جائیگا

خود سلیماں بہر آرام گدایانِ نجف
بھر کے تکیوں میں پر و بال ہما لے جائیگا

شاہؑ کہتے تھے غنی ہے کچھ اسے پروا نہیں
نذر کو محتاج سر پیشِ خدا لے جائیگا

اے تعشق ناز ہوگا اپنے طالع پر مجھے
جب حضورِ قائم آلِ عبا لے جائیگا

(19)

نوجواں بیٹا اگر مرنے کی رخصت مانگتا
صبر کی شہ سے دل ایوبؑ طاقت مانگتا

اے غنی تیرے خزانے میں ہے کس شے کی کمی
تو دیے جاتا اگر میں تا قیامت مانگتا

کہیں ایسا ظرف اسماعیل کا تھا یا حسینؑ
تین دن کی پیاس میں جام شہادت مانگتا

کس میں یہ ہمت یہ کس کا مرتبہ تھا جز حسینؑ
دے کے سر اللہ سے تاجِ شفاعت مانگتا

صاف یہ شہؑ کے تنِ بے سر سے آتی تھی صدا
کیوں نہ میں دیتا وہ جب اپنی امانت مانگتا

تھی صدائے شہؑ بہن تم کو نہ دیکھا وقتِ ذبح
کون تھا جس سے میں دم لینے کی مہلت مانگتا

تھی فقط شبیرؑ کو اتمامِ حجت سے غرض
ورنہ پانی پیاس میں وہ ابرِ رحمت مانگتا

خون میں بھرنے کی سب لیتے تھے حضرت سے رضا
سرفرازی کا نہ کیوں ہر ایک خلعت مانگتا

دی تمام اولاد حضرت نے خدا کی راہ میں
ورنہ جو ہوتا وہ خالق سے یہ دولت مانگتا

تو غضب ہوتا نہ ہوتی پر تری رحمت سے یاس
میں جہنم میں بھی تجھ سے باغ جنت مانگتا

دولتِ اولاد کھوتا ہاتھ سے کون اس طرح
صابروں سے بڑھ کے شہ کا صبر بیعت مانگتا

عاشق شبیرؑ ہوں جب تک دیے جاتا خدا
اشک ماتم سوزش دل باغ حسرت مانگتا

کثرت تیر و سناں ہوتی جو اس سے بھی زیاد
اپنے خالق سے دل شہ اور وسعت مانگتا

شہؑ کو کچھ منظور تھے محبوب سے قول و قرار
ورنہ مشتاق وصال اک شب کی مہلت مانگتا

جو وطن میں عیش ممکن ہیں وہ غربت میں کہاں
کربلا کو چھوڑ کے میں باغ جنت مانگتا

گلشن جنت میں بھی رکھتا اگر مجھ کو خدا
کربلا کی روز سو سو بار رخصت مانگتا

کام عاشق کا کیا یارب ترے محبوب نے
کیوں نہ وہ تجھ سے دو عالم کی حکومت مانگتا

تحتِ قبہ کربلا میں اے کریم کارساز
جب میں تجھ سے مانگتا شوقِ زیارت مانگتا

کفش دار حضرت صاحب تعشق کا ہے نام
آج ہوتا تو سلیماں بھی یہ دولت مانگتا

20

کہتے تھے حلق پر خنجر رواں ہوجائیگا
سامنے محبوب کے آج امتحاں ہوجائیگا

کہتے تھے احمدؐ کہ امت کو بچائیگا حسین
اس چمن کا یہ گل تر باغباں ہوجائیگا

شاہ کہتے تھے کمر توڑی غم عباس نے
جو کوئی یہ تیر کھائیگا کماں ہوجائیگا

مجھ دل افسردہ کو رضواں کربلا سے لے نجا
ایک دم میں گلشن جنت خزاں ہوجائیگا

بعد شہ سب خلق کے آنسو بہیں گے حشر تک
منتشر خیموں کے جلنے کا دھواں ہوجائے گا

فخر کیا دو دن اگر ہے صاحب مہر وخطاب
چار دن کے بعد بے نام ونشاں ہوجائیگا

کہتے تھے اعدا سے شہ دعوت کی مدت ہے تمام
آج رخصت عصر تک یہ میہماں ہوجائیگا

دیکھ کر اکبر کو حسرت سے کہا کرتے تھے شاہ
میری پیری کا سبب یہ نوجواں ہوجائے گا

ڈوبنے دے گا نہ ہرگز دامن پاک علی
عاصیوں کی کشتیوں کا بادباں ہوجائیگا

جب سے اصغر چھٹ گئے چپ ہوگئے ہیں شاہ دیں
کیا خبر تھی یوں فراق بے زباں ہوجائیگا

غازیوں کو شام سے تھی آرزوئے صبح قتل
عید قرباں کی سحر وقت اذاں ہوجائیگا

روضۂ شہ کی بلندی کو نہ پہنچے گا کبھی
اور بھی اونچا اگر کچھ آسماں ہوجائیگا

صفدروں کو پیاس لے جائیگی کوثر کی طرف
تشنہ کامی کا لقب آب رواں ہوجائیگا

فکر تھی شہ کو ابھی لاشے اٹھانے ہیں بہت
بعد اکبر اور بھی دل ناتواں ہوجائیگا

شاہ فرماتے تھے کوئی حال دل سنتا نہیں
خیر سب جنت میں نانا سے بیاں ہوجائیگا

کربلا سے چھوٹ کر فردوس میں ہوگا تباہ
طائر جاں طائر بے آشیاں ہوجائیگا

میں جو روؤں گا ذرا جنت میں بہر کربلا
ہوگی فرحت روح کو دل شادماں ہوجائیگا

گرمی عاشور کہتی تھی زبان حال سے
جلتے جلتے دھوپ میں پانی دھواں ہوجائیگا

کہتے تھے شہ تا قیامت کربلا ہے اور میں
صاحب خانہ سے بڑھ کر میہماں ہوجائیگا

اے تعشق معرکہ کا روز ہے روز ظہور
ہم غلاموں کا اسی دن امتحاں ہوجائیگا

21

ذرّے سے حُر کو شہ نے ابو ذر بنادیا ‏ وہ مہر کی کہ مہر منور بنادیا

صدمے نے دن کو شب کے برابر بنادیا ‏ پردا یہ بہر آل پیمبرؐ بنادیا

تم سے خلیل کام جو بگڑا عظیم تھا ‏ دیکھو حسین نے اسے کیونکر بنادیا

کی دم میں عاصیوں کی شفاعت حسین نے ‏ بگڑوں گی بات کو تہِ خنجر بنادیا

موسیٰ سے کی وہ تو نے جو ماں باپ سے نہ ہو ‏ فرعون سے بچا کے پیمبرؐ بنا دیا

حیدر نے بے ادب کو لحد میں کیا دونیم ‏ دو انگلیوں کو تیغ دو پیکر بنادیا

پیدا کیا حرم میں تجھے حق نے یا علی ‏ اللہ اپنے گھر کو ترا گھر بنا دیا

کالی ردائیں پاس نہ تھیں منہ چھپانے کو ‏ بالوں کو سوگواروں نے چادر بنادیا

سایہ نہیں حسین کی تربت پہ اے فلک ‏ ایسا غریب و بیکس و بے پر بنا دیا

کہتے تھے شاہِ امت جد پر فدا ہوئے ‏ تم نے بڑوں کی بات کو اصغر بنا دیا

کہتے تھے شاہ تر ہے زباں تیرے شکر سے ‏ اک تشنہ لب کو مالک کوثر بنا دیا

کہتے تھے شاہ دے کے غم اپنے شباب کا ‏ بابا کو پیر اے علی اکبر بنا دیا

آنکھیں جو تر ہوئیں غمِ شہ میں بہشت کی ‏ نہر لبن اُسے اسے کوثر بنا دیا

محکم تھی فرد میرے گناہوں کی کس قدر ‏ تو نے ثواب کا اسے دفتر بنا دیا

حیدر نے ڈوبنے نہ دیا دین کا جہاز ‏ آبِ دمِ حسام کو لنگر بنا دیا

آزاد مرتضیٰ نے کیا مجھ کو نار سے ‏ یعنی غلام حضرت قنبر بنا دیا

روشن ہوا علی سے نبوت کا مرتبہ ‏ ہو کر امام کار پیمبرؐ بنا دیا

بولے لٹا کے دولتِ اولادِ شاہِ دیں ‏ تو نے گدا کے دل کو تونگر بنا دیا

بولا یہ لے کے تاجِ شفاعت سرِ حسین ‏ بے سر کو تو نے صاحبِ افسر بنا دیا

چھینٹیں اڑیں جو شاہ کے زخموں سے خون کی ‏ فرشِ زمین کو پھولوں کی چادر بنا دیا

کٹوا کے حلق کشتیِ دیں شہ نے روک لی ‏ اک اک لہو کی بوند کو لنگر بنا دیا

کیوں اور امتوں کی طرح حشر سے ڈروں | میرے نبیؐ کو شافع محشر بنا دیا
پتلا بنا کے خاک سے آدم کیا اسے | اس پر یہ مہر کی کہ پیمبرؑ بنا دیا
شبیرؑ سے تمام زمانہ بگڑ گیا | پر کچھ ہو امرِ دین پیمبرؑ بنا دیا
لایا پسر کو عبد کو بھائی کو حر ادھر | گمراہ کو حسینؑ نے رہبر بنا دیا
بازو تو پہلے ٹوٹ چکے تھے حسینؑ کے | کیونکر نشان تربتِ اصغرؑ بنا دیا

زینبؑ پکاریں گر کے برادر کی لاش پر
تم نے بہن کو بے کس و مضطر بنا دیا

(22)

کہتے تھے سرورِ دیں کام نکل جائیگا | آج خنجر جو گلے پر مرے چل جائیگا
بولے شہؑ کوئی جراحت میں اکیلا ہے دل | آمد و رفت سے تیروں کے بہل جائیگا
کہا زینبؑ نے اگر شمعِ امامت ہوئی گل | آتشِ غم سے کلیجہ مرا جل جائیگا
شاہؑ کہتے تھے نہ گرمی رہے گی نہ یہ پیاس | دن کے ڈھلنے کی بھی جلدی نہیں ڈھل جائیگا
لوگ روتے ہیں یہ چرچا ہے گلی کوچوں میں | شہر سے جان و دلِ فاطمہؑ کل جائیگا
شاہؑ بولے تہِ خنجر وہ مزا ہے مالک | یاد آئیگا جو یہ وقت نکل جائیگا
خون سے دیکھ کے گلنار قبائے شہِ دیں | رنگ پیراہنِ یوسف کا بدل جائیگا
کہا ماں نے ہے مری گود سے اصغرؑ مانوس | قبر میں آنکھ کھلے گی تو مچل جائیگا
ہے کشیدہ کہ ہوئے قتل شہؑ گوشہ نشین | تیغ ابروئے مہ نو سے نہ بل جائیگا
شور تھا آمدِ شہؑ میں یہ تلاطم ہوگا | رنگ ہر پھول کا آپس میں بدل جائیگا
آہ کرتا ہوں مہ فاطمہؑ یاد آتا ہے | جلد اے مہر سرک جا نہیں جل جائیگا
ماں سے صغراؑ نے کہا میں نہیں یاد آنے کی | آپ کا دل علی اصغرؑ سے بہل جائیگا
اس لیے ہے رخ بے شیر پہ دامانِ حسینؑ | نہر کو دیکھ جو لے گا تو مچل جائیگا

کہتی تھی فاطمہ صغراؑ نظر آتے ہی خیام
دستِ قاصد سے خطِ شوق نکل جائیگا

قبر اصغرؑ پہ نہ جاؤں گی کہا بانو نے
مری آغوش میں آنے کو مچل جائیگا

شاہؑ فرماتے تھے ہے روزۂ آخر اپنا
کیا خوشی ہوگی جو دن آج کا ڈھل جائیگا

شاہؑ بولے نہ اُترنے دیں لب نہر عدو
حوض کوثر تو نہ قبضہ سے نکل جائیگا

شہؑ سے اکبرؑ نے کہا آپ نہ گھبرائیں حضور
دل مجروح تڑپتا ہے سنبھل جائیگا

شدتِ تپ دلِ صغراؑ کو خبر دیتی ہے
خیمۂ سبطِ نبیؐ آگ سے جل جائیگا

مہر مشتاق ہے انہیں شہؑ دیں رخ سے نقاب
جلوۂ حسن یہ کہتا ہے کہ جل جائیگا

دل بھی ہو جائیگا ہمراہ یہ کہتے تھے حسینؑ
تیر جو توڑ کے سینہ کو نکل جائیگا

اے تعشق جو خداوندِ جہاں نے چاہا
تن سے دم الفتِ صاحب میں نکل جائیگا

23

روضۂ احمدؐ سے زہراؑ کا دل و جاں چھٹ گیا
طرفہ گردش ہے فلک سے ماہِ تاباں چھٹ گیا

کہتی تھی ماں خوب اے اصغرؑ تری منت بڑھی
دودھ کیا چھوٹا کہ تو مجھ سے مری جاں چھٹ گیا

میں شہادت نامہ ہوں کہتی ہے گردوں پہ شفق
نیزہ و خنجر سے گو خونِ شہیداں چھٹ گیا

کہتے تھے عابدؑ پدر کا سایۂ دامن ہے دور
موت کے پنجے سے کیوں میرا گریباں چھٹ گیا

بھائی کو روکے کھڑی تھیں سن کے باجوں کی صدا
دستِ زینبؑ اس قدر کانپا کہ داماں چھٹ گیا

کربلا سے خلد میں جا کر ہوں ایسا بے حواس
مثلِ آدمؑ کہہ رہا ہوں باغِ رضواں چھٹ گیا

لڑیو بڑھ بڑھ کے یہ تھا بیٹوں سے زینبؑ کا بیاں
خاک میں مل جائیگی عزت جو میداں چھٹ گیا

آج گھر چھٹتا ہے فرماتے تھے شہؑ احباب سے
ایک دن سن لیجیو ربطِ تن و جاں چھٹ گیا

رونے کی صحبت پریشاں ہوگئی عابدؑ کے بعد
ہاتھ دامن سے چھٹا آنکھوں سے داماں چھٹ گیا

کہتی تھی بانو سکینہؑ کیا تری تقدیر تھی
قبر اندھیری مل گئی تاریک زنداں چھٹ گیا

جاں نثاروں کے لیے رو کر یہ کہتے تھے حسینؑ | جس میں تھی بوئے محبت وہ گلستاں چھٹ گیا
خوب گوشہ تھا پئے سجادؑ رونے کے لیے | ایک اس کا بھی ہوا صدمہ کہ زنداں چھٹ گیا

دیکھ کر خالی جلو خانہ یہ کہتے تھے حسینؑ
روئیں کس کس گل کو ہم سارا گلستاں چھٹ گیا

24

میانِ قبر علیؑ سا فلک جناب آیا | ہوا میں خاک سے پاک اب کہ آفتاب آیا
دمِ سوال نہ کچھ بھی مجھے جواب آیا | کفن سے منہ نہ کھلا اس قدر حجاب آیا
یہ جاگنا ہے جو مجھ کو لحد میں خواب آیا | کہ مشتِ خاک کے گھر میں ابو ترابؑ آیا
ہٹی زمین مرے سمت بڑھ کے بہرِ فشار | جو غل ہوا کہ غلامِ ابوتراب آیا
جھکائیں مجلسِ حاکم میں گردنیں سب نے | جو طوق پہنے ہوئے مالکِ الرقاب آیا
بہارِ عمر مبارک ہوئی نہ اکبرؑ کو | کہ خود چلے گئے دنیا سے جب شباب آیا
کھلی جب آنکھ تو دیکھا یہ حالِ عمرِ رواں | سحر کو پیر ہوئے شام کو شباب آیا
گئے جہان سے ناشاد و نامراد اکبرؑ | جو دیکھیے تو فقط نام کو شباب آیا
رسولؐ حق ہیں محمدؐ علیؑ ولی اللہ | انھیں عطا ہوئی مہر اور انھیں خطاب آیا
میانِ آب اثر کر گئی حسینؑ کی پیاس | لیے ہوئے دل پر آبلہ حباب آیا
چلے خدنگ جو مانگا حسینؑ نے پانی | کیا سوال تو کیا اور کیا جواب آیا
حسینؑ کا رُخِ پر نور ہے مرا قرآں | خدا کے فضل سے میں صاحبِ کتاب آیا
زبانِ حال سے کہتی ہے شاہؑ کی پیری | گئی جوانیِ اکبرؑ مرا شباب آیا
چلے حسینؑ تو پہنچانے کو غمِ احباب | وطن سے ماریہ تک ہمرہِ رکاب آیا
گیا تھا خدمتِ شبیرؑ میں تو حر ناکام | مگر ادھر سے جو آیا تو کامیاب آیا
نہ سوئے شوق میں شب بھر نہ صبح سے تا عصر | گلے سے تیغ جو لپٹی تو شہ کو خواب آیا

یہ کیا نبیؐ نے ادھر یا علیؑ کیا جو سوال ادھر سے آپ کی آواز میں جواب آیا
یہ راہ کثرتِ صبرِ حسینؑ سے تھی بند ذرا نہ آپ کے نزدیک اضطراب آیا
گئے جہاں سے اٹھارہویں برس اکبرؑ اجل کو ساتھ لیے موسمِ شباب آیا
دیارِ شام میں کنبہ رسولؐ کا افسوس غضب ہے صورتِ مہتاب بے نقاب آیا
جو قتلِ شاہ سے دنیا نہیں ہوئی اندھیر تو کیوں چراغ لیے دن کو آفتاب آیا
یہ کہہ رہا تھا سناں پر سرِ علی اکبرؑ کمالِ اوج پر اب عالمِ شباب آیا
وہی ہُوا مجھے اے بے نیاز تھا جو یقیں شمار میں نہ مرا دفترِ حساب آیا
ہوا ظہور تعشق امامِ عالم کا
زمین رشکِ فلک ہے وہ آفتاب آیا

(25)

قتلِ شبیرؑ کو جس دم ستم ایجاد آیا اٹھ کے سجدے میں جھکے یوں کہ خدا یاد آیا
کربلا خلد بنی غیرتِ شمشاد آیا باعثِ روشنیٔ عالمِ ایجاد آیا
جو کہ دنیا میں اسیرِ غمِ سجادؑ آیا حشر میں نارِ جہنم سے وہ آزاد آیا
کربلا سے طرفِ خلد یہ ناشاد آیا عشرت آباد سے میں سوئے غم آباد آیا
شام سے فوج کے ہمراہ چلے تیرِ جفا شاہ کے ساتھ وطن سے دلِ ناشاد آیا
حر سے ناچیز کو حضرت نے دیا باغِ ارم کی عجب بندہ نوازی کہ خدا یاد آیا
اے نکیرین بس اب مجھ سے نہ پوچھو کوئی بات میری تعلیم کو جبریلؑ کا استاد آیا
ایک نے لی نہ خبر بی بیوں کی بعدِ حسینؑ کون پُرسے کو بجز نالہ و فریاد آیا
شام کی راہ میں رانڈوں نے جو پانی دیکھا روئیں منہ پھیر کے منہ کو دلِ ناشاد آیا
سرِ پُر نور نے قرآن پڑھا نیزہ پر شاہ نے کی وہ عبادت کہ خدا یاد آیا
کوئی شہ سا نہ زمانے میں بہادر ہوگا کہ گلا چومنے کو خنجرِ جلاد آیا

پیاس کیا بھوک یہ کہتی تھی کہ حضرت ہیں تمام — اور دم بھر جو بچے قتل نہ جلاد آیا
یا علیؑ پھر ہوسِ مرگ ہوئی جنت میں — آپ کا قبر میں آنا جو مجھے یاد آیا
پاؤں سجادؑ نے پھیلا کے جھکائی گردن — طوق و زنجیر لیے سامنے حدّاد آیا
بعد شہؑ اپنی جگہ سے نہ ہٹے ارض و سما — بیچ میں جب قدم حضرت سجادؑ آیا
باغ فردوس کو اجڑی ہوئی بستی سمجھا — مجمعِ روضۂ شبیرؑ مجھے یاد آیا
خشکیٔ حلقِ شہؑ دیں کی گواہی کے لیے — حشر میں بن کے زباں خنجرِ جلاد آیا

کربلا پہنچے ہیں شبیرؑ فلک پر غل ہے
گھر لٹانے کے لیے تابع ارشاد آیا

26

تھے دل آزار اس طرف لاکھوں ادھر کوئی نہ تھا — ایک جز داغ جگر شہؑ کی سپر کوئی نہ تھا
پیاس میں لیتا جو حضرت کی خبر کوئی نہ تھا — بوند پانی دے سوائے چشمِ تر کوئی نہ تھا
سب خیامِ شاہؑ تھے آباد باہر تھے رفیق — تھی یہ بستی صبح تک تا دوپہر کوئی نہ تھا
ٹھوکریں کھاتے ہوئے پھرتے تھے میداں میں حسینؑ — کچھ نظر آتا نہ تھا نورِ نظر کوئی نہ تھا
ہو سکا یعقوبؑ سے کب صبر مانند حسینؑ — تھا فقط رنجِ پسر زخمِ جگر کوئی نہ تھا
ہاتھ تھے تلوار سینہ ڈھال تھا عباسؑ کا — اس طرح کا صاحب تیغ و سپر کوئی نہ تھا
بعد شہؑ گھر سے حرم نکلے ہوئی دنیا سیاہ — شب نہ تھی دن بھی نہ تھا شمس و قمر کوئی نہ تھا
حیف مہمانوں کو زندان کہن میں دی جگہ — اس سے بڑھ کر شام میں کیا اور گھر کوئی نہ تھا
فاقہ توڑا تیغ کے پھل سے شہؑ ذی جاہ نے — اور شاید خلق میں شیریں ثمر کوئی نہ تھا
ایک ٹھنڈی سانس جب کھینچی غم شبیرؑ میں — دیکھنا پھر شعلۂ نار سقر کوئی نہ تھا
کہتے تھے سب دیکھ کے احمدؐ کی بستی کو اداس — بڑھ کے اس گھر سے کبھی آباد گھر کوئی نہ تھا
روز اول سے بہتر سرفروشوں کے سوا — لاکھ تلواروں میں حضرت کی سپر کوئی نہ تھا

از رہی تھی خاک شہ پیاسے کھڑے تھے دھوپ میں
منزلوں سایہ نہ تھا کوسوں شجر کوئی نہ تھا

بعد اکبر تھا دلِ شبیرؑ میں شدت سے درد
سینکنے والا بجز سوزِ جگر کوئی نہ تھا

شاہ کے دکھتے ہوئے شانے دبا دیتا ذرا
فوج میں ایسا بجز تیغ و تبر کوئی نہ تھا

غش میں تلوے شہ کے سہلاتا سنگھاتا عطر کون
پائینتی کوئی نہ تھا بالائے سر کوئی نہ تھا

اور تو کیا جی بہل جاتا تھا صغراؑ کا ذرا
لکھ کے خط رکھ چھوڑتی تھیں نامہ بر کوئی نہ تھا

اے تعشق کب سنی تھی آمدِ صاحب کی دھوم
عالمِ ذر میں نہ رکھتا ہو خبر کوئی نہ تھا

27

رن کو جاتے ہوئے مڑ کر جو ادھر دیکھ لیا
ماں کو بے شیر نے اور ایک نظر دیکھ لیا

خوب میں نے تجھے اے نارِ سقر دیکھ لیا
تو نے بھی کچھ اثرِ دیدۂ تر دیکھ لیا

اے زمیں چھوڑ مجھے ورنہ تجھے دیں گے فشار
حال میرا مرے آقا نے اگر دیکھ لیا

رو دیے اہلِ جفا بے کسی و غربت پر
شہ نے حسرت کی نگاہوں سے جدھر دیکھ لیا

لطفِ حیدرؑ سے ہوئی قبر میں عاصی کی ظفر
جو سنا تھا وہی سب حالِ سفر دیکھ لیا

حال صغراؑ کا یہ تھا ہل گئی زنجیر اگر
پونچھ کر دیدۂ تر جانبِ در دیکھ لیا

شاہ کہتے تھے کبھی جی نہ بھرا اے اکبرؑ
عمر بھر میں تمہیں بس ایک نظر دیکھ لیا

جس نے پوچھا کوئی اکبر کی نشانی بھی ہے پاس
ماں نے رو کر طرفِ داغِ جگر دیکھ لیا

رو کے کہتی تھی یہ صغراؑ جو بھرا دیکھ تھا
آج خالی انہیں آنکھوں سے وہ گھر دیکھ لیا

شہ سے اکبرؑ نے کہا کھول کے آنکھیں دمِ نزع
شکر ہے آپ کو اور ایک نظر دیکھ لیا

تھا مکاں شاہ کے جانے سے مسافر خانہ
گھر میں بیمار نے سب لطفِ سفر دیکھ لیا

سر حر زانوئے شہ پر ہے یہ کہتے ہیں حبیب
خوب تھوڑی سے مشقت کا ثمر دیکھ لیا

شاہ تک آنے نہ دیتے تھے ہوا کو جانباز
جب چلے تیر انہیں سینہ سپر دیکھ لیا

کی شفاعت جو شۂ تشنہ جگر نے میری
تجھ کو ابرِ کرم اے دیدۂ تر دیکھ لیا
دل شبیرؑ نے پہلو میں جگہ کی خالی
رخ کسی تیرِ جفا کا جو ادھر دیکھ لیا
صبح کا تھا دل زینبؑ کو جو دھڑ کا شب قتل
جی لگا ڈوبنے جب نجمِ سحر دیکھ لیا
روئیں بانو علیؑ اکبرؑ کی جوانی کے لیے
بار لاتے ہوئے جو تازہ شجر دیکھ لیا
دامن دل کو ترے ہاتھ سے جوشِ پیری
چاک مانند گریبانِ سحر دیکھ لیا
گہ پھرے لاشۂ قاسمؑ کی طرف کو حضرت
تنِ عباسؑ کو گہ خون میں تر دیکھ لیا
قبرِ اصغرؑ ہے کہیں لاشہ اکبرؑ ہے کہیں
گہ ادھر دیکھ لیا گاہ ادھر دیکھ لیا
خاک سے پاک تعشق ہے پھر اے صاحب عصر
آپ نے مہر سے جو ایک نظر دیکھ لیا

28

مر کے حالِ اہلِ دنیا کھل گیا
جب کفن پہنا تو پردا کھل گیا
شہ کو حالِ شوقِ صغراؑ کھل گیا
پڑھ کے جب خط کو لپیٹا کھل گیا
کربلا میں ہوگئی جب آنکھ بند
خلد میں جانے کا رستا کھل گیا
نار سے عابدؑ نے دی سب کو نجات
ہاتھ بندھوانے کا عقدہ کھل گیا
لٹ گیا گھر عیب پوشِ خلق کا
شاہؑ کے خیمہ کا پردا کھل گیا
چھپ سکی کب قتلِ سرورؑ کی خبر
خونِ ناحق واقعی تھا کھل گیا
شہ کو غیظ آیا تو سب چھپنے لگے
آستیں الٹی کہ پردا کھل گیا
تیر ادھر آیا کہ شہ کا زخمِ دل
مثلِ آغوشِ تمنا کھل گیا
شہ نے یوں دیکھا سوئے در وقت ذبح
مطلب چشمِ تمنا کھل گیا
دل سے یوں حضرت کے غم کا جوش ہے
بند تھا کوزے میں دریا کھل گیا
خوب دیکھا حسنِ محبوب اے کلیم
آپ کی آنکھوں کا پردا کھل گیا

چھن گئی چادر ہوئی دنیا سیاہ   فرق پاکِ بنتِ زہرا کھل گیا
بھر گئی جنت کے پھولوں سے لحد   صرۂ خاکِ شفا کیا کھل گیا
شہ کو تھی خشکی دہن کی شہد خلد   تشنہ لب رہنے کا عقدہ کھل گیا
جبہ سائی کی درِ شبیر پر   ہم فقیروں کا نصیبا کھل گیا
کفش کن ہے شاہ کا چوتھا فلک   آپ کا راز اے مسیحا کھل گیا
قلب زینب کے تڑپنے کے لیے   کربلا کا اور صحرا کھل گیا
تھی گراں صغرا کو تکلیفِ پدر   خود بخود خط کا لفافا کھل گیا
گھر سے مشتاقِ سفر نکلے علی   کس کے پھر باندھا جو پٹکا کھل گیا

دلبرِ مشکل کشا ظاہر ہوا
لو تعشق کا نصیبا کھل گیا

29

حلق میں جب آ کے پیکاں رہ گیا   ہچکیاں لے لے کے ناداں رہ گیا
اے فلک تجھ کو نہ آیا کچھ حجاب   لاشۂ شبیر عریاں رہ گیا
خود مدینے کو گئیں زینب مگر   دل سرِ گورِ غریباں رہ گیا
دیکھنے پائی نہ ماں اکبر کا بیاہ   دل میں جو تھا سب وہ ساماں رہ گیا
اب تو پانی دو یہ کہتے تھے حسین   اٹھ گئے سب ایک مہماں رہ گیا
کہتی تھی صغرا نہ آیا ایک خط   دونوں آنکھوں کو یہ ارماں رہ گیا
پیاس نے سب قافلے کی جان لی   کوئی گر کریاں کوئی واں رہ گیا
بہر امت سر دیا شبیر نے   جد امجد پر یہ احساں رہ گیا
کب گیا صغرا کی آنکھوں کا ورم   یہ نشان چشم گریاں رہ گیا
الفتِ سرور میں نکلی حُر کی جاں   ہاتھ بڑھ کر سوئے داماں رہ گیا

ہے ظہورِ قائم آلِ عباؑ دعوۂ خونِ شہیداں رہ گیا
گودیوں میں کچھ دنوں اصغر پھرے گھٹنیوں چلنے کا ارماں رہ گیا
پھر گیا کوئی مدینہ کی طرف دشت میں کوئی پُرارماں رہ گیا
اس کی حسرت پر مقامِ غور ہے جو میانِ کُنجِ زنداں رہ گیا
روضۂ شہؑ سے کب آگے بڑھ سکا بن کے شمسہ مہرِ تاباں رہ گیا
شہ سے کہتے تھے جری دیکھیں گے آپ خادموں کے ہاتھ میداں رہ گیا
جب غلامِ حضرتِ صاحب ہوئے
اے تعشق کیا پھر ارمان رہ گیا

30

درِ علیؑ پہ سر اس خاکسار کا پہنچا دماغ عرش پہ مشتِ غبار کا پہنچا
عطا ہو ساغرِ کوثر لبالب اے ساقی کہ دم لبوں پہ ترے بادہ خوار کا پہنچا
ادھر جواں ہوئے اکبر ادھر اجل آئی پیام ساتھ خزان و بہار کا پہنچا
کہاں یہ نشۂ غفلت لحد میں او غافل بہت قریب زمانہ اتار کا پہنچا
نجف میں ماریہ میں طوس میں مدینہ میں کہاں کہاں نہ دل اس بے قرار کا پہنچا
بنا وہ راکبِ دوشِ رسولؐ مسجد میں رکاب تک نہ قدم جس سوار کا پہنچا
عیاں ہوئی سحرِ قتل سب کمر باندھیں یہ حکم امام غریب الدیار کا پہنچا
ادھر جو تحفۂ دعوت سے دستِ پاک کھنچا ادھر سے ہاتھ شہِ ذوالفقار کا پہنچا
میں بوترابؑ کو دیکھ اے زمیں پکاروں گا جو میرے جسم کو صدمہ فشار کا پہنچا
بڑھے ادھر سے فرشتوں کے غول مجرے کو براق ادھر سے مرے شہسوار کا پہنچا
ترے کرم سے لنڈھاؤں گا ساقیا مئے خلد قریب دور ترے بادہ خوار کا پہنچا
گئی جو چھریرے کی ہل گیا طوبےٰ نشاں جو رن میں شہِ نامدار کا پہنچا

چمن حسینؑ کا لوٹا گیا ہزار افسوس مراد پر جو زمانہ بہار کا پہنچا
ترے ثبات پہ ہنستی ہے موت اے غافل یہ حال زندگی مستعار کا پہنچا
چلی جو خاک مری اڑ کے سوئے دشتِ نجف تو ساتھ وہم نہ بادِ بہار کا پہنچا
ہمیں بھی بادۂ خم غدیر اے ساقی ادھر بھی جام مئے خوش گوار کا پہنچا
ظہور کیجئے جلدی تعشق آخر ہے
حضور حال یہ اب جاں نثار کا پہنچا

31

چھٹ کے اکبرؑ سے دلِ شہؑ تہ و بالا ہوگا بعد بے شیر یہ غم اور دوبالا ہوگا
نیزہ کیوں کر دلِ اکبرؑ سے نکالا ہوگا کس طرح شاہؑ نے اس رنج کو ٹالا ہوگا
بعد شبیرؑ کے ہوجائیگی دنیا تاریک ہاں مگر شام کے زنداں میں اجالا ہوگا
کہتے تھے راہ میں سب دیکھ کے سر اکبرؑ کا کس طرح ماں نے کلیجہ کو سنبھالا ہوگا
کوچ کی رات یہ الجھن تھی دلِ صغراؑ کو کل نہ یہ شب نہ کوئی گیسوؤں والا ہوگا
بعدِ سرورؑ نہ چراغ اور نہوں گی شمعیں گھر میں جب آگ لگے گی تو اجالا ہوگا
کہتی تھیں جھاڑ کے بالوں سے زمین کو زہراؑ کہ یہاں دفن مرے گود کا پالا ہوگا
شہؑ نے اعدا سے کہا درپئے جاں ہو ناحق کیا کہوگے جو کوئی پوچھنے والا ہوگا
ہے لگن میں سر شہؑ تخت نشیں حاکم شام کیا خبر تھی کہ جہاں یوں تہ و بالا ہوگا
کہتی تھی ماں کوئی روکو نہ مجھے رونے دو زخم اکبرؑ کے جگر کا ابھی آلا ہوگا
مول لی ہے جو زمیں شاہؑ نے کہتے ہی قضا محضر خون شہیداں یہ قبالا ہوگا
کوئی مجھ سا بھی گنہگار نہ ہوگا پیدا جیسے تجھ سا نہ کوئی بخشنے والا ہوگا
شاہؑ کہتے تھے وہ مظلوم ہوں میں دنیا میں نام لینے سے کلیجہ تہ و بالا ہوگا
شاہؑ کہتے تھے نہ جھپکیں گی یہ آنکھیں تہ تیغ دیکھ لے گا جو کوئی دیکھنے والا ہوگا

رُخِ شبیرؑ سے ٹپکا جو عرق کا قطرہ
اس طرح کی ہے زمیں گرم کہ چھالا ہوگا
شہؑ جو لاشوں میں کھڑے ہیں تو یہ سب کہتے ہیں
ایک پر چرخ نے یہ وقت نہ ڈالا ہوگا
پائے عابدؑ ہیں یہ زخمی کہ برابر تا شام
ایک اِدھر ایک اُدھر خون کا تھالا ہوگا
سینے سے بن کے دمِ سرد کھینچیں گے ناوک
نیزۂ کین دلِ شبیرؑ میں نالا ہوگا
یا علیؑ خلد میں ساتھ اپنے مجھے لے چلیے
کیا غلاموں کا بھی رضواں پہ حوالا ہوگا
مدحِ حیدرؑ سے اگر ہوں گے دو عالم معمور
دو ورق کا مری نظروں میں رسالا ہوگا

کس طرح ہو نہ تعشق کو تمنائے ظہور
کہ سیہ خانۂ ہستی میں اجالا ہوگا

32

شہر سے چھوڑ کے گھر سبطِ پیمبرؐ نکلا
داغ لے کر چمنستان سے گل تر نکلا
حر لعینوں کی صفوں کو جو ہٹا کر نکلا
شور تھا قہر کی موجوں سے شناور نکلا
نام کچھ اور نہ میرا دمِ محشر نکلا
ہاں فقط شیفتۂ آلِ پیمبرؐ نکلا
غمِ اصغرؑ میں گئی شاہ کی ساری طاقت
تیر معلوم نہیں حلق سے کیونکر نکلا
باطناً ایک ہیں سب چھوٹے بڑے اس گھر کے
دلِ اصغرؑ دلِ اکبرؑ کے برابر نکلا
خوب کی امت عاصی کی سفارش حق سے
حوصلہ شاہؑ کے دل کا تہ خنجر نکلا
قتل حضرت جو ہوئے ہوگئی دنیا تاریک
غول سیدانیوں کا گھر سے کھلے سر نکلا
اے فلک اور تو سب خلق کو پایا سیراب
ایک پیاسا پسرِ ساقیٔ کوثر نکلا
دھوپ میں لاش پڑی رہ گئی اس کی بے قبر
چاندنی میں جو کبھی گھر سے نہ باہر نکلا
لی رضا ساتھ لڑے ساتھ پسر زینبؑ کے
دم بھی دونوں کا جو نکلا تو برابر نکلا
احمدؐ و حیدرؑ و زہراؑ و حسنؑ کا کنبہ
مجمع عام میں بے موزہ و چادر نکلا
کیا شناور تھے رفیقانِ شہِ تشنہ جگر
جو یہاں خون میں ڈوبا لبِ کوثر نکلا

کس خرابی میں ہوئی قبرِ سکینہؑ کو نصیب　　مر کے بھی خانۂ زنداں سے نہ بستر نکلا
داغ اکبرؑ سے کبھی کم نہیں داغِ اصغرؑ　　دل شبیرؑ نے تولا تو برابر نکلا
شہؑ نے فرزند کی چھاتی سے نکالی جو سناں　　دل بھی کس شوق میں سینہ سے تڑپ کر نکلا
گھر چھٹا شاہ سے خاک اڑنے لگی ڈیوڑھی پر　　اس طرف ہو کے جو نکلا وہ مکدر نکلا
دل میں پایا تجھے اے ربِ غنی جب ڈھونڈھا　　تیرے درویشوں کی بستی میں ترا گھر نکلا
اے فلک سب ہوئے سیراب مگر بہرِ حسینؑ　　ایک پر آب اس بزم میں ساغر نکلا
عمر ماں نے غمِ اکبرؑ میں تڑپ کر کاٹی　　زندگی میں رگِ جاں سے نہ یہ نشتر نکلا
جاؤ مرنے کے لیے اے علی اکبرؑ جاؤ　　باپ کے منہ سے نہ معلوم یہ کیونکر نکلا

لطف صاحب سے ذرا کم نہ رہا روزِ ظہور
کہ تعشق بھی غلاموں کے برابر نکلا

33

پئے کربلا جان کھویا کیا　　ہمیشہ میں جنت میں رویا کیا
الگ بہرِ شہؑ جان کھویا کیا　　اکیلے میں تنہا کو رویا کیا
کوئی ڈر نہ تھا پھر میں کیا چونکتا　　نگہباں رہا تو میں سویا کیا
نہ بھولی دل شہؑ کی سوزش کبھی　　دمِ سرد بھر بھر کے رویا کیا
صدا شہؑ کو آتی تھی صادق ہے تو　　کہا جو زباں سے وہ گویا کیا
نجس چیز پانی سے ہوتی ہے پاک　　میں اشکوں میں دل کو ڈبویا کیا
وہ محتاج تھا میں مری خاک پر　　سحابِ کرم آکے رویا کیا
فرشتے مرے جرم لکھا کیے　　خدا اپنی رحمت سے دھویا کیا
یہ صنعت یہ حکمت یہ قدرت یہ شان　　کہ مٹی کے پتلے کو گویا کیا
رہا وصفِ لبہائے حیدرؑ سے کام　　زباں آبِ کوثر سے دھویا کیا

نہ ڈوبا کوئی مثلِ آلِ نبیؐ ہزاروں کو گردوں ڈبویا کیا
ہوئے بال غفلت میں سارے سفید دن اتنا چڑھا اور میں سویا کیا
ہوئی آبِ رحمت سے وہ نخلِ گل میں کانٹے جو عصیاں کے بویا کیا
گلا کاٹ کر شاہ کا مثلِ زخم لہو خنجرِ ظلم رویا کیا
خدا خوش کرے گا میانِ ظہور
تعشق جو غیبت میں رویا کیا

34

دمِ نزع کیا چشمِ حر میں سماں تھا سرہانے تھے حضرت خدا مہرباں تھا
علیؑ کے گلستاں میں خاک اڑ رہی تھی ہر اک سمت کھیتوں میں پانی رواں تھا
عجب پیاس کی تھی دلِ تشنہ میں گرمی نظر میں زمیں سے فلک تک دھواں تھا
تہ تیغ تھے محو سجدے میں حضرت عجب صبر تھا اور عجب امتحاں تھا
ادھر تھے نبیؐ اس طرف ذات باری فقط ایک ذکرِ علیؑ درمیاں تھا
لگائے تھے سینہ سے داغوں کو حضرت عجب رنگ کے گل عجب باغباں تھا
دھڑکتا تھا لاشوں میں دل شاہ دیں کا چمن خشک تھا شورِ برگ خزاں تھا
نکالیں سناں شاہ اکبرؑ کے دل سے بڑا معرکہ تھا بڑا امتحاں تھا
نہ معلوم اٹھائی گئی لاش کیونکر کہ تھے پیر حضرت پسر نوجواں تھا
یہ کہتے تھے عابدؑ کہ اے مرنے والو وہ لوٹا گیا جو پسِ کارواں تھا
یہ کہتی تھی ماں ناحق اصغرؑ کو مارا نہ مانگا تھا پانی کہ وہ بے زباں تھا
یہ باتیں نہ بھولیں گی کہتے تھے عابدؑ وہ پیاسا ہوا قتل جو بے زباں تھا
جو خیموں میں تھے سب وہ سوتے تھے رن میں اندھیرا یہاں تھا اجالا وہاں تھا
سحر سے غریبوں نے کمریں جو باندھیں سرِ شام جنت میں سب کارواں تھا

ہوا باغِ زہراؑ میں ایسی چلی تھی ۔۔۔ کہ گلزارِ جنت کو خوف خزاں تھا
اسیر آئے جب چھٹ کے پھر کربلا میں ۔۔۔ گئے اس جگہ پر کہ خیمہ جہاں تھا
کہا ماں نے سوتے تھے اکبر وہاں پر ۔۔۔ جو ہیں قبر میں ان کا جھولا یہاں تھا

سگِ کوئے صاحب کہے تجھ کو عالم
یہ رتبہ ترا اے تعشق کہاں تھا

35

دل بھی ساتھ آنسوؤں کے چشم زد میں آیا ۔۔۔ ذکر جو چھوٹے کا بھائی بہن میں آیا
موت گویا ہوئی بے شیر جو رن میں آیا ۔۔۔ پھول تازہ یہ شہادت کے چمن میں آیا
نوجواں مر گئے اکبرؑ تو کہا بانو نے ۔۔۔ کہ سر شام مرا چاند گہن میں آیا
تیری رحمت سے زمیں نے بھی امانت رکھا ۔۔۔ پاک اٹھا ہوں کہ دھبہ نہ کفن میں آیا
گو ردا چھن گئی پر شکر کیا زینبؑ نے ۔۔۔ سر کھلا فرق نہ زہراؑ کے چلن میں آیا
نار سے ہوگئی آزاد نبیؐ کی امت ۔۔۔ بازوئے حضرت زینبؑ جو رسن میں آیا
اے فلک شام کہاں اور کہاں دشت قتال ۔۔۔ کچھ عجب فاصلہ شہ کے سر و تن میں آیا
دیکھتے رہ گئے اس سمت کو سب اہل جفا ۔۔۔ حر ادھر مثل نظر چشم زدن میں آیا
زیب آغوشِ رسولؐ عربی تھا جو سر ۔۔۔ پیش حاکم وہی سونے کی لگن میں آیا
بھر لیا دولت کونین سے دامن اس نے ۔۔۔ جو کہ سرکار حسینؑ اور حسنؑ میں آیا
نہر پر سامنے پیتے رہے اعدا پانی ۔۔۔ پر نہ کچھ ذہن شہ تشنہ دہن میں آیا
در و دیوار سے پیدا تھی صدا ہائے حسینؑ ۔۔۔ لٹ کے جب قافلہ رانڈوں کا وطن میں آیا

اے تعشق عجب ایام ہیں ایام ظہور
موسم عیش و طرب دار محن میں آیا

36

لحد میں جلوہ نما وہ شہِ زمانہ ہوا　　کہ بارگاہِ سلیمان فقیر خانہ ہوا

گلوئے اصغرِ بے شیر جب نشانہ ہوا　　کمان ہوگئی دوہری وہ دردِ شانہ ہوا

جلا جو دل تو سوئے کربلا روانہ ہوا　　مجھے چراغ ہدایت چراغِ خانہ ہوا

سیاہ شاہ کی آنکھوں میں سب زمانہ ہوا　　ہوائے تیر سے ٹھنڈا چراغِ خانہ ہوا

لحد میں داغ غم شاہ اور بھی چمکا　　ہوئی جو شام تو روشن چراغِ خانہ ہوا

رحیم کا ہوں گنہ گار اے فرشتو میں　　جو ہاتھ مجھ پہ اٹھایا تو دردِ شانہ ہوا

یہ بعد اکبرؑ و عباسؑ حال تھا شہؑ کا　　جو دل کو ہاتھ سے تھاما تو دردِ شانہ ہوا

طیور خلدِ قفس در قفس ہیں اس غم سے　　نہ کربلا کے درختوں میں آشیانہ ہوا

غضب ہوا نظر آیا جو کوئی بال سفید　　سمند شوخ جوانی کو تازیانہ ہوا

رکے نہ اشکِ ندامت جو واہوئیں آنکھیں　　سرا کے در جو کھلے قافلہ روانہ ہوا

یہ کتنے تیر چلے کربلا میں حضرت پر　　تمام خلق خدا کا جگر نشانہ ہوا

ادھر تو لوٹنے کو شام سے چلے اعدا　　ادھر سے قافلہ سادات کا روانہ ہوا

خدنگ و تیر و تبر اس قدر پڑے باہم　　کہ جسمِ حرؑ دلاور سلاح خانہ ہوا

کنار و دامن پُر نور حضرت شبیرؑ　　صغیر کے لیے تابوت و شامیانہ ہوا

پھڑک پھڑک کے کئی طائروں کو بھی شب قتل　　ہر ایک کو قفس تنگ آشیانہ ہوا

حسینؑ کہتے تھے اکبرؑ ابھی ہوئے ہیں شہید　　میں جانتا ہوں کہ چھوٹے کو اک زمانہ ہوا

عجیب عالم غربت میں شاہ قتل ہوئے　　بنی نہ قبر میسر نہ شامیانہ ہوا

زہے قناعت اشک اور کا بھرا دامن　　نصیب اپنے موافق جو آب و دانہ ہوا

سب اہل حشر گئے سوے دوزخ و جنت　　بس ایک میں طرف کربلا روانہ ہوا

جلا گیا دل صغرا مسافروں کے لیے　　چراغ گور غریباں چراغ خانہ ہوا

وہ ہے رحیم اے تو ہے بخشنا منظور　　ہماری آنکھ تیکی اسے بہانہ ہوا

ہوئی یہ قافلۂ کربلا کی بربادی کوئی عدم کو کوئی شام کو روانہ ہوا
سرائے دل میں یہ نقشِ قدم ہیں داغ نہیں ٹھہر کے قافلہ احباب کا روانہ ہوا
ہوئی زمین شہیدوں کو تختۂ تابوت غبار اٹھ کے جو پھیلا تو شامیانہ ہوا
مرے گناہ بہت کم ہیں اس کی رحمت سے جو کوئی بات نہ پائی تو یہ بہانہ ہوا
عبث ہے گورِ غریباں پہ آسماں کہن رکی نہ دھوپ میسر وہ شامیانہ ہوا
چلیں حسینؑ کے اس راہوار پر تیغیں کہ جو کبھی نہ سزاوارِ تازیانہ ہوا
تعشق اب تو دکھائے خدا ظہور کہیں
امامِ عصر کی غیبت کو اک زمانہ ہوا

37

کبھی ملالِ شہ بحر و بر نہیں جاتا ہمیشہ ہے یہ زمانہ گذر نہیں جاتا
حسینؑ کہتے تھے سب فوج کی چڑھائی ہے سر اپنے جسم سے جب تک اتر نہیں جاتا
حسینؑ لاشۂ فرزند جب اٹھانے لگے کہا کہ اے دلِ مضطر ٹھہر نہیں جاتا
حسینؑ کہتے تھے داغِ پسر قیامت ہے ہے اس کی شان جو انسان مر نہیں جاتا
جفائے شمر سے فولاد مانگتا ہے پناہ گلے پہ کانپ کے خنجر ٹھہر نہیں جاتا
دھرا ہے مر کے بھی سینہ پہ ہاتھ اکبرؑ کا سناں نکل گئی دردِ جگر نہیں جاتا
عجب طرح کا پُر آشوب ہے یہ ویرانہ کہ بے لٹے ہوئے کوئی گذر نہیں جاتا
حسینؑ کہتے تھے ہے حلق زیرِ تیغ تو ہو یہ وقت وہ تو نہیں جو گذر نہیں جاتا
یہ پوچھا کرتی تھی در پر کھڑی ہوئی صغراؑ عراق کو تو کوئی نامہ بر نہیں جاتا
ضیائے گنبدِ شہ دیتی ہے صدا بڑھ کر کہ مہر بام فلک سے اتر نہیں جاتا
ہوئے شہید غلاموں کے واسطے شبیرؑ پدر پسر کے لیے ورنہ مر نہیں جاتا
خیامِ شہ کی طرح جل رہے ہیں شیعوں کے دل اس آگ کا مگر اب تک اثر نہیں جاتا

کھڑے ہیں منتظر خنجر جفا شبیر | عجیب دل ہے کہ تیروں سے بھر نہیں جاتا
حسین کہتے تھے روکو نہ مجھ کو اب زینب | خود آئیں گے وہ یہاں میں اگر نہیں جاتا
میں پھونک پھونک کے رکھتا ہوں پاؤں جنت میں | ہنوز دل سے گناہوں کا ڈر نہیں جاتا
سیاہ و پُر خطر ایسا ہے شام کا زنداں | چراغ تک کبھی نزدیک در نہیں جاتا
حسین جان کے مہمان روک لیتے ہیں | کب آ کے تیر جگر میں ٹھہر نہیں جاتا
میں ہوں وہ شاخ شکستہ ریاضِ عالم میں | کہ دستِ خشک کبھی تا ثمر نہیں جاتا
بہن کے پیٹنے پر شاہ روتے تھے دم ذبح | کوئی جہان سے یوں چشمِ تر نہیں جاتا
دل آج تک نہیں مائل سوئے لحد افسوس | یہ جی لگا ہے سفر میں کہ گھر نہیں جاتا
ہمیشہ روضۂ شبیرؑ میں ہے دل میرا | کہیں یہ طائر بے بال و پر نہیں جاتا
یہ حال ہے علی اکبرؑ کے بعد بانو کا | کہ خواب میں بھی خیالِ پسر نہیں جاتا
جو پوچھتا ہے کہ کیوں دل کو پکڑے رہتی ہو | جواب دیتی ہیں دردِ جگر نہیں جاتا
عجیب رعب و شجاعت ہے عالمِ غش میں | کوئی قریب شہِ بحر و بر نہیں جاتا

تھکے ہیں ایسے مسافر پہنچ کے منزل پر
کہ جسم شام کو ہمراہِ سر نہیں جاتا

38

جب ادھر شہ نے کمانوں کو کڑکتے دیکھا | اپنی آغوش میں اصغر کو ہمکتے دیکھا
شہ نے اکبرؑ کو صدا دی کہ اذاں دو اٹھ کر | کوکبِ صبح جو گردوں پہ چمکتے دیکھا
شور تھا فوج میں شبیرؑ ہٹیں گے کیونکر | ان کے بچوں کو نہ میداں سے سرکتے دیکھا
شور تھا شاہ کی شیریں سخنی کا رن میں | پیاس میں خشک زباں کو نہ بہکتے دیکھا
شوق نے دی دلِ سوزاں کو تکاں سینے میں | فوجِ اعدا میں جو نیزوں کو لچکتے دیکھا
صرف خاکِ شفا سونگھ کے جان آتی ہے | یوں گلِ باغِ جناں کو نہ مہکتے دیکھا

تھا غمِ اکبرؑ و اصغرؑ میں عجب حال حسینؑ ۔۔۔ دل کے پہلو میں کلیجے کو پھڑکتے دیکھا

اس قدر جور کیے تھک گئے اربابِ جفا ۔۔۔ ظلم اٹھانے میں نہ شبیرؑ کو تھکتے دیکھا

ہوئے گستاخ جو اعدا تو یہ غصہ آیا ۔۔۔ کہ لہو شیروں کی آنکھوں سے ٹپکتے دیکھا

نامِ شبیرؑ کسی کی جو زباں سے نکلا ۔۔۔ تو برابر دلِ صغراؑ کو دھڑکتے دیکھا

سن کے بیعت کا سخن کہتے تھے مجروح حسینؑ ۔۔۔ ہم نے زخموں پہ نمک تم کو چھڑکتے دیکھا

تھا عجب پیاس سے بچوں کے دلوں کا عالم ۔۔۔ یوں نہ مچھلی کو بھی خشکی میں پھڑکتے دیکھا

کون ایسا ہے جو اس موت سے مجبور نہیں ۔۔۔ شوخ چشموں کو پلک بھی نہ جھپکتے دیکھا

شبِ عاشور ہوئی اور بھی بیمار کو فکر ۔۔۔ گھونٹ پانی کا گلے میں جو اٹکتے دیکھا

رات بھر سوئے نہ معصوم جلے خیموں میں ۔۔۔ خشک پتوں کو جو صحرا میں کھڑکتے دیکھا

شاہؑ کہتے تھے سب احباب ہمیں چھوڑ گئے ۔۔۔ ناامیدی کو نہ پہلو سے سرکتے دیکھا

مہر سمجھا کہ سرک جا یہ اشارہ ہے مجھے ۔۔۔ علمِ شاہؑ کا پنجہ جو لچکتے دیکھا

غمِ اکبرؑ میں کبھی ماں کو نہ آیا آرام ۔۔۔ دل میں کس وقت یہ نشتر نہ کھٹکتے دیکھا

ہیں وہ ہشیار جو پیتے ہیں مئے خم غدیر ۔۔۔ کبھی ان بادہ کشوں کو نہ بہکتے دیکھا

حالِ شبیرؑ پہ دریا کے نگہباں روئے ۔۔۔ قبرِ بے شیر پر آنسو جو چھڑکتے دیکھا

کفش برداری صاحب ہو تعشق کو نصیب
غل ہو یوں بخت کسی کا نہ چمکتے دیکھا

39

جو کبھی گھر سے نہ بے تاج کے باہر نکلا ۔۔۔ قبر سے ٹھوکریں کھانے کو وہی سر نکلا

بعد عباسؑ کے تھے ہاتھ تو شنہ کے بیکار ۔۔۔ تیر پھر گردنِ معصوم سے کیونکر نکلا

یا علیؑ کیوں نہ کروں فخر میانِ صفِ حشر ۔۔۔ فرد میں نام مرا خادمِ قنبر نکلا

آنکھوں میں سینہ و دل میں ہے تو اے ربِ غنی ۔۔۔ ہم فقیروں کے محلے میں ترا گھر نکلا

واہ رے شوق کہ پیاسوں کی بھر آئیں آنکھیں
ذکر جب تشنہ لبی کا لبِ کوثر نکلا

کربلا مجھ سے نہ چھوٹے گی کبھی اے رضواں
آکے سو بار مرا خلد سے بستر نکلا

قتلِ شبیرؑ سے فولاد کو بھی شرم آئی
میان سے سر کو جھکائے ہوئے خنجر نکلا

میں نصیری نہیں یا حیدرؑ صفدر لیکن
ہاتھ کس کا تھا یہ پردے سے جو باہر نکلا

کیسی کیا جانیں وہاں کی ہے فرحناک ہوا
کوئی بھی قبر سے دم بھر کو نہ باہر نکلا

کبھی چھوٹے نہیں آپس میں پسر زینب کے
جسم سے دم بھی جو نکلا تو برابر نکلا

آگیا ہاتھ میں محبوب خدا کا دامن
حوصلہ خوب میانِ صفِ محشر نکلا

جام کیسا کہ ترے دور میں اے نہرِ فرات
ایک قطرہ نہ پئے آلِ پیمبرؐ نکلا

آئینے کو تو سکندر نے بہت صاف کیا
خود جو اس بزم سے نکلا تو مکدر نکلا

زندگانی کا مزا ہے غمِ شبیرؑ کے ساتھ
جان دوں گا جو مرے دل سے یہ نشتر نکلا

قید خانے میں ہوئی دفن سکینہؑ مرکر
تھی عجب شرم کہ لاشہ بھی نہ باہر نکلا

پہلے سب خلق سے تھا خانۂ زہراؑ آباد
یوں اجاڑا کہ پھر ایسا نہ کوئی گھر نکلا

دیکھنا زائروں کا ہوں میں اگر نقش قدم
کفش کن سے نہ مرا حشر کو بستر نکلا

اہلِ محشر میں تلاطم ہے کہ آندھی اٹھی
میں غمِ شہ میں جو تربت سے مکدر نکلا

قتلِ سرور کی خبر سن کے یتیموں کی طرح
شہر میں گھر سے جو نکلا وہ مکدر نکلا

دھوپ عاشور کو دن بھر رہی میلی میلی
شام کو چاند بھی نکلا تو مکدر نکلا

عدلِ حیدرؑ نے کیے در کے جو ٹکڑے تقسیم
جس کو میزان میں تولا وہ برابر نکلا

ماں نے اکبرؑ کو پئے مرگ بنایا دولھا
ایک ارمان یہ نکلا بھی تو کیونکر نکلا

حر نے لاکھوں میں جو ڈھونڈا تو ہوا خواہِ حسینؑ
خود غلام ایک پسر ایک برادر نکلا

سب کے سب روئے تھے صغراؑ کی طرح وقتِ سفر
گھر سے تابوت کہ گہوارۂ اصغرؑ نکلا

اے تعشق جو ہوا حضرت صاحب کا ظہور
میں بھی قنبر کی طرح قبر سے باہر نکلا

40

جو دفن سبطِ نبیؐ کے جوار میں ہوگا — تو شب کو صبح کا عالم مزار میں ہوگا

حسینؑ کہتے تھے کچھ روزِ حشر کا نہیں خوف — خدا کے فضل سے دل اختیار میں ہوگا

کہا قضا نے جو پیدا ہوئے علیؑ اکبر — خزاں یہ پھول شروع بہار میں ہوگا

گناہ گار سہی پر میں بوترابی ہوں — زمین کو بھی تامل فشار میں ہوگا

حسینؑ کہتے تھے تشویش کیا وہ ہونا ہے — کہ جو مشیتِ پروردگار میں ہوگا

حسینؑ کہتے تھے یہ پیاس ہے جو تادمِ ذبح — مزا محیط کا خنجر کی دھار میں ہوگا

چراغ منہ پہ نہیں اور بند ہیں آنکھیں — عجب مزے کا اندھیرا مزار میں ہوگا

رہیں گے مر کے بھی ہم کربلا کی گلیوں میں — یہ جسم خاک اسی رہگذار میں ہوگا

سحر کو گود میں اصغرؑ تھے کہہ رہی تھی قضا — کہ تیسرا پہر ان کو مزار میں ہوگا

حسینؑ کہتے تھے سر جسم سے جدا ہوجائے — نہ فرق طاعتِ پروردگار میں ہوگا

یقیں ہے صاحب خانہ کو رحم آجائے — عجیب عالمِ غربت مزار میں ہوگا

ہمیں بچانے کو آئیں گے حیدرِ صفدر — عذاب اور کسی پر مزار میں ہوگا

ہوئے غروب زمیں میں چہاردہ خورشید — غلط ہے یہ کہ اندھیرا مزار میں ہوگا

حسینؑ کہتے تھے پہنوگے بیڑیاں عابدؑ
تمہیں یہ بار اٹھانا بخار میں ہوگا

41

مل گئی جو راہ میں بستی وطن یاد آگیا — پھول جو دیکھا اسیروں کو چمن یاد آگیا

رو کے فرمایا عبادت کا مزا جاتا رہا — گھر میں جب عابدؑ کو زندان کہن یاد آگیا

بولی شہ ماں کی جگہ ہو تم جو دیکھا مضطرب — سب وہ انداز محبت اے بہن یاد آگیا

ماں کو حلقِ نازکِ اصغر کا آیا جب خیال
وہ کماں وہ تیر وہ ناوک فگن یاد آگیا

جب ہوا غربت میں اندوہ و غم و ہم کا ہجوم
شہؑ کو لطفِ صحبت اہلِ وطن یاد آگیا

ماں کو بھولیں کب علی اکبرؑ کی باتیں قید میں
چپکے چپکے روئیں جب وہ کم سخن یاد آگیا

جب شفق میں حضرتِ زینبؑ نے دیکھا مہر کو
اپنے بھائی کا وہ پرخوں پیرہن یاد آگیا

شہ نے دیکھا چشمِ عبرت سے ہمیشہ دہر کو
جب کبھی پہنے نئے کپڑے کفن یاد آگیا

ذکر جب رانڈوں میں آیا قتل گہ کی رات کا
وہ جلا خیمہ وہ سناٹا وہ رن یاد آگیا

حضرتِ زینبؑ نے ظلم ایسے سہے بعد امام
دیکھنے والوں کو زہراؑ کا چلن یاد آگیا

کربلا کا باغ جنت میں بندھا مجھ کو خیال
جب قفس دیکھا تو بلبل کو چمن یاد آگیا

یاد رکھا لوٹنا شبیرؑ کی پوشاک کا
کیوں نہ پھر لاشۂ عریاں کفن یاد آگیا

نزع میں بھی سلسلہ چھوٹا نہ مجھ سے دین کا
شکر ہے دامانِ پاکِ پنجتن یاد آگیا

شہؑ نے جو دیکھے مسافر پھر کے گھر جاتے ہوئے
ہل گیا دل گر پڑے آنسو وطن یاد آگیا

اے تعشق دست صاحب سے چلی جب ذوالفقار
سب کو روزِ ضیغمِ خیبر شکن یاد آگیا

(42)

ہے آسرا مزار میں حیدرؑ کی ذات کا
مجھ کو مری لحد ہے سفینہ نجات کا

تیروں سے دل بھرا ہے شہِ خوش صفات کا
شیعوں کے واسطے ہے یہ پہلو نجات کا

تھا قول زیرِ تیغ شہِ خوش صفات کا
موت آئے اس طرح تو مزا ہے حیات کا

نفرت ہے شہؑ کو آب سے عباسؑ مر گئے
بو دے رہا ہے خون کی پانی فرات کا

کہتے تھے شہ نہ بھولے گی اعدا کی گفتگو
آئے گا ذکر پیش نبیؐ بات بات کا

لکھوں جو وصفِ کعبۂ ابروئے شاہِ دیں
ہو جائے خشک چشمۂ زمزم دوات کا

ہیں بند ایسے خانۂ تاریک میں حرم
کھلتا ہے جس میں حال نہ دن کا نہ رات کا

مجھ کو نہیں بہشت سے کچھ کام یا علیؑ — امیدوار ہوں نظرِ التفات کا
پیری بھی ہے تمام جوانی گذر گئی — غافل نہ اعتبار ہے دن کا نہ رات کا
سر رشتۂ وفا نہ چھٹا حر کے ہاتھ سے — تیغوں سے قطع ہوگیا رشتہ حیات کا
اصغر کا تھا اشارہ کہ رگڑوں جو ایڑیاں — چشمہ عیاں ہو خاک سے آبِ حیات کا
وہ عاشقِ حسینؑ ہوں میں دل میں دوں جگہ — اندوہ ہاتھ آئے اگر کائنات کا
آٹھوں بہشت دیں گے ائمہؑ مجھے ضرور — ہوں ایک میں غلام انھیں پانچ سات کا
لکھوں میں حال تشنگی شاہؑ کس طرح — ہے خشک تر قلم کی زباں منہ دوات کا
سب پی رہے ہیں کوہ و بیاباں کے جانور — پانی ہے بند سبط نبیؐ پر فرات کا
ہو ہمرہ رکاب تعشق ظہور میں
ہے آسرا غلام کو حضرت کی ذات کا

43

روئے مطالب پڑھ کے شہؑ دل پارہ پارا ہوگیا — مدعا جو تھا عرضی میں دریا کا کنارا ہوگیا
روئے جب شہؑ کو تو دل روشن ہمارا ہوگیا — داغِ الفت عرشِ اعظم کا ستارا ہوگیا
چوم کر منہ شہؑ نے اصغر سے کہا کھایا جو تیر — چاند سا نقشہ تمھارا اور پیارا ہوگیا
گو محیطِ آبِ آہن میں تلاطم تھا کمال — عصر تک پیاسوں کے بیڑی کا اوتارا ہوگیا
تشنگی سے جی لگا جب ڈوبنے شبیرؑ کا — یاس کی نظروں سے دریا کا نظارا ہوگیا
خون روؤں اے غمِ دندانِ پُرخونِ حسینؑ — اشک کی ثمرن سے واجب استخارا ہوگیا
اس کی رحمت مجھ کو بھی بندۂ زار و نحیف — ڈوبنے کو خیر تنکے کا سہارا ہوگیا
کہتے تھے عابدؑ رسن پکڑے ہے بازو زور سے — بیکسی میں خیر اتنا تو سہارا ہوگیا
اس کو کہتے ہیں مروت حلم اس کا نام ہے — دشمنوں کا ظلم حضرت کو گوارا ہوگیا
شکر ہے رویا غمِ شہؑ میں لہو میں عمر بھر — قطرۂ خوں میرے طالع کا ستارا ہوگیا

بے حجابوں نے چھپایا مدتوں کس کس طرح — رفتہ رفتہ خونِ ناحق آشکارا ہوگیا
روضۂ سرور کے گلدستہ پہ جب رکھا قدم — جھک کے دیکھا باغِ جنت کا نظارا ہوگیا
میں یہ سمجھا صرۂ خاکِ شفا کو قبر میں — کیا چراغ زندگی روشن دوبارہ ہوگیا
کہتے تھے حضرت کبھی بیکس نہ کہتا تھا کوئی — آکے اس بستی میں یہ عالم ہمارا ہوگیا

اے تعشق حضرت صاحب کے جب چومے قدم
آسماں پھر میرے طالع کا ستارا ہوگیا

44

کہتی تھی ماں کہ نہ کچھ منہ سے کہا کیا باعث — ہائے اصغرؑ ہوئے تم مجھ سے خفا کیا باعث
جان دی باپ کی آغوش میں چپکے چپکے — تیر بھی کھائے نہ دی مجھ کو صدا کیا باعث
خبر سوزِ دلِ شہ نہیں کہتے ہیں عدو — گرم کیوں ہوگئی جنگل کی ہوا کیا باعث
سپۂ شام سے اتنا نہ کسی نے پوچھا — باوفاؤں سے نہ کی تم نے وفا کیا باعث
روزِ عاشور یہ صغراؑ کی ہیں باتیں دل سے — کہ گری پڑتی ہے خود سر سے ردا کیا باعث
شبِ عاشور یہ تھی فکر دلِ زینبؑ کو — ہر طرف رن میں ہے رونے کی صدا کیا باعث
کہتی تھی ماں کہ ہوئی کون سی تقصیر اصغر — دودھ تم نے مری جان چھوڑ دیا کیا باعث
تھا یہ صغراؑ کا یہاں خط نہ کسی نے بھیجا — دل دھڑکتا ہے نہ معلوم ہوا کیا باعث
وجہ بے مہریِ گردوں کی نہ معلوم ہوئی — ایک گل میں نہ رہی بوئے وفا کیا باعث
تھا سکینہؑ کا بیاں سب کو اسیروں سے ہے رنج — آج تک آئی نہ زنداں میں قضا کیا باعث
کچھ مکدر ہیں مکیں آج یہ صغراؑ کو ہے فکر — گھر میں خاک اڑتی ہے مانندِ سرا کیا باعث
اے فلک بہہ رہی تھی نہر تو مقتل کے قریب — قتل پیاسے ہوئے خاصانِ خدا کیا باعث
حیف ہے آلِ نبیؐ پر یہ جفائیں یہ ستم — آخر اے امتِ محبوبِ خدا کیا باعث

امرِ معبود تعشق ہے ظہورِ صاحب
کسی بندے کو معلوم بھلا کیا باعث

(45)

ہے وطن میں یہ شہِ تشنہ جگر کی صورت
رُخ کے آئینہ میں پیدا ہے سفر کی صورت

اتنی مدت سے مقید ہیں سیہ خانے میں
کہ نہیں یاد اسیروں کو سحر کی صورت

تھا یہ صغرٰیؑ کا بیاں آنکھوں میں ہے رخصتِ سفر
نزع میں یاد کروں گی وہ پدر کی صورت

آتے رانڈوں کو جو زنداں میں کُھلے سر دیکھا
اُڑ گیا رنگِ رخ شام سحر کی صورت

کیوں فلک فاطمہؑ کے باغ پہ برسے پتھر
لائق سنگ ہوئے پھول ثمر کی صورت

صدمۂ اکبرؑ و اصغرؑ ہے برابر شہؑ کو
دل بھی پہلو بھی تڑپتا ہے جگر کی صورت

اوس کھانے کو نکل آئی ہیں اُس بن میں غریب
جس میں کوسوں نظر آئی نہ شجر کی صورت

رو رہا ہوں پئے سینۂ غُربالِ حسینؑ
کہ ہر اک اشک میں روزن ہیں گہر کی صورت

دھوپ جنگل کی اٹھائی نہ گئی اصغرؑ سے
کیسے مرجھا گئے دم میں گُل تر کی صورت

ایسی اولادِ علیؑ ہوگئی بے گھر بے در
خواب میں بھی نظر آتی نہیں گھر کی صورت

کہیں اُٹھے کہیں فرما کے یہ بیٹھے عابدؑ
ہم ہیں اس قافلہ میں گردِ سفر کی صورت

سر کو شبیرؑ بچاتے نہیں تلواروں سے
سینہ تیروں کے مقابل ہے سپر کی صورت

ہے یہ عابدؑ سے خبر تیر پڑے تھے اتنے
میں نہ پہچان سکا تھی یہ پدر کی صورت

کہیں خورشیدِ امامت ہو تعشق طالع
ظلمتِ دہر میں پیدا ہو سحر کی صورت

(46)

روز عاشور ہے خوش فوج ستم گر ہے آج
خانہ بربادئ اولادِ پیمبرؐ ہے آج

ایسی بگڑی ہوئی ہے عالمِ غربت میں ہوا
حلق پیاسوں کے ہیں آب دمِ خنجر ہے آج

تھی یہ زہراؑ کی صدا تھا یہ گلستاں کل تک
دیکھو لوگو یہ وہی فاطمہؑ کا گھر ہے آج

لوٹ ایسی ہوئی لیٹے ہیں زمیں پر عابدؑ
پئے بیمار نہ تکیہ ہے نہ بستر ہے آج

طوق ملتا ہے گلے ہاتھ دباتی ہے رسن
جم گئی خاک پر ستاریٔ سر پر ہے آج

صبحِ عاشور یہ آتی تھی فلک سے آواز
عصر تک خاتمۂ آلِ پیمبرؐ ہے آج

کہہ کے یہ بات کمر خوب کسی حضرت نے
امتحاں صبح سے تا عصر برابر ہے آج

صبح سے کہتے تھے حضرت جو خدا نے چاہا
گفتگو شیعوں کی فیصل تہ خنجر ہے آج

خاک پر بیٹھے ہیں تلواروں کے سائے میں حسینؑ
اے فلک مسندِ شاہی ہے نہ افسر ہے آج

آبداروں میں نہ ہے کوئی نہ سقائے حرم
مشک مملو نہ لبالب کوئی ساغر ہے آج

شور تھا کل بہت آباد تھی سرکارِ حسینؑ
کوئی مردوں میں نہ اندر ہے نہ باہر ہے آج

کہتی تھی ماں نہ رہے کام کے لینے والے
دم الجھتا ہے نہ اکبرؑ ہے نہ اصغرؑ ہے آج

شاہ کہتے تھے کہ ہے معرکۂ ذبحِ عظیم
لطف کی تجھ سے توقع مرے داور ہے آج

اے تعشق یہ کہیں گے تجھے سب روزِ ظہور
تھا گدا دولتِ صاحب سے تونگر ہے آج

47

قتل گہہ میں مطمئن ہیں شاہِ دیں گھر کی طرح
خاک پر آرام سے لیٹے ہیں بستر کی طرح

صبر کی طاقت بھلا کس میں ہے سرورؑ کی طرح
داغِ اکبرؑ بھی اٹھایا داغِ اصغرؑ کی طرح

دست و بازو میں رسن لپٹی ہے زیور کی طرح
سر پہ رانڈوں کے پڑی ہے خاک چادر کی طرح

نذرِ شاہِ تشنہ لب کی دل نے رکھی ہے سبیل
دونوں آنکھیں ہیں لبالب حوضِ کوثر کی طرح

کھا کے تیرِ ظلم اصغرؑ اور پیارے ہوگئے
قبر ہے کھولے ہوئے آغوش مادر کی طرح

آب آہن ہوگئی ہے خشکیٔ حلقِ حسینؑ
دم گلے میں ہے دمِ شمشیر و خنجر کی طرح

صبر کی مالک یہاں ہیں مالکِ بخشش وہاں
زینبؑ ناشاد بھی خاتونِ محشر کی طرح

وقفِ اربابِ جفا ہے خانۂ دل شاہ کا
بے تکلف آتے ہیں تیرِ جفا گھر کی طرح

بعدِ اکبرؑ ایک دم آرام بانوؑ کو نہیں
دردِ فرقت کی کھٹک دل میں ہے نشتر کی طرح

شک نہیں چھوٹے بڑے سب اس گھرانے کے ہیں ایک
جان کی نذرِ خدا اصغرؑ نے اکبرؑ کی طرح

آب آہن موجزن ہے کربلا س شام تک
پار اترے جاتے ہیں پیاسے شناور کی طرح

دفعتہً ایسی ہوا گلزارِ زہراؑ میں چلی
رہ گئے غنچے بھی مرجھا کر گُلِ تر کی طرح

ایسے ایسے کربلا میں کام آئے سرفروش
روئے ان کی لاش پر حضرت برادر کی طرح

مثلِ حیدرؑ حضرت صاحب جو فرمائیں ظہور
ہے تعشّق کفش برداری میں قنبر کی طرح

48

آندھیاں اٹھتی ہیں سرخ ایسی کہ ہیں افلاک سرخ
خونِ ناحق سے ہوئی ہے کربلا کی خاک سرخ

ہے شہادت نامۂ سرورؑ زمینِ کربلا
دے رہی ہے خون کی بو قتل گہ کی خاک سرخ

شاہؑ زخمی ہیں کہ موزوں سے ابلتا ہے لہو
خون سے دونوں رکابیں سرخ ہیں فتراک سرخ

عاشقِ سرشارِ حق ڈوبا ہوا ہے خون میں
سر پہ عمامہ گلابی جسم میں پوشاک سرخ

بعدِ قتلِ شہؑ ہوا سے آ رہی تھی بوئے خوں
سارے جنگل کے درختوں پر جمی تھی خاک سرخ

اشک خونیں میں کدورت ہے غمِ شبیرؑ کی
پنجۂ مردم میں ہے تسبیحِ خاکِ پاک سرخ

شام کو عابدؑ گئے ہیں جس راہ سے اس راہ میں
سنگ ریزے قطرۂ خوں ہیں خس و خاشاک سرخ

اس قدر ہے پیاس کی گرمی دلِ شبیرؑ میں
ہوتی ہیں پیکاں میانِ سینۂ صد چاک سرخ

تھے یہ چرچے شام کو عابدؑ گئے اس راہ سے
منزلوں تھے خارہائے دشت وحشت ناک سرخ

تھے حسنؑ مسموم ہونے کو وہ مذبوحِ جفا
ان کے کپڑے سبز تھے شبیرؑ کی پوشاک سرخ

روتی ہیں صغراؑ لہو ہر دم پدر کے ہجر میں
خون کے دو جام ہیں بادیدۂ نمناک سرخ

اس زمینِ گرم سے گھوڑے سے گرتے ہیں حسینؑ
ہو گئے ہیں نعل ہائے توسنِ چالاک سرخ

مل گئی بیمار کو قتلِ شہِ دیں کی خبر ہوگیا دل خوں شیشہ میں جو دیکھی خاک سرخ
لاشۂ پُر خونِ شہ پر فاطمہؑ کے تھے یہ بین میں تو سمجھی تھی پسند آئی تھی جب پوشاک سرخ
اے تعشق ہو وہ دن لیں صاحبِ عصر انتقام
سب زمیں ہو خونِ اعدا سے تہہ افلاک سرخ

49

شہ کے درباں جو کریں روضۂ رضواں آباد کھل کے غنچے یہ کہیں خانۂ احساں آباد
دوپہر میں وہ ہوا بادِ خزاں سے برباد ایک مدت میں ہوا تھا جو گلستاں آباد
ماں یہ کہتی تھی بجھایا مری بستی کا چراغ قبر تم سے ہوئی اے اصغرِ ناداں آباد
یثرب و ماریہ کا ذکر بھی قصہ ہے عجیب شہر یوں ہوتے ہیں برباد بیاباں آباد
کس خرابے میں ہوئیں دفن سکینۂ افسوس گھر جو اُجڑا تو کیا خانۂ زنداں آباد
چمنِ فاطمہؑ اُجڑا تو بسا پھر نہ کبھی سینکڑوں بار ہوئے خانۂ ویراں آباد
گھر چھٹا شاہ سے بستی ہے مدینہ کی اُداس کیسے ویراں نظر آتے ہیں گلستاں آباد
روئے بیمار بہت دیکھ کے اپنے گھر کو جب سُنا کوئی ہوا خانۂ ویراں آباد
کہتے تھے دیکھ کے سب آلِ نبیؐ کو محبوس کبھی گھر رکھتے تھے یہ چاک گریباں آباد
جتنے عرصہ میں لٹی دولتِ زہراؑ و علیؑ اتنی مدت میں ہوا گنجِ شہیداں آباد
ایک سرکار وہ بگڑی کہ بنے یہ دو گھر کربلا بس کے ہوا خانۂ زنداں آباد
خانۂ آلِ نبیؐ ڈوب گیا خشکی میں کوئی گھر تو نہ رکھا اے دیدۂ گریاں آباد
وہ خرابی ہوئی اے مرگ ترے ہاتھوں سے مور سے بھی نہ رہا قصرِ سلیماں آباد
اے تعشق وہ دن آئے کہ ہو آقا کا ظہور
نظر آئے کہیں یہ خانۂ ویراں آباد

50

گرمیِ اندامِ شہؔ کی تاب کب لاتی ہے دھوپ
تن عرق افشاں نہیں پانی ہوئی جاتی ہے دھوپ

ہے تنِ شہؔ چور زخموں میں بھری جاتی ہے دھوپ
اُس طرف کے پہلوے چپ سے نظر آتی ہے دھوپ

شام کے زنداں میں دم بھر کو جو آ جاتی ہے دھوپ
سایہ سے بھی کچھ سوا میلی نظر آتی ہے دھوپ

قید ہیں اُس خانۂ تاریک میں سیدانیاں
یہ نہیں معلوم کب آتی ہے کب جاتی ہے دھوپ

دن کو جو گھر سے نکل آئی ہیں زینبؑ بے نقاب
سامنے سے سایہ کو بڑھ بڑھ کے سرکاتی ہے دھوپ

امتحاں ہے شاہِ دیں کو تین دن کی پیاس ہے
ہو گئے ہیں خشک دریا آگ برساتی ہے دھوپ

مرہم کافور بھر جاتی ہے شب کو چاندنی
دن کو زخمِ شاہِ بے سر سینکنے آتی ہے دھوپ

زعفراں کے کھیت پر گرتی ہے بجلی جس طرح
شہؔ جب آہ گرم کرتے ہیں تو مرجھاتی ہے دھوپ

قید خانہ شام کا ہے اس قدر تاریک و تنگ
جس میں آ کر سر کو دیواروں سے ٹکراتی ہے دھوپ

شمس سے ہے روضۂ شبیرؑ کا شمسہ بلند
چشمۂ خورشید کے اندر نظر آتی ہے دھوپ

منہ چھپانے کو نہیں رانڈوں کے سر پر چادریں
کیوں نہ سائے میں چھپی جائے کہ شرماتی ہے دھوپ

قتل ہوں پیاسے یہ خود شبیرؑ کو منظور ہے
ابر بن جائے مگر ایسا نہیں پاتی ہے دھوپ

تر ہوئی ہے آنسوؤں سے اس قدر عاشور کو
اپنی چادر سوکھنے کو روز پھیلاتی ہے دھوپ

آمدِ پیری ہے جاتی ہے جوانی آنکھ کھول
سو چکا سایہ میں اب سر پر چلی آتی ہے دھوپ

ڈھونڈتی ہے تجھ کو ہر سو اے علیؑ کے آفتاب
روز آتی ہے سحر کو شام کو جاتی ہے دھوپ

کہتی تھی بانوؑ مجھے تھی چاندنی سے احتیاط
اے علی اصغرؑ تمھاری لاش اب کھاتی ہے دھوپ

روزِ قتلِ شہؔ مکدّر ہے دلِ صغراؑ کمال
خاک اڑاتی ہے زمیں میلی نظر آتی ہے دھوپ

تربتِ معصوم سے کہتی تھی ماں دل ڈھل گیا
آؤ ٹہلوں گود میں لے کر تمھیں جاتی ہے دھوپ

جلوہ گاہِ نورِ حق ہے گوشۂ تاریک قبر
بامِ گردوں سے مرے گھر میں اتر آتی ہے دھوپ

اے تعشقؔ معرفت ہے یوں امام عصرؑ کی
ہے نہاں خورشید آنکھوں سے نظر آتی ہے دھوپ

(51)

باندھی مرنے پہ غریبوں نے کمر آخرِ شب
بے وطن کرتے ہیں ساماں سفر آخرِ شب

سحرِ قتل کا دھڑکا تھا دلِ زینبؑ کو
دم بدم تھی طرفِ شرق نظر آخرِ شب

دو فقط ہجر کی راتوں میں ہیں صغراؑ کے انیس
دردِ دل اوّل شب دردِ جگر آخرِ شب

بجھتی ہیں دل کی طرح خیمۂ شہؑ کی شمعیں
سحرِ قتل کی دیتی ہیں خبر آخرِ شب

غافل انجام جوانی ہے نشانِ پیری
کہ نظر آتے ہیں آثارِ سحر آخرِ شب

صبح کے شوق میں غازی نگراں تھے سوئے شرق
آگے رکھے ہوئے شمشیر و سپر آخرِ شب

تھا یہ زینبؑ کو یقیں صبحِ جدائی ہے قریب
شہؑ کی جانب سے نہ ہٹتی تھی نظر آخرِ شب

شام سے چلتے ہیں گرمی میں یہ صغراؑ کو ہے دھیان
بار ہا رہتی ہیں آنکھیں سوئے در آخرِ شب

صبحِ عاشور کا اب تک ہے دلوں کو دھڑکا
کہ فغاں کرتے ہیں مرغانِ سحر آخرِ شب

یوں شبِ قتل تھے پچھلے سے رخِ شاہؑ پہ اشک
شبنم آلودہ ہو جیسے گلِ تر آخرِ شب

فکر تھی صبح کو ہے تشنہ لبوں کی دعوت
تیز ہوتی تھی اُدھر تیغ و تبر آخرِ شب

صورتِ صبحِ شہادت نہ دکھانا یا رب
کی یہ زینبؑ نے دعا کھول کے سر آخرِ شب

گو رہے پیشِ نظر شام جوانی ہے تمام
رات بھر پھر کے ملا ہے مجھے گھر آخرِ شب

صبحِ پیدائشِ صاحب تھی تعشق کیا صبح
جس کے ظاہر تھے نشاں مثلِ قمر آخرِ شب

(52)

شاہؑ کہتے تھے جو مہلت دے زمانا زینبؑ
طرفِ گورِ غریباں کبھی آنا زینبؑ

شاہؑ کہتے تھے بجز قبر و سوائے زنداں
نہ ہمارا نہ تمھارا ہے ٹھکانا زینبؑ

شاہؑ کہتے تھے اگر شام سے ہو قصدِ وطن
تو مری قبر سے ملتی ہوئی جانا زینبؑ

شاہ کہتے تھے چھڑکنے کو نہ دیں گے پانی — اشکِ حسرت مری تربت پہ بہانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے یوں چھوٹتے ہیں ہم تم سے — روئے گا وہ جو سنے گا یہ فسانا زینبؑ
شاہ کہتے ہیں کفن اُس کو بنائیں لاؤ — پیرہن کوئی جو رکھا ہو پرانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے رہے ہم تو اسی جنگل میں — جاکے تم خانۂ زنداں کو بسانا زینبؑ
قید میں کہتی تھیں زینب کہ جو پوچھے کوئی — نام میرا اُسے لوگو نہ بتانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے مرے بعد تم میری جگہ — اپنے سینہ پہ سکینہ کو سلانا زینبؑ
مل گئے خاک میں ہمراہ شبابِ اکبرؑ — حیف میں گیسوؤں میں کرتی تھی شانا زینبؑ
شہ نے خواہر سے کہا فاتحہ دینا مرا — سرد پانی کبھی گرمی میں جو پانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے کہ ہم پیاس بجھائیں کیوں کر — تشنۂ خوں نظر آتا ہے زمانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے وطن جاکے مری جانب سے — خوب بیمار کو سینے سے لگانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے کہ دن کٹ گئے یکجائی کے — آگیا سر پہ جدائی کا زمانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے رہے بخشش امت کا خیال — قید میں ہاتھ دعا سے نہ اٹھانا زینبؑ
شاہ کہتے تھے پس مرگ تو سایا ہو نصیب — نخل کچھ گورِ غریباں پہ لگانا زینبؑ

میں تعشق عوض خونِ شہ دیں صاحب
کیا ہوں مسرور جو دیکھیں وہ زمانا زینبؑ

53

شامیوں سے ہوئے یوں قیدیٔ زنداں رخصت — میزبانوں سے گرسنہ ہوئے مہماں رخصت
یوں ہوئے اہل وطن سے شہِ ذیشاں رخصت — نہ ہو پھولوں سے بہارِ چمنستاں رخصت
سلطنت مانگیں شہنشاہ سے جیسے درویش — شہ سے یوں لے رہے تھے صاحبِ ایماں رخصت
بعد قاسم ہوئے عباسِ علی عرض رسا — حوصلہ تنگ ہے اب یا شہِ ذیشاں رخصت
سلطنت نذر میں سلطانِ امم کو دیتے — شہ سے پاتے جو شہادت کی سلیمانؑ رخصت
کہا اکبرؑ نے یہ زینبؑ سے کہ بیٹوں کی طرح — شہ سے دلوائے ہم کو پھوپھی اماں رخصت

کہا زینبؑ نے کہ فرزند تو میرے تم ہو — میں نے دلوائی غلاموں کو مری جاں رخصت
آئے پہلی کو محرم کے تو دسویں کو چلے — میزباں خوش ہیں کہ جلدی ہوئے مہماں رخصت
لکھا صغراؑ نے کہ بھولیں نہ ہماری باتیں — ہم تو اب ہونگے سوئے شہرِ خموشاں رخصت
چھٹ کے زنداں سے جو سجادؑ چلے سوئے وطن — ہوئے دروازے سے ہوتے ہوئے درباں رخصت
جب چلے شہر سے تا حدِ ترخص آ کر — ہوئے تھے قبلۂ ایماں سے مسلماں رخصت
کربلا سے جو کیا قصدِ عدم کا شہؑ نے — نہ ہوا کوئی بجز خنجرِ براں رخصت
چھپنے لگتے ہیں ستارے جو سحر ہوتی ہے — عہدِ پیری میں ہوئے جاتے ہیں دنداں رخصت

اس طرح سوئیں سکینہؑ کہ خبر بھی نہ ہوئی
کون سے دن ہوئے سب قیدیٔ زنداں رخصت

54

لے کے دریا کو نہ کیوں سبطِ پیمبر چھوڑ دے — یہ مزا ہو پیاس کا جس کو وہ کوثر چھوڑ دے
لٹ رہا ہے باغِ شہؑ کہتے ہیں اے بادِ خزاں — کوئی تو میرے گلستاں میں گلِ تر چھوڑ دے
شاہ کہتے تھے خیالِ رنجِ اصغرؑ ہے ضرور — دل میں تھوڑی سی جگہ اے داغِ اکبرؑ چھوڑ دے
آ رہی تھی شمر کو شہؑ کی صدائے دردناک — لوٹ لے سب گھر مرا زینبؑ کی چادر چھوڑ دے
شمر سے زہراؑ یہ کہتی تھیں جگر ہوتا ہے چاک — میرے بچے کا گریباں اے ستمگر چھوڑ دے
روزِ عاشورہ قضا شہزادیوں سے کہہ گئی — آج بھائی کو بہن بیٹی کو مادر چھوڑ دے
بولی ماں سینے سے لپٹا کے علی اصغرؑ کی لاش — جس نے یوں دامن میں پالا ہو وہ کیونکر چھوڑ دے
دل سے فرماتے تھے حضرت آج ایسا صبر کر — نام لینا ظلم کا فوجِ ستمگر چھوڑ دے
حکمِ رب ہوگا ابھی لے خوں بہا شبیرؑ کا — عرش کے پائے کو اے خاتونِ محشر چھوڑ دے
شمر سے بولی سکینہؑ تشنہ کام آرزو — بوند پانی کی نہ دے کانوں کے گوہر چھوڑ دے

غیظ کہتا ہے مٹا دے فوجِ اعدا کا نشاں
رحم کہتا ہے کہ اے سبطِ پیمبرؐ چھوڑ دے

55

اگر ہجومِ غمِ روزگار بڑھ جاتا
دلِ حسینؑ غریب الدیار بڑھ جاتا

جو ابرِ رنجِ شہِ نامدار بڑھ جاتا
محیطِ رحمتِ پروردگار بڑھ جاتا

سُوئے حسینؑ جو آتے خدنگ رُک رُک کر
تڑپ کے آپ دلِ بیقرار بڑھ جاتا

برنگِ آئینہ ہوتے حسینؑ اور بھی صاف
جو شامیوں کے دلوں کا غبار بڑھ جاتا

اگر تمام بنیؑ پیشتر رواں ہوتے
ترا براق مرے شہ سوار بڑھ جاتا

کہا حسینؑ نے اُٹھتا مرے گلوں کا لُطف
اگر زمانۂ فصلِ بہار بڑھ جاتا

تمام ادھر کی صفیں اُس طرف نظر آتیں
جدھر کو دستِ شہِ نامدار بڑھ جاتا

حسینؑ کہتے تھے پھر پیاس کا مزا اُٹھتا
اگر یہ دن مرے پروردگار بڑھ جاتا

دلِ حسینؑ بُجھا تھا یہ تشنہ کامی سے
ہزار بار چراغِ مزار بڑھ جاتا

حسینؑ کہتے تھے سہتا جو اور ہوتے ظلم
مزا یہ جبر میں ہے اختیار بڑھ جاتا

جو کربلا میں پرِ جبرئیلؑ مل جاتے
تو شہرہ بُرشِ ذوالفقار بڑھ جاتا

جو کربلا میں تعشق یہ جسم ہوتا خاک
کمالِ رُتبہ مُشتِ غبار بڑھ جاتا

56

ہو تشنگی دلِ شہِ والا کی آرزو
پیاسے کو جس طرح سے ہو دریا کی آرزو

پیشِ حسینؑ چشمِ تمنا تھے دائرے
خط میں لپٹ کے آئی تھی صغراؑ کی آرزو

شوقِ لبِ حسینؑ زبانِ نبیؐ کو تھا
مریم کو تھی کمالِ مسیحا کی آرزو

فرماتے تھے حسینؑ وہ مرجھاکے رہ گئے
جو پھول تھے نہالِ تمنا کی آرزو

یہ کہتے ہیں حباب لبِ شہ نہ تر ہوئے
روتی ہے پھوٹ پھوٹ کے دریا کی آرزو

ہر سطر کا مدینے سے تا کربلا ہو طُول — لکھے اگر کوئی دل صغراؑ کی آرزو
جائیں نہ کیوں سکینہؑ و اصغرؑ پدر کے ساتھ — زنداں کا شوق انہیں انہیں صحرا کی آرزو
اصغرؑ کو آرہا ہے پسینہ نڈھال ہیں — دل کو ڈبوئے دیتی ہے دریا کی آرزو

پانی سے شہ کو عار ہے عباسؑ مرگئے
بن بن کے اشک بہہ گئی دریا کی آرزو

57

گھر کو چھوڑا شاہؑ نے جنت بسانے کے لیے — کربلا میں آئے تھے دنیا سے جانے کیلئے
ظہر کو زینبؑ سے جب ملنے گئے گھر میں حسینؑ — کوئی ڈیوڑھی پر نہ تھا پردہ اٹھانے کیلئے
صبر یہ تھا مرگ پر باندھی جو اکبرؑ نے کمر — شہؑ نے اُلٹی آستیں لاشہ اُٹھانے کیلئے
کہتی تھی ماں خط مرے اکبرؑ کو تھا پیغام مرگ — یہ جوانی آئی تھی گویا بلانے کیلئے
بڑھتی ہے منت غذا اصغرؑ کی ہوتی ہے شروع — دودھ چھٹتا ہے چلے ہیں تیر کھانے کیلئے
عرش اعظم سے گزر جاتی ہے آہ شاہِؑ دیں — تیر ایسا چاہئے ایسے نشانے کیلئے
تھا سرائے دہر میں اصغرؑ کو رہنا ناگوار — مارتے تھے دست و پا دنیا سے جانے کیلئے
ڈھونڈتے ہیں طائران گنبد قبر حسینؑ — حضرت جبریلؑ کے پر آشیانے کیلئے
کھیلتی تھیں خاک سے طفلی میں زینبؑ بارہا — مشق کی تھی کربلا میں خاک اڑانے کیلئے
کربلا والوں کا ماتم دار تھا جنگل میں کون — رونے کو شبنم ،ہوا تھی خاک اُڑانے کیلئے
بخشش سرورؑ کی بازار عطا میں دھوم ہے — آستیں اُلٹے کھڑے ہیں گھر لُٹانے کیلئے
حضرت سجادؑ راہ شام سے واقف نہ تھے — ہاتھ پکڑے تھی رسن رستہ بتانے کیلئے
صبح سے تا ظہر تھی شہ کو یہ زہراؑ کی صدا — ہم نے پالا تھا تمہیں لاشے اٹھانے کیلئے
سن سے تیر آیا کہ آنکھیں ہو گئیں اصغرؑ کی بند — خوب جھونکا تھا ہوا کا نیند آنے کیلئے

اے تعشق وائے حسرت کچھ نہیں زادِ سفر
ہاتھ خالی بیٹھے ہو دنیا سے جانے کے لیے

58

لطف کرتے ہیں خداوند ضرور آپ سے آپ | کیوں کہوں عفو کرے گا وہ قصور آپ سے آپ
کوئی جنگل مین نہ تھا شمع جلانے والا | قبر شبیرؑ یہ تھا عالمِ نور آپ سے آپ
کوئی ہے خاک کے پتلوں کا بنانے والا | منکرو ہو نہیں سکتے یہ امور آپ سے آپ
تیغ شبیرؑ سے کہتی تھی جو ہے آپ کو ضعف | میان سے میں نکل آؤنگی حضور آپ سے آپ
دل ہے طوفانِ گنہ میں مددائے وارثِ نوحؑ | کوئی کشتی نہیں کرتی ہے عبور آپ سے آپ
آب پیکاں کا سنا تھا نہ کسی سے کبھی نام | شوق کا تھا دلِ اصغرؑ میں وفور آپ سے آپ
شہ سے اکبرؑ نے کہا آپ سناں کیوں کھینچیں | دل اگر لے کے نکل آئے حضور آپ سے آپ
کہا زینبؑ نے یہ بیٹوں سے اجازت کیسی | جان دیدیتے ہیں موقع پہ غیور آپ سے آپ
اثرِ ماتمِ شہؑ قصد کا محتاج نہیں | گر پڑیں اشک نہ کیوں وقتِ سرور آپ سے آپ
دے کے خود حسنِ عمل عجز بھی خود اس نے دیا | وہ بھی بخشے جو کئے ہم نے قصور آپ سے آپ
دل سے پیہم غمِ سرورؑ میں دھواں اٹھتا ہے | کب یہ فام ہوئے گیسوے حور آپ سے آپ
حالِ صغراؑ و شہؑ دیں جو ملا کر لکھا | فرق کوسوں کا ہوا بین سطور آپ سے آپ
گو غریبوں کی لحد پر نہیں ممکن دو پھول | نکہتِ خُلد ہے بالائے قبور آپ سے آپ
نہ چھپی لاکھ چھپائی خبرِ قتلِ حسینؑ | دشت و کہسار میں تھا شورِ نشور آپ سے آپ
کب مٹائے سے نشاں مٹ گئے مظلوموں کے | آئینہ ہوگئے آثارِ قبور آپ سے آپ

اے تعشق تری فریاد سے کیا ہوتا ہے
ایک دن ہے ترے آقا کا ظہور آپ سے آپ

(59)

کرتے ہیں بیکس جو زنداں میں فغاں بیٹھے ہوئے
متصل روتے ہیں باہر پاسباں بیٹھے ہوئے

رو رہے ہیں بادشاہ انس و جاں بیٹھے ہوئے
قبر اصغرؑ کا بناتے ہیں نشاں بیٹھے ہوئے

لُٹ رہا ہے باغ حیدرؑ سامنے شبیرؑ کے
دیکھتے ہیں انقلابِ آسماں بیٹھے ہوئے

ہے شبِ قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ ایسی اُداس
روتے ہیں طائر میانِ آشیاں بیٹھے ہوئے

کون جائے خلد میں اُٹھ کے درِ شبیرؑ سے
دیکھیے سیر گلستانِ جناں بیٹھے ہوئے

خط میں صغراؑ نے لکھا اکبرؑ کو آپ آتے نہیں
اور گنا کرتے ہیں دن ہم ناتواں بیٹھے ہوئے

کہتے تھے سجادؑ آگے بڑھ گیا سب قافلہ
یاس سے دیکھا کیے ہم ناتواں بیٹھے ہوئے

قید سے چھوٹے ہیں عابدؑ شرم سے گردن ہے خم
پاؤں کی کٹوا رہے ہیں بیڑیاں بیٹھے ہوئے

(60)

جو شہ سے حُر طلب عفو کے خیال میں ہے
عطا پکارتی ہے دیر کیا سوال میں ہے

حسینؑ بولے تہِ تیغ جھک کے سجدے میں
مزا عبادتِ معبود کا ملال میں ہے

لحد میں جلوۂ حیدرؑ سے چاند نکلے گا
کمال امید ترقی ہمیں زوال میں ہے

میں نقشِ پا ہوں مرا کفش کن میں ہو مدفن
جگہ غلام کی آقا صفِ نعال میں ہے

تلے ہیں شہ جو وغا پر تو آرہی ہے صدا
جلال میں ہے خدا بھی جو تو جلال میں ہے

نہیں یہ منہ سے نکلتا کہ دو ہمیں پانی
حجاب مالک کونین کو سوال میں ہے

رخِ حسینؑ سے دوں کیا تجھے مثال اے بدر
بڑا یہ داغ کا دھبہ ترے جمال میں ہے

سناں پہ ہے یہ بیاں آفتاب زہراؑ کا
عروج میں جو مزا تھا وہی زوال میں ہے

علیؑ کے لطف سے حاضر جواب ہوں ایسا
حجاب مجھ سے نکیرین کو سوال میں ہے

قبول کر کہ یہ سر ہے فقیر کا ہدیہ | یہ عرض شاہ کی درگاہ ذوالجلال میں ہے
تمام فوج میں حر کی نظر ہے سوئے حسین | ہے ایک آنکھ مگر فرق دیکھ بھال میں ہے

فقیر کو در دولت پہ اب طلب کیجئے
تعشق آپ کا آقا عجب ملال میں ہے

(61)

چمن فاطمہؑ کا قلم دیکھتے ہیں | سلامی عجب رنگ ہم دیکھتے ہیں
عجب رونق بزمِ غم دیکھتے ہیں | بہارِ ریاضِ ارم دیکھتے ہیں
یہاں جوشِ عصیاں وہاں جوش رحمت | گنہ گار لطف و کرم دیکھتے ہیں
چھدا حلق اصغرؑ تو حضرت پکارے | ہمیں ہیں کہ ایسے ستم دیکھتے ہیں
دم سرد بھر بھر کے لاشوں میں حضرت | فلک کی طرف دم بدم دیکھتے ہیں
جو بولا کوئی در پہ بیٹھو نہ صغراؔ | کہا راہ بابا کی ہم دیکھتے ہیں
وہی گھر کبھی تھا خوشی کا مرقع | جسے آج تصویرِ غم دیکھتے ہیں
شہ دیں نے کی جس پہ برسوں ریاضت | اُسی باغ کو ہم قلم دیکھتے ہیں
دمِ ظہر کہتے تھے حضرت بہن سے | تمھیں اور ہم کوئی دم دیکھتے ہیں
تہ تیغ ہر بار گردن اٹھا کر | سوئے خیمہ شاہ امم دیکھتے ہیں
یہ کہتے ہیں قاتل سے دم بھر ٹھہر جا | کہ ڈیوڑھی سے اہل حرم دیکھتے ہیں
یہ کہتے تھے حضرت کہ افسوس اصغرؑ | تم آنکھیں چراتے ہو ہم دیکھتے ہیں

خدا چاہتا ہے تو چل کر تعشق
مزار امام امم دیکھتے ہیں

62

کوئی بھی ہمدم دمِ آخر نہ تھا شبیر کا
دیر تک حسرت سے منہ دیکھا کیے شمشیر کا

نزع میں کہتا تھا حر شدت تنفس کی نہیں
دل مرا دم بھر رہا ہے الفتِ شبیر کا

سب چلے سجاد جب اٹھے پہن کر بیڑیاں
کوچ کا نقارہ نالہ ہوگیا زنجیر کا

تشنگی سے لب چباتے ہیں زباں ہنگام نزع
شاہ لیتے ہیں مزا آبِ دم شمشیر کا

کہتی تھیں رو رو کے یہ بانو اندھیری رات میں
ہے خدا حافظ بیاباں میں مرے بے شیر کا

جس نے چھانی کربلا کی خاک مستغنی ہوا
نقش پا ہر ایک پتلا بن گیا اکسیر کا

خلد میں رکھنا ہو اے رضواں تو وہ جا دے مجھے
سامنا ہو جس جگہ سے روضۂ شبیر کا

اے زہے اخلاق اللہ ری مروت شاہ کی
دل کھنچ آیا جب کھنچا سینے سے پیکاں تیر کا

سخت گیری کر جہاں تک تجھ میں ہو زور اے زمیں
میں بھی رستہ دیکھتا ہوں شاہِ خیبر گیر کا

سر کماں کا جھک گیا سوفار کا منہ کھل گیا
بوجھ ہے گردن پہ خوں اصغرِ بے شیر کا

اے تعشق نام کچھ نکلا نہ میرا روزِ حشر
تھا فقط مرقوم ذاکر حضرتِ شبیر کا

کُل مطبوعہ مراثی	=	۲۷
کُل غیر مطبوعہ مراثی	=	۷
کُل تعداد بند	=	۴۹۱۲
کُل اشعار مراثی	=	۱۴۷۶۶

تعشق کی مرثیہ گوئی

''غزل میں مرثیت اور مرثیہ میں تغزل کی طرف متوجہ کرنے کا جذبہ تعشق کے ہم عصر شعراء میں ایک رجحان کی صورت حاصل کر گیا تھا۔ میر انیس اور مرزا دبیر کے علاوہ تعشق کے بڑے بھائی میر عشق بھی مرثیہ میں غزل کو جگہ دے رہے تھے اور غزل کی رنگینی سے مرثیہ کی دل آویزی میں اضافہ کر رہے تھے۔ تعشق نے اس روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر اس میں امتیاز بھی حاصل کیا۔

تغزل

تعشق کے مرثیوں کی ایک بڑی خصوصیت ان کا تغزل آمیز پیرایۂ بیان ہے۔ انھیں خود بھی غزل کے مضامین سے بڑی دلچسپی تھی، جس کا ایک ثبوت ان کا انتخاب تخلص بھی ہے۔

دل مرا اُلفتِ شبیرؑ سے بھر دے یارب — جو بنے ابر پہ وہ دیدۂ تر دے یارب

جس میں محبوب کا سودا ہو وہ سر دے یارب — رشکِ خورشید ہو وہ داغ جگر دے یارب

خانۂ ماتمِ شبیرؑ بنے گھر میرا

زلزلے آئیں جو تڑپے دل مضطر میرا [1]

الفت شبیرؑ کو محبوب کا سودا سمجھنا تعشق کی تغزل پسند طبیعت کا ہی تقاضا ہے۔ وہ مرثیہ کے شاعر ہیں اور مرثیہ اہلِ بیت کی محبت کا نتیجہ ہے۔ لیکن جس طرح وہ یہاں دعا کر رہے ہیں، وہ

---

1. تعشق۔ افکار تعشق جلد ۱، ص ۳۱

صرف غزل پسند مزاج کی اُپج ہے، انھوں نے اپنے مراثی میں اکثر جگہوں پر غزلیت کے ساتھ حُسن و عشق کی باتیں قلم بند کی ہیں۔ ہجر، فراق، وصال وغیرہ کا تذکرہ وہ اپنے مراثی میں بڑی بے تکلفی سے کر دیتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں غزل کی مروجہ علامتیں استعمال کرتے ہیں:

پروانۂ جاں سوز سوئے شمع رواں ہے　　بلبل کو تلاشِ گلِ تر میں خفقاں ہے
عاشق کو ہے غم آنکھ سے معشوق نہاں ہے　　وہ درد ہے دل میں کہ خفا جسم سے جاں ہے
پروانے کو یاں شغل ہے سوزِ جگری کا
واں شمع میں عالم ہے چراغِ سحری کا [1]

ایک دوسرے مرثیہ میں انھوں نے وصل و ہجر کے مسئلہ پر بڑی دلچسپ باتیں کہی ہیں اور غم ہجر کی کسک کو ایک طرح کی دل آویزی کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے:

سچ ہے دنیا میں شبِ ہجر بلا ہوتی ہے　　دمبدم آرزوئے مرگ سوا ہوتی ہے
آہ سینے کے لیے تیر جفا ہوتی ہے　　دل جلاتی ہے جو ٹھنڈی بھی ہوا ہوتی ہے
زندگی کہتے ہیں دنیا سے گزر جانے کو
دل تڑپتا ہے گلا کاٹ کے مر جانے کو

دونوں آنکھوں سے بہا کرتے ہیں اکثر آنسو　　دل جو امڈے تو بھرے آئیں نہ کیونکر آنسو
ہجر محبوب میں تھمتے نہیں دم بھر آنسو　　جب لیا نام نکل آئے برابر آنسو
بات کرتا ہے جو کوئی تو بری لگتی ہے
سانس لینے میں کلیجے پہ چھری لگتی ہے

کرب میں رات جدائی میں بسر ہوتی ہے　　مے گل رنگ جناں خونِ جگر ہوتی ہے
دل کو تعجیل فراقِ تن و سر ہوتی ہے　　عید ہوتی ہے جو ملنے میں سحر ہوتی ہے
لاکھ روکیں رہِ الفت کے بھلانے والے
جاتے ہیں کوچۂ محبوب میں جانے والے [2]

یہاں کم نظری اور سطحی ذہنیت کے نزدیک شبِ ہجر، تیر جفا، ہجر محبوب، کلیجے پہ چھری

[1] تعشق: براہین غم جلد ا، ص ا　　[2] تعشق: براہین غم جلد ۲، ص ۴۹

لگنا، وغیرہ قابل اعتراض ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر معرکہ کربلا کے پس منظر میں رفقائے حسینؑ کے رویئے کو نظر میں رکھا جائے تو ان اشاروں کی بلاغت کا احساس ہوتا ہے، جس میں مجاہدین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شب عاشور کو پردہ تصور کرتے ہیں جوان کے محبوب (شہادت) سے ہمکنار ہونے میں مخل ہے۔

تعشق نے مرثیہ کی مقدس فضا میں بھی حسن وعشق کی دنیا کی کیفیتیں بڑے لطف سے واضح کی ہیں۔ تعشق اس طرح کے مضامین بیان کرنے میں قدرت رکھتے ہیں۔ فطرتاً ان کا خمیر حسن وعشق کی دنیا کی ترجمانی کرنے کے لیے تیار ہوا تھا۔ ان کو جہاں بھی موقع ملتا ہے غزل کے رنگین مضامین قلم بند کرتے ہیں۔ مرثیہ میں اس طرح کے مضامین کے لیے بہت زیادہ گنجائش نہ تھی لیکن ان کی طبیعت کی رنگینی سکون نہیں لیتی۔ ان کا خود بھی عقیدہ تھا:

لاکھ روکیں رہِ الفت کے بھلانے والے　　　جاتے ہیں کوچۂ محبوب میں جانے والے

مرثیہ میں ہجر وفراق کے مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن غزل اور مرثیہ کی فضا میں فرق ہے۔ غزل میں فراق کے مضامین محبوب کی جدائی اور وصال سے گریز کی بنا پر نظم کیے جاتے ہیں جس میں محبوب کو ستم آرا بتایا جاتا ہے۔ مرثیہ کی جدائی روح وقالب کی جدائی ہے۔ کسی سے کسی کا بھائی یا بیٹا جدا ہو رہا ہے۔ کوئی ماں اپنے بیٹے یا بہن اپنے بھائی کے لیے تڑپ رہی ہے تو کسی کو اپنی مانگ سے صندل الگ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تعشق نے جدائی وفراق کے مضامین خوب نظم کیے ہیں۔ ایک جگہ امام حسینؑ سے نوجوان فرزند کی جدائی لکھی ہے۔ علی اکبرؑ ہم شبیہ رسولؐ بھی تھے اور رسولؐ کے عاشق۔ انھیں دیکھ کر رسولؐ کے فراق کو ایک لمحہ کے لیے فراموش کرلیتے تھے۔ اب یہ نعمت بھی چھن رہی ہے۔ تعشق اس جدائی کا بیان اس طرح کرتے ہیں:

ہنگامۂ فراق تن و جاں قریب ہے　　　وقت وصال دست وگریباں قریب ہے
دن وصل کے گئے شب ہجراں قریب ہے　　　دامن سے چشم، چشم سے داماں قریب ہے
حسرت سے جانب رخ روشن نگاہ ہے
چھپتا ہے چاند آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے [1]

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ۲، ص ۴۰

اس سلسلہ میں تعشق نے ان تمام علامتوں اور تمثیلوں کو بھی استعمال کیا ہے جو غزل کے بیان کے لیے مخصوص قرار دی جاتی ہیں۔ ان کے مراثی میں گل و بلبل، قمری و صنوبر کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ تعشق نے مراثی میں حسن و عشق کی دنیا سے وابستہ الفاظ استعمال کیے ہیں اور انھیں استعارہ کے طور پر بیان کر کے اپنے بیان میں زیادہ قدرت پیدا کر دی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عشاق کو معشوق سے لازم ہے سروکار [1] ۔۔۔ پر جرأت و ہمت کی یہ ہے شاہ سے گفتار

بانو سے یہ گویا ہوئے شاہنشہِ اکرم [2] ۔۔۔ معشوق کی الفت متقاضی ہوئی جس دم

قمری نہ کوئی سرو و صنوبر سے جدا ہو [3] ۔۔۔ یارب کوئی بلبل نہ گلِ تر سے جدا ہو

حسن و عشق کی دنیا میں فلک کج رفتار اسی نیرنگیوں کی وجہ سے ایک خاص اہمیت کا مالک ہوگیا ہے۔ عاشق کا خیال ہے کہ اس کی زندگی میں جو تلخیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی بڑی ذمہ داری پیر گردوں پر ہے۔ افراد اور سماج کے مظالم سے پریشان ہو کر عشاق آسمان کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس طرح ان کی تسکین کا سامان ہو جاتا ہے۔ مرثیوں میں فوج یزیدی کے مظالم کے سلسلہ میں پیر فلک کی شکایت کو استعارہ کرنے کی روایت تعشق کی ایجاد ہے جو انھیں غزل سے حاصل ہوئی ہے:

تیرے جگر میں نشترِ غم کی کسک نہیں ۔۔۔ کچھ قدر داغِ ہجر تجھے اے فلک نہیں

سینے میں ایک داغِ فراق آج تک نہیں ۔۔۔ الفت کی درد کی ترے دل میں چمک نہیں

ہر ایک سے ہر ایک کا پیارا جدا ہوا
تجھ سے کبھی نہ ایک ستارا جدا ہوا [4]

تعشق کے مراثی کا تغزل آمیز پہلو بہت ہی دلچسپ ہے۔ ان کے مضامین میں تنوع بھی ہے اور ندرت بھی۔ یہ ندرت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب مرثیہ اور غزل کے باہمی تضاد پر نظر ڈالی جائے۔ مرثیہ کے مضامین ایک طرح کی مقدس فضا میں پرورش پاتے

۱۔ تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۳۷۔
۲۔ تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۳۷
۳۔ ایضاً ایضاً ص ۱۱۳
۴۔ تعشق: افکار تعشق، جلد ۱، ص ۹۱۔

ہیں جس میں عقیدہ اور روحانیت کی اہمیت ہے۔ دوسری طرف غزل کے مضامین کے محرک مادی جذبات ہوتے ہیں۔ اس میں جنسیت اور تعیش کا دخل ہوتا ہے۔ اس طرح ان متضاد مضامین کو یکجا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ تعشق نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ انھوں نے غزل اور مرثیہ کے موضوعات کے اختلافات اور تضاد کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ان کو ایک میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

ہنسنے اور رونے کی باتیں ساتھ ساتھ پیش کرنے میں تعشق نے بہت کامیابی حاصل کی۔ انھوں نے مصائب کے ان دشوار گزار موقعوں پر بھی تغزل سے لبریز مضامین قلم بند کیے ہیں۔ یہ فن کی بلند ترین منزل ہے۔ اس نزاکت کا اندازہ اس وقت اور شدید ہوتا ہے جب کہ معرکہ کربلا کی المناکی کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ امام حسینؑ کی ذات ایک مظلوم کی طرح مرثیہ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ دشمنوں کا ایک سردار حُر امام حسینؑ کی حقانیت سے مجبور ہوکر ان کی طرف آن ملتا ہے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرکے میدان قتال میں زخمی ہوکر امام حسینؑ کو مدد کے لیے پکارتا ہے۔ تعشق اس مضمون میں بھی تغزل کے پہلو کو نظم کرتے ہیں اور اتنی کامیابی سے کہ ان کی فنکاری کی بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ امام حسینؑ حُر کی لاش کے قریب پہنچتے ہیں۔ حُر عالم غشی میں ہیں۔ تعشق ایسے موقع پر کہتے ہیں:

جُھک کے ہشیار کیا غش میں جو پایا اس کو
لخلخہ گیسوئے مشکیں کا سنگھایا اس کو [1]

یہ بیان اس وقت سے متعلق ہے جبکہ حُر موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ایسے وقت میں جانِ رسولؐ کے گیسوئے مشکیں کا تذکرہ کرنا صرف شاعر کی تغزل پسند طبیعت کا تقاضا تھا۔ تعشق کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ایسے غمناک بیانوں میں بھی غزل کے مضامین کو اس طرح جگہ دی ہے کہ ان سے لطف بیان کے ساتھ اس کی المناکی میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایک دوسری جگہ بہت ہی نازک موقع پر انھوں نے غزل کا سا انداز بیان اختیار کیا ہے۔ امام حسینؑ کے شیر خوار بچے علی اصغر کے بارے میں کہتے ہیں:

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ا، ص ۶۰

ضعف آنکھوں پہ صدمے عرق آنے سے بڑے ہیں
نرگس کے ہیں دو پھول کہ پانی میں پڑے ہیں [1]

غزل کے مضامین مصائب میں اس خوبی سے داخل کرنا کہ موضوع کی سنجیدگی اور تاثر میں کمی کے بجائے ترقی ہوجائے۔ ایک اعلیٰ فنکار کا کام تھا۔ انھوں نے تغزل کے مضامین صرف ندرت کے خیال سے پیش نہیں کیے بلکہ اس کے پس منظر میں ان کے دور کی سماجی زندگی کا تقاضا بھی تھا۔ تعشق نے تغزل کو اپنی فن کاری کے اظہار کا ذریعہ بھی بنایا اور مصائب کے موقعوں پر نظم کرکے اپنی جودت طبع کا ثبوت بھی دیا۔

تعشق نے ان محرکات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے مراثی میں ایسی کیفیت پیدا کی جس میں موضوع کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سماج کے مذاق کا بھی سامان مہیا ہوجاتا تھا۔ ان کے مراثی کے تغزل آمیز بیان نے ان محفلوں میں نئی روح پھونک دی۔ تعشق بھی دوسرے مرثیہ نگاروں کی طرح گھوڑے کی تعریف، تلوار کی مدح سرائی اور بہار وصبح کے مضامین کی طرف بڑی آن بان سے متوجہ ہوئے اور لوگوں کو اپنے فن کا معترف بنادیا۔

تعشق کے تمام مرثیوں میں گھوڑے اور تلوار کی تعریف یا صبح کے پُر بہار مضامین کا تذکرہ نہیں ہے۔ ہر ایک مرثیہ کی تمہید میں ربط مصائب کے اعتبار سے اس کے لیے گنجائش نکالی جاتی ہے۔ لیکن جہاں بھی انھوں نے گھوڑے یا تلوار کی تعریف یا صبح کے پر بہار مناظر کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا انداز بیان غزل سے متاثر ہوتا ہے۔ تعشق کے مراثی میں یہ ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔

مرثیہ میں تلوار کی تعریف تعشق کے علاوہ اور لوگوں نے بھی لکھی ہے لیکن تعشق کے انداز بیان میں تغزل کی رنگینی زیادہ دل چسپی پیدا کردیتی ہے۔ یہ تلوار تعشق کی نظر میں آلاتِ حرب کی ایک قسم ہی نہیں ہے بلکہ کسی کے مژگاں کی طرف بھی اشارے کرتی ہے۔ انھوں نے بعض اوقات اس تلوار کو بھی محبوب کا درجہ عطا کردیا ہے۔ اس کی سختی میں بھی لوچ ہے۔ ایک ناگن ہے جو ڈسنے کے بعد بل کھا جاتی ہے۔ اس کے انداز لوگوں کے دلوں پر قہر کی بجلی گراتے

---

[1] تعشق، براہین غم جلد ۳، ص ۱۷

ہیں۔ جدھر سے یہ تلوار مسکراتی ہوئی گزر جاتی ہے، لوگ اپنی جان اس پر سے قربان کر دیتے ہیں۔ کتنے اس کی اداؤں سے مبہوت ہو کر اپنی جان تک گنوا دیتے ہیں لیکن اس پر اثر نہیں ہوتا۔ غزل کے عام محبوبوں کی طرح اس کی نگاہیں خشمگیں بھی ہوتی ہیں۔ لطف کا پہلو یہ ہے کہ محبوب میں تو چاہے یہ خصوصیات روایتی ہوں لیکن تلوار کے لیے یہ خصوصیات فطری اور حقیقی ہوتی ہیں۔

تعشق کے مراثی کی تلوار ان کے سماج کی ایک روایتی محبوبہ ہے جو کسی ایک کی ہو کر نہیں رہ سکتی۔ اس کے مراسم کتنوں سے ہوتے ہیں۔ اپنے برتاؤ میں ایک امتیاز رکھتی ہے۔ جس کے گلے میں اس نے اپنی محبت کی باہیں ڈالیں، اس کی زندگی کا سلسلہ قطع ہو گیا:

کاٹھی سے یوں اُگلتی ہے تیغِ امام دیں   جیسے حسیں بگڑ کے چڑھاتے ہیں آستیں
شانے پہ ہاتھ رکھتی ہیں باہیں ابھی نہیں   گردن کے خم کو دیکھ کے بسمل ہیں اہل کیں

کیونکر نہ بانکپن کی ہوں باتیں سپاہ سے
معشوق ذبح کرتے ہیں ترچھی نگاہ سے [1]

وہ تیغ یوں جدا ہوئی کاٹھی سے خشمگیں   جیسے بگڑ کے اٹھتے ہیں پہلو سے نازنیں
تھا میان اس کی ہجر میں دل کی طرح حزیں   روتا ہے جیسے منہ پہ کوئی لے کے آستیں

ایما یہ تھا کہ رشتۂ دامن پہ ہاتھ ہے
خالی ہے جسم جان مری تیرے ساتھ ہے

باتیں ہیں ساز باز کی ہر فتنہ ساز سے   ملتی ہے ایک ایک سے کس امتیاز سے
فقرے ترس رہے ہیں زبانِ دراز سے   بیٹھی جہاں کرشمہ و انداز و ناز سے

لی جان ہاتھ گردنِ ظالم میں ڈال کے
پہلو سے لے گئی جگر و دل نکال کے [2]

کم نہ تھا موت کی آمد سے وہ آنا اس کا   اپنے کشتوں سے وہ منھ پھیر کے جانا اس کا
جو کہ چھپتا ہے بہت سہل ہے پانا اس کا   خود قضا بڑھ کے دبا دیتی ہے شانا اس کا

---

[1] تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۲۶   [2] تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۳۱

ہے یہ ایما پئے قتلِ ستم آرا کافی
سچ کہا ہے کہ ہے عاقل کو اشارا کافی

کبھی مغفر میں کبھی کاسۂ سر میں ڈوبی کبھی پتلی کی طرح دیدۂ تر میں ڈوبی
سینے سے دل میں گئی دل سے جگر میں ڈوبی کیں ستم گر سے یہ باتیں تو سپر میں ڈوبی

کیا کہوں کیا ہے مری ضرب کڑی او ظالم
رات چھوٹی ہے کہانی ہے بڑی او ظالم

لگ گئی آگ ہوا جس طرف آئی اس کی آج تک برق نے گرمی نہیں پائی اس کی
پنجۂ مہر سے روشن تھی کلائی اس کی فوجِ اعدا کو قضا تھی کج ادائی اس کی

تھی عجب حسن کی گرمی کہ نظر جلتی تھی
کھنچ کے چلنے میں کلیجوں پہ چھری چلتی تھی

اک طرف گرمی حسن ایک طرف گرمیِ ناز آگ پانی میں لگا دیتی تھی وہ شعبدہ ساز
جب گری سنگ پہ اس کو بھی کیا اس نے گداز آئی جھنکار سے اللہ غنی کی آواز

چور تھا صورتِ بت جو ستم ایجاد آیا
یوں سرِ کفر کو توڑا کہ خدا یاد آیا [1]

اپنے کشتوں سے وہ منھ پھیر کے جانا اس کا ''رات چھوٹی ہے کہانی ہے بڑی او ظالم'' ''کھنچ کے چلنے میں کلیجوں پہ چھری چلتی تھی''، ''اک طرف گرمئی حسن ایک طرف گرمئی ناز'' کی طرح کے فقرے تعشق نے اس خوبصورتی سے استعمال کیے ہیں کہ تلوار کی حقیقت سے بعید بھی نہیں اور ان میں تغزل کی وہ مخصوص جھلک آ گئی ہے جو کسی بھی غزل کے لیے لطف کا سامان ہو سکتی ہے۔ اس طرح کے اور اشارے بھی اوپر کے بندوں میں موجود ہیں اور کلام تعشق میں بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔ جن سے ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تعشق کی جدت پسند طبیعت نے اپنے عہد کے مذاق تغزل سے متاثر ہو کر مرثیہ میں اپنے لیے کون سا نیا راستہ نکالا۔

---

[1] تعشق، افکار تعشق جلد اول، ص ۵۲

تلوار کے علاوہ میدان جنگ میں گھوڑے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ تعشق کے ذہن میں یہ بات ہے کہ سپاہی کو اپنا گھوڑا بھی جان کی طرح عزیز ہوتا ہے کیونکہ میدان جنگ میں اس کے کارناموں اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت میں اس کا بھی بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ تعشق کا سماج جنگ جوئی سے زیادہ بزم آرائی کی طرف متوجہ تھا۔ اس لیے میدان جنگ کے محبوب کے بیان میں بھی رونق انجمن کی اداؤں کی جھلک آگئی ہے جس سے اور سامعین کے تفنن طبع کا سامان بھی ہو جاتا ہے:

چل گئی تیغ صفِ اہلِ جفا لوٹ گئی　　عجب انداز سے دوڑا کہ ہوا لوٹ گئی
مرغ بسمل کی طرح روح ہما لوٹ گئی　　ہر پری دیکھ کے انداز و ادا لوٹ گئی

طرح پامالیٔ افلاک کی ڈالی اس نے
بے پری میں نئی پرواز نکالی اس نے

درِ جنت کبھی کھلتے تھے کبھی ہوتے تھے بند　　آنے جانے میں جو تا خلد ہوا تھا وہ سمند
چوٹیاں پھینکتی تھیں سدرہ وطوبیٰ پہ کمند　　عجب انداز سے تھی گردنِ پرنور بلند

دم کے اٹھنے میں فلک تک جو گذر ہوتا تھا
سرِ خورشید درخشاں پہ چنور ہوتا تھا

صورتِ زلف ہے بل کھانے کی عادت اس کو　　پاؤں رکھنے نہیں دیتی کہیں سرعت اس کو
یہ وہ آہو ہے کہ سایہ سے ہے وحشت اس کو　　کوچۂ تنگ ہے صحرائے قیامت اس کو

تازیانے کو نہ کیوں ننگ وہ گھوڑا سمجھے
اپنی گوندھی ہوئی چوٹی کو جو کوڑا سمجھے [1]

تعشق نے گھوڑے کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس کی چال ڈھال اور صورت و سیرت کی دلکشی ایک خوش رو اور حسین انسان کا تصور پیش کردے۔ ان کے مراثی میں گھوڑے کو پری کہا گیا ہے جس کے ناز و ادا پر دشمن بھی قربان ہوتے ہیں۔ یہ گھوڑا اپنی فطرت کے مطابق جری ہوتا ہے اور زمین کے ساتھ فلک کی بھی خبر لاتا ہے۔ تعشق اس کے تگ و پو کے

---

1. تعشق افکار تعشق جلد ۱ ص ۵۰

بیان میں ایسا ماحول تیار کرتے ہیں کہ چاروں طرف حسن و عشق کی تصویریں فضا میں بکھر جاتی ہیں۔ گھوڑا ایک حسین دلہن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

جب یال اڑی نکہتِ مشکِ ختن آئی　　بن کر جو چلا سب نے یہ جانا دلہن آئی
مہکی ہوئی پھولوں میں ہوائے چمن آئی　　فرحت ہوئی روحوں کو جو بوئے بدن آئی

چلنے میں عجب طور ہیں اس رشکِ پری کے
کچھ تیز ہیں جھونکوں سے نسیمِ سحری کے

محبوب وہ سینہ دلِ معشوق میں ہو درد　　چہرہ ہے وہ چہرہ کہ پری دیکھ کے ہو زرد
دم ہے چنور اس کی نہ کلغی پہ جمے گرد　　آفاق کے گھوڑوں سے پس و پشت میں ہے فرد

دم دیتے ہیں طاؤس چمن چال کے اوپر
سایہ دُم رہوار کا ہے یال کے اوپر

اس کے تو ہر اک روئیں پہ قرباں ہو تجمل　　سنبل کو پریشان کریں چوٹیوں کے بل
وہ شوخ ہیں آنکھیں کہ نہ ٹھہرے کبھی کاجل　　سینے کی صفائی سے ڈھلی جاتی ہے ہیکل

جانوں کو اشارے میں لیے جاتی ہیں آنکھیں
آنسو کی طرح دل کو پیے جاتی ہیں آنکھیں[1]

تعشق نے اسی تصور کے پس پشت رزم کی شوکت، ہیبت اور خطرات میں بھی دل فریبی محسوس کی ہے۔ تیروں کی سنسناہٹ کو نسیم سحری کی طرح خوشگوار تصور کیا ہے۔ انھوں نے موت کی المنا کی بھی لطف کے ساتھ محسوس کی ہے کیونکہ یہ موت ان کے عقیدہ کے مطابق حیات جاوداں کا سرچشمہ ہے۔ ایک جگہ جنگ کے بیان میں تغزل کی دل آویزی ملاحظہ ہو:

لیلیٰ جاں نے ہوا کے لیے پردا الٹا　　آنکھیں الٹیں دل کفار کچھ ایسا الٹا
تشنہ کامی کا لعینوں کو ہے شکوا الٹا　　دل جگر جل گئے دل اہل جفا کا الٹا

شہ کے نعرے ہیں کہ پیاسے جو عوض لیتے ہیں
دم میں یوں دفتر عالم کو الٹ دیتے ہیں

---

1. تعشق: مراثی تعشق جلد ۳، ص ۱۲۶

جو سپر روک کے حضرت کے مقابل آیا غُل ہوا ابر حضور مہِ کامل آیا
ڈھال میں ڈوب کے پھل تیغ کا تا دل آیا رات بھر چل کے مسافر سرِ منزل آیا

کہا ظالم سے کہ جاں اب تری ہم لیتے ہیں
شب کو جو چلتے ہیں وہ صبح کو دم لیتے ہیں [1]

جنگ کی دہشت ناکی اور موت کی یلغار میں وہ انداز و ناز جس میں تکلیف واذیت کی کیفیتیں بھی حسن وعشق کی روایتی علامتوں سے تشبیہ دی جاسکیں، تعشق کے مراثی کا کارنامہ ہیں۔ جنگ کی ابتری اور فوج یزیدی کی ہزیمت کا بیان کتنا ہی لطیف ہوجاتا ہے جب اس میں مجاہد کی آنکھوں کے الٹنے سے دشمن کے دل کا الٹنا بیان کیا جائے اور اس ہیئت میں ان کے دل وجگر کا جلنا قلم بند ہو۔ تعشق رزم کے تمام نازک موقعوں پر بھی تغزل سے لطف بیان پیدا کردیتے ہیں۔ متذکرہ بالا مثال میں انھوں نے مجاہد کے بدلے میں دشمن کے آنے کو بہت ہی لطیف پیرایہ میں پیش کیا ہے اور مہِ کامل کے مقابل میں ابر سیہ کا آنا کہا ہے۔ ڈھال رات ہے، تلوار مسافر ہے، اور دل اس کی منزل ہے۔

تعشق نے جنگ کے مجموعی بیان کے علاوہ انفرادی جنگ کی تصویر کشی کی ہے جس میں ایک فریق امام حسینؑ کی طرف کا ہے اور دوسرا فوج یزیدی کا۔ اس جنگ کی گہما گہمی میں انھوں نے تغزل سے کام لے کر ایک نیا لطف پیدا کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ حضرت علی اکبرؑ کے مقابل میں ان کے دشمن کی جنگ، تغزل سے لبریز ہوکر اس طرح سامنے آتی ہے:

چلہ ہنوز کھنچ کے نہ آیا تھا تابہ گوش بڑھ کے چلی حسام جہاں سوز و شعلہ پوش
بجلی گری کڑک کے کماں ہوگئی خموش مانند مرغ تیر اڑے بے حیا کے ہوش

کیا طائر خدنگ کی قسمت الٹ گئی
پر بھی، گلا بھی، شاخ نشیمن بھی کٹ گئی [2]

تعشق نے مرثیہ کے دوسرے پہلوؤں کی طرح سراپا کے بیان میں بھی تغزل کو رہنما بنایا اور مجاہد کے قد و گیسو، چشم و ابرو، لب و دنداں، اور خد و خال کا بیان اس انداز سے کیا کہ

---

[1] تعشق: دور تعشق ص ۱۶۵ [2] تعشق: افکار تعشق جلد ۱ ص ۱۱۰

غزلیت کی پرچھائیں چاروں طرف واضح طور پر نمایاں ہونے لگی۔ لیکن یہ بات مدنظر رہے کہ انھوں نے سراپا کے بیان میں تغزل آمیزی کے باوجود مرثیہ کے بنیادی مقصد اور اس کی رثائیت پر توجہ رکھی ہے۔ ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے کہ سامعین کا ذہن اپنے موضوع سے بیگانہ نہ ہونے پائے۔ ایک جگہ امام حسینؑ کا سراپا بیان کرتے ہوئے مختلف تشبیہوں، سنبل و مشک کا ذکر، گرد اور خونِ جگر کے تذکرہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور بال بال سے دم کا کھنچنا اور موزے کے پیہم پیچ و تاب کے ساتھ گیسوؤں کی موشگافیوں کا تذکرہ بہت ہی دلچسپ انداز میں کیا ہے:

سنبل پہ رشک زلف نے ڈالی ہے گرد غم　　کہتا ہے مشک خونِ جگر پی رہے ہیں ہم
رگ رگ کے بال بال سے یوں کھنچ رہا ہے دم　　موزے ہیں پیچ و تاب میں مانند موقلم
صدمے سے تن میں صورتِ مژگاں کھلے ہوئے
کیا موشگافیوں پہ ہیں گیسو تلے ہوئے

رخسار پر ہیں بال عجب پیچ و تاب سے　　پیدا کیا ہے مشک کو حق نے گلاب سے
نکلی ہے شب سمت کے مگر آفتاب سے　　ایما ہے شمع رخ کا یہ اہل عذاب سے
تم کیا کرو گے قطع نباہ اس کے ہاتھ ہے
اے شامیو! یہ رات مرے سر کے ساتھ ہے

لوحِ جبیں میں درج ہے جو شانِ حُسن ہے　　سارا اس ایک فرد میں عنوان حسن ہے
اس کی ہر اک شکن خطِ فرمانِ حسن ہے　　یکتا ہے وہ جو صاحب دیوان حسن ہے
پیوستہ ابروؤں نے عجب حسن پائے ہیں
مصرع غضب کے مصرعۂ قد پر لگائے ہیں

پلکوں کے رخ ہیں ابروئے خمدار کی طرف　　سرباز جس طرح سے ہو سالار کی طرف
رغبت سپاہیوں کو ہے تلوار کی طرف　　مائل ہیں کچھ بھوئیں گل رخسار کی طرف
دو کج ادا چمن میں ہیں یک جا رکے ہوئے
آنکھوں کے پھول اٹھاتے ہیں گویا جھکے ہوئے[1]

---

1. تحقیق ، ابراہین غم جلد ۳، ص ۱۷۔

مرثیوں میں سراپا غزل کے سراپا سے مختلف ہے۔ یہاں چہرے اور خدوخال کے ساتھ میدان جنگ کی نزاکت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اسی لیے مرثیوں میں پیرایہ بیان بیانیہ نہ ہو کر فخریہ ورجزیہ ہوتا ہے۔ تعشق نے اس سلسلہ میں آلات حرب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے:

تازہ ہے یہ انداز ایجاد نیا ہے
دیکھو کہ سراپا میں لڑائی کا مزا ہے [1]

حضرت علی اکبرؑ کا سراپا بیان کرتے ہوئے تعشق رقم طراز ہیں:

ہبر سپہ شام رسن ہوگئے ہیں بال   تھے کھینے کو دانا نہ چلا ان سے کوئی جال
الجھن ہے کہ سب فوج ہوئی جاتی ہے بے حال   لٹتے ہیں سر شام سیہ کار و بدافعال
بالوں کی کمندوں کا لعینوں کو گلا ہے
چلتے ہیں اندھیرے میں یہ اندھیر نیا ہے [2]

متذکرہ بالا مثال میں تغزل کے ساتھ ساتھ رعایت لفظی اور ضلع جگت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تعشق کے مراثی کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے دور کی پسند کا آئینہ بھی ہیں۔ ان کے مراثی میں غزلیات کی فراوانی بعض اوقات نقصان بھی پہنچاتی ہے۔ مرثیہ میں اظہار فن کی یہ خواہش کہیں لطف کلام بھی زائل کردیتی ہے اور شاعر دل کے بجائے دماغ کی مدد سے اشعار قلم بند کرنے لگتا ہے۔ کلام میں اثر کے بجائے صنائع بدائع کے استعمال پر زور نظر آتا ہے۔

مرثیوں کے علاوہ قصیدہ اور مثنوی میں بھی ایسے ہی سراپا ملتے ہیں۔ تعشق نے بھی روایتی انداز میں اسے قبول کیا ہے۔ چنانچہ ایک مرثیہ میں جناب علی اکبرؑ کا سراپا اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

نافہم ہیں وہ جن کو دہن کی ہے جستجو   سن صاف صاف ہم سے اگر پوچھتا ہے تو
ہے یا نہیں ہمیں خود اسی میں ہے گفتگو   اس قرب پر ہے دیکھنے کی ہم کو آرزو

---

[1] تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۸۱   [2] تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۸۱

تیرا فقط یہ حال نہیں ہے فراق میں
دل ہے یہاں دونیم اسی اشتیاق میں

اس آئینہ میں شانِ خدا آشکار ہے سینے میں دل نہاں ہے صفا آشکار ہے
کیا صاف شکل مہرو وفا آشکار ہے جو کچھ ہے حسن صبر و رضا آشکار ہے

ناف و شکم تک اس کے ہیں قائل، ہمیں نہیں
سب تو ہیں پُر نشان کمر کا کہیں نہیں [1]

تعشق کے مرثیوں کے تغزل کے مطالعہ کے سلسلہ میں 'شراب محبت' کا بھی تذکرہ آتا ہے۔ غزل میں شراب کا بیان عام ہے مگر مرثیہ میں ساقی کو پکارنا خالص لکھنوی مرثیہ گویوں کی خصوصیت ہے۔ مصائب کا بیان مرثیہ کا تو موضوع ہی ہے لیکن اس کا مسلسل ذکر بار خاطر بھی ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ طبیعت بار بار انھیں باتوں کو سنتے سنتے ایسی بددل ہوجاتی ہے کہ لطف کے بجائے بے لطفی پیدا ہونے لگتی ہے۔ اسی لیے مرثیہ نگاروں نے ایسے مواقع پیدا کیے ہیں جس سے اس خشکی کا ازالہ ہوسکے۔ مرثیوں میں 'ساقی نامہ' کے ایجاد کا سہرا تعشق کو نہیں ہے اور نہ انھوں نے اس کے لیے کوئی خاص اہتمام ہی کیا ہے مگر مصائب کے بیان میں وہ بھی ساقی مے خانہ کو پکار اٹھتے ہیں:

ساقیا عقدہ کشا تو ہے مدد چاہیے اب خوب رویا ترے پوتے کی کہی جب رخصت
دل پہ چھائے ہوئے ہیں ابر غم و رنج و تعب جام مے دے مجھے تا نشہ میں لکھ جاؤں سب

فوج کیں دشت میں ٹھہرے نہ ترائی میں رکے
کہ مری تیغ طبیعت نہ لڑائی میں رکے

تو نے ٹالا نہ کبھی حکم پیمبرؐ ساقی کردیا دشت میں کشتی در خیبر ساقی
کم نہ ہونشہ وہ دے جا مجھے ساغر ساقی بدلے اک بیت کے دے خلد میں اک گھر ساقی

شہرہ ہوجائے مرا میکدۂ دنیا میں
مثل مے خون حریفوں کا بہے صحرا میں

---

[1] تعشق۔ افکار تعشق جلد ۲، ص ۵۴

پی تھی ساقی کی محبت کی جو مئے روزِ الست　　آج تک نشہ اسی کا ہے جو رہتا ہوں مست
دیکھے زاہد جو مرا جوش نہ ہو ہمت پست　　مجھ سے بیعت کرے ہو میری طرح بادہ پرست
میرے ساقی کی طرف دل سے جو مائل ہو جائے
مرتبہ میری طرح اس کو بھی حاصل ہو جائے [1]

تعشق نے ایک کامیاب غزل گو کی حیثیت سے بھی اہمیت حاصل کر رکھی تھی۔ انھوں نے اپنے دور کے سماجی رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے مرثیہ میں غزل کے مضامین پیش کیے اور اس طرح فن مرثیہ نگاری میں ایک نئے پہلو کو اپنے زورِ طبع سے آگے بڑھایا۔ حالانکہ ان کے پہلے بھی مرثیہ میں تغزل کو جگہ دی گئی تھی لیکن تعشق نے اس پر جیسا زور دیا اور اس میں جو وسعتیں پیدا کیں، وہ دوسروں کے یہاں نہیں ہے۔ تعشق نے تغزل کو اپنے مراثی کا حسن سمجھا اور اس سلسلہ میں متعدد کامیاب تجربے کیے۔ ان کے اس انداز بیان کی کامیابی کا احساس اس وقت اور زیادہ واضح ہوتا ہے جب ان کا انداز ایک روایت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ تعشق کے بعد تقریباً تمام مرثیہ گویوں نے غزل کے مضامین بڑی بے تکلفی سے نظم کرنا شروع کر دیے۔ یہ بھی ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

منظر نگاری:

تعشق کا دور آتے آتے منظر نگاری کو مرثیہ میں مستقل جگہ حاصل ہو چکی تھی۔ اس دور کے تمام ممتاز مرثیہ گو اپنے کلام میں نیچر کی تصویر کشی کو اہمیت دیتے تھے۔ اس کی کئی وجہیں تھیں۔ مرثیہ نگار اپنے بیان کو ہمہ گیر بنانے کے لیے نیچر کی امداد حاصل کر رہا تھا۔ کبھی وہ نیچر کی دل فریبی پیش کرتا اور کبھی اس کے ردِعمل سے جذبات حزنیہ کو مشتعل کرتا تھا۔ مرثیہ نگار نیچر کا بیان پیش کرتے ہوئے اس کو عقیدت کی نظروں سے بھی دیکھتا اور اسے تمام کائنات صدقہ محمدؐ و آل محمدؐ معلوم ہوتی۔ ایسی صورت میں اہل بیت رسولؐ کے مصائب بیان کرنے میں اسے بہترین تمہید مل جاتی۔ ساتھ ہی سامعین کو مسلسل غم کی باتیں سننے سے جو تھکن محسوس ہوتی، اس

---

1. تعشق: دور تعشق ص ۱۰۳

کا مداوا بھی ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں فن کاری کی بھی ضرورت ہوتی کہ واقعات کا تسلسل کہیں سے مجروح نہ ہونے پائے، ورنہ مرثیہ نگار موضوع سے بے گانہ ہو کر غلط راہ پر گامزن ہو جاتا۔ اسی طرح اگر مرثیہ کو مستقل اور متواتر غم ناکی کی جولاں گاہ بنا دیا جاتا تو بھی اس کی افادیت مجروح ہو جاتی۔ بقول ڈاکٹر حامد حسین بلگرامی:

''مرثیہ کا وہ مقصد کہ روح کے لیے باوجود ان مصائب کی فراوانی
کے ایک قسم کی بصیرت اور قلب کے لیے تزکیہ نفس کا باعث ہے،
فوت ہو جاتا۔''[1]

تعشق نے مرثیہ کی اس ضرورت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ انھوں نے اپنے مراثی میں مناظر قدرت کی عکاسی کرتے ہوئے اس کے غمناک پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ صحرائے کربلا کی تصویر کشی اتنی کامیابی سے کریں کہ وہ تصویر غم والم کی حکایت کا مظہر بن جائے۔ کربلا کے گل آنکھوں میں مقتل کا منظر پیش کر دیں۔ سامنے نہر فرات ہو اور اس کے گرد و پیش شہدا کی بے گور و کفن لاشیں پڑی ہوں۔ انھوں نے اپنے ایک مرثیہ میں وضاحت کے ساتھ اپنا مدعا بتایا ہے:

کھینچ اے قلم مرقعۂ صحرائے کربلا ہر ایک کی نگاہ میں پھر جائے کربلا
کھب جائیں سب کی آنکھوں میں گلہائے کربلا لہرا رہا ہو سامنے دریائے کربلا
سرخی کے مدھوں دوش پہ ایسے پڑے ہوئے
مقتل میں جس طرح سے ہوں لاشے پڑے ہوئے[2]

اس سلسلہ میں انھوں نے اپنے ممتاز معاصر مرثیہ نگاروں کی طرح مناظر کو آفاقی کیفیتوں کا مظہر بنانے کی کوشش کی۔ تعشق کے مرثیوں میں صبح کا منظر ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ ملک کے گلستاں میں اس کی بہار دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کے یہاں گرمی کے موسم کی جو کیفیت نظم کی گئی ہے، وہ عرب کے علاوہ دیگر گرم ممالک میں بھی نظر آتی ہے۔ مناظر قدرت کے عمومی ہونے کی بنا پر تعشق جن علامتوں کا ذکر کرتے ہیں وہ کسی مخصوص سرزمین ہی

---

1. حامد حسن بلگرامی: اردو کی نیچر شاعری ص ۲۰۶ 2. تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۱

تک محدود نہیں ہوتیں۔ ان کے مراثی میں صبح کے منظر میں عنادل، قمری، سرو، صنوبر اور گرمی کے منظر میں شیر، کچھار، آہو، ماہی وغیرہ کا تذکرہ اسی نظریہ سے کیا جاتا ہے۔ تعشق کی منظر نگاری میں اس تعمیم نے بڑی دلچسپی پیدا کردی ہے جس میں ان کا تغزل آمیز انداز بیان بہت ہی لطف پیدا کردیتا ہے:

وہ سحر اور وہ گلزار حسینی کی شمیم ـــ لوٹی پھرتی تھی سبزہ پہ ہر اک سمت نسیم
تھی لب جو پہ یہ تسبیح کہ اے ربّ کریم ـــ محسن خلق ہے تو، ہے ترا احسان قدیم
جوش پر معرفتِ حق تھی سمندر کی طرح
دل حبابوں کے بھرے آتے تھے ساغر کی طرح

طرفِ شرق وہ سامانِ طلوعِ خورشید ـــ اشکِ شبنم سے ٹپکتی تھی بہارِ جاوید
پیرہن نور کا پہنے ہوئے تھی صبح امید ـــ بہرِ زخم دلِ بلبل تھے سب پھول سفید
دیکھے ان کو تو ہوں عارف کے جگر کے ٹکڑے
کوسوں پھیلے تھے گریبانِ سحر کے ٹکڑے

بلبلیں لاتی تھیں سر کو قدم گل کے جو پاس ـــ مسکراتے تھے یہ غنچے کہ خدا لائے راس
تازگی دیکھے جو سبزے کی تو جاتی رہے پیاس ـــ اوس کھائے ہوئے سبزوں کی وہ ٹھنڈی بو باس
کہیں پژمردہ نہ ہوجائے یہ ڈر رکھتی تھی
پاؤں سبزے پہ تکلف سے نظر رکھتی تھی

وجد جو پاؤں کو تھا دیکھ کے جنگل کی بہار ـــ محوِ پرواز محبت کی ہوا تھی پردار
کبک و طاؤس کا وہ شور میانِ کہسار ـــ قمری و فاختہ و طوطی و بلبل کی پکار
منھ سے اڑتے تھے لہو محو غزل خوانی تھے
جس قدر پھول تھے جنگل میں وہ افشانی تھے [1]

تعشق نے صبح کے منظر کے علاوہ کربلا کی گرمی کی تصویر کشی بھی کی ہے لیکن اپنے انداز بیان میں اتنی وسعت رکھی ہے کہ عرب کی سرزمین سے غیر متعلق انسان بھی اس گرمی کا تصور

---

[1] تعشق: مراثی تعشق ص ۱۷

کر سکے۔ ساتھ ہی انھوں نے گرمی کے موسم کی بے کیفی میں بھی اپنے تغزل سے ایک دل ربائی کی کیفیت پیدا کی ہے۔ ان مناظر میں سوکھے ہوئے پتے کھڑکتے ہیں اور مرغانِ ہوا اپنے بازوؤں کو کھولے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علامتیں عرب اور خصوصاً کربلا کے چٹیل میدان سے مختلف ہیں لیکن ساتھ ساتھ ایسا ماحول برقرار رکھتے ہیں جس میں ذہن کربلا کے ریگستان سے الگ نہ ہونے پائے۔ اس منظر نگاری میں اس مبالغہ آرائی کا بھی دخل ہے جو مشرقی شاعری کی عام خصوصیت ہے:

جنگل کے درختوں نے بھی پہنی تھی قبا زرد　　تھا دھوپ کی زردی سے بیابانِ بلا زرد
آندھی مگر آئی ہوئی تھی حد سے سوا زرد　　سب کھیت بھی تھے زرد، زمیں زرد ہوا زرد
یک رنگ فقط خاطر پاک شہ دیں تھی
سرخی کہیں جز چہرہ شبیرؑ نہیں تھی

شیروں کے دلوں کا وہ ترائی میں دھڑکنا　　سوکھے ہوئے پتوں کا وہ ہر سمت کھڑکنا
جھیلوں میں وہ گر گر کے پرندوں کا پھڑکنا　　وہ سینوں پہ آبِ خنک اعدا کا چھڑکنا
شہ صبر کو قبضے سے نکلنے نہیں دیتے
پہلو دلِ زخمی کو بدلنے نہیں دیتے

اترے ہوئے ہیں زانوؤں تک آب میں آہو　　مرغانِ ہوا بیٹھے ہیں کھولے ہوئے بازو
اُڈی ہے گھٹا فوج کے سقوں کی لب جو　　پانی کا ہے غل شام کے اردو میں جو ہر سو
کیا دل میں ہے سوزش یہ بتاتی نہیں مشکیں
پانی سے مگر منھ کو اٹھاتی نہیں مشکیں [1]

تعشق کی منظر نگاری ان کے مرثیوں میں پس پردہ یا تمہید کی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ ان کا موضوع غم والم کی جاں گداز زبانوں سے لبریز ہے اور ان کی خواہش ہے کہ اس کا مکمل تاثر ان کے مرثیے پیش کر دیں۔ گرمی اور دھوپ کے بیان کو انھوں نے کئی جگہوں پر تمہید کے طور پر قلم بند کیا ہے۔ اس طرح کے موقعوں پر تعشق نے نیچر اور مجاہد کی شخصیت میں ہم آہنگی پیدا

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ۲، ص ۵۷

کرنے کی کوشش کی ہے اور ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے کہ گرمی کا موسم واقعات کی الم ناکی اور دہشت ناکی کا پیش خیمہ بن جائے۔ ان کے مراثی کا یہ پہلو بہت مضبوط ہے کہ وہ چاہے بہار کے دل فریب مناظر بیان کریں یا گرمی و لو کی اضطرابی کیفیت، لیکن ان کا قلم ان کے موضوع سے بے ربط نہیں ہوتا، بلکہ جا بہ جا سے ایسے اشارے ملتے رہیں جو موضوع سے سامعین کو الگ نہ ہونے دیں۔ ایک جگہ گرمی کے بیان کے ساتھ ایک مرثیہ کی ابتدا کی ہے:

حضرت کو دوپہر جو ہوئی رزم گاہ میں کانٹے پڑے زبانِ شہہ دیں پناہ میں
تاریک یک بہ یک ہوئی دنیا نگاہ میں جلنے لگے سلاح تنِ بادشاہ میں
تیزی سے دھوپ کے شرر افشاں ہوا ہوئی
گرمی کے ساتھ پیاس کی شدت سوا ہوئی

کوسوں گیاہ زرد ہے مانند زعفراں چنگاریوں کا ریگ بیاباں پہ ہے گماں
کرتا ہے سائیں سائیں بیاباں کہ الاماں لوٹا گیا ہے جو ادھر آیا ہے کارواں
تنہا ہیں شاہ کثرتِ اندوہ و یاس ہے
لاشے پڑے ہوئے ہیں بیاباں اداس ہے

چلتی ہے لو، اداس ہے زہرا کا نازنیں اڑ اڑ کے منھ پہ آتے ہیں گیسوئے عنبریں
گرمی سے بند کھولے ہیں سلطانِ مہ جبیں کہنی تک آستینوں کو الٹے ہیں شاہ دیں
ہر جا نمی عرق کی ہے گھوڑے کے زین پر
ہاتھوں سے بہہ رہا ہے پسینہ زمین پر[1]

گرمی کے اس بیان میں تعشق نے محاکات کے اعلیٰ نمونے پیش کر دیے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے موضوع سے منظر نگاری کو ہم آہنگ رکھتے ہوئے ایسے اشارے کیے ہیں کہ مرثیہ کی رثائیت پر بھی اثر نہ پڑے، بلکہ ان کی شدت میں اضافہ ہو، لیکن ان کا یہ انداز ہر جگہ یکساں نہیں۔ انھوں نے بعض مقامات پر ایسے مناظر بھی پیش کیے ہیں جو بالکل خیالی و تصوراتی ہیں۔ یہ ان کے دور کا روایتی رجحان تھا جس میں تاثر جذبہ کے پہلو بہ پہلو اظہار فن کو بھی

1۔ تعشق: مرثیہ قلمی مطلع: حضرت کو دوپہر جو ہوئی رزم گاہ میں

اہمیت دی جارہی تھی۔ فنکار کو شاعرانہ کاوش کے علاوہ اپنی قدرت کلام کا بھی ثبوت دینا پڑتا تھا۔ تعشق کے یہاں بھی اس قسم کے بیان ملتے ہیں:

ہر بحر پہ ہے آگ کے دریا کا اشتباہ　　جنگل یہ جل رہا ہے کہ ہیں جانور تباہ
نہریں پڑی ہیں خشک نہ ہیں ندیاں نہ چاہ　　پانی چھپا ہے دھوپ کی شدت سے زیر کاہ
اب زندگی سے مردم آبی کو یاس ہے
موجوں کی اینٹھتی ہیں زبانیں یہ پیاس ہے

وہ دھوپ ہے بجا نہیں اہل زمیں کے ہوش　　چرخ زبر جدی نظر آتا ہے شعلہ پوش
پانی ہے زیر خاک مگر کھارہا ہے جوش　　کہسار میں ہے گرم ہوا کا عجب خروش
رن میں تمام روز حرارت بڑی رہی
تا شام دھوپ نہر کے اندر پڑی رہی[1]

مناظر قدرت کا یہ بیان اپنے دور کے مذاق کی ترجمانی ہے۔ تعشق نے اپنے مراثی میں اس پہلو پر بھی توجہ کی ہے اور عوام وخواص سے داد وتحسین لینے کی خاطر انھوں نے زمانے کا روایتی انداز اختیار کیا۔

کردار نگاری:

مراثی میں پیش ہونے والے کردار معرکۂ کربلا سے متعلق ہیں۔ یہ کردار اپنی گوناگوں مذہبی اور تاریخی اہمیت کی بنا پر دنیا کے لیے نئے نہیں ہیں۔ تعشق نے بھی دوسرے مرثیہ گویوں کی طرح اپنے مرثیوں میں کربلا کے بنے بنائے کردار پیش کیے ہیں۔ ان کے کردار تاریخ کے صفحوں پر پہلے سے ہی درخشاں ہیں۔ پھر بھی انھوں نے ان تاریخی کرداروں کو زندہ اور متحرک بنا کر پیش کرنے میں ایسی کامیابی حاصل کی ہے کہ ان کے پیش کردہ کردار ہمیں اپنے ماحول سے مختلف نہیں معلوم ہوتے۔ ان کے کرداروں میں زندگی کی تڑپ اور اس کی گوناگوں جدوجہد برابر دیکھنے میں آتی ہے۔ مولانا حالی نے ایک جگہ اعتراض کیا ہے کہ اس طرح اخلاقی

---

1. تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۱۰

تاثر اتنا ہمہ گیر نہیں ہو پاتا۔

''جو کچھ صبر و استقلال، شجاعت و ہمدردی و وفاداری و غیرت و حمیت و عزم بالجزم اور دیگر اخلاق فاضلہ خود امام ہمام اور ان کے عزیزوں اور دوستوں سے معرکہ کربلا میں ظاہر ہوئے وہ مافوق طاقت بشری اور خوارق عادات سے ہے'' [1]

مولانا حالیؔ نے مراثی کے کرداروں کو مافوق البشر قرار دینے کی ذمہ داری مرثیہ نگار کے ذاتی عقائد پر عائد کی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ مرثیہ نگار امام حسینؑ کو کائنات کی برگزیدہ شخصیتوں میں شمار کرتا ہے اور اپنے عقاید کے اظہار کے لیے مرثیہ کو وسیلہ بھی قرار دیتا ہے۔ لیکن مجموعی اعتبار سے مرثیوں میں امام حسینؑ کا کردار کسی طرح کے مافوق الفطرت عناصر سے مرتب نہیں ہوتا۔ ان کا کردار ایک رحم دل مذہبی رہنما کا ہے جو دوسروں کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دیتا ہے۔ امام حسینؑ کے کردار میں زندگی پوری طرح متحرک نظر آتی ہے۔ تعشقؔ اور ان کے معاصرین نے معرکہ کربلا کے کرداروں میں واقعیت کی لہریں پیدا کی ہیں کہ ان کو مثالی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ امام حسینؑ بھی عام انسانوں کی طرح رنج و مسرت کے جذبات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کے مزاج و کردار کے بیان، مرثیہ نگار کے عقاید پر بسا اوقات حاوی ہو جاتے ہیں اور اس کی بنا پر بعضوں کو ان کرداروں کے متعلق بادی النظر میں مافوق الفطرت ہونے کا گمان ہو جاتا ہے۔

تعشقؔ نے امام حسینؑ کا کردار پیش کرنے میں غیر معمولی کاوش کی ہے۔ ان کے مذہبی و روحانی مراتب بیان کر کے کردار کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ امام حسینؑ کا تعارف کراتے ہوئے امام حسینؑ اور رسولؐ اسلام کے رشتے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے ذریعہ وہ حالات کے تضاد کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کربلا میں جس حسینؑ سے زمانہ منحرف ہو گیا ہے وہ اپنے رسولؐ کی حیات میں اسلامی دنیا میں کس عزت و حشمت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ امام حسینؑ نے خود ہی روز عاشورا اپنے ماضی کو یاد کیا ہے:

---

[1] الطاف حسین حالیؔ: شعر و شاعری ص ۲۰۲

وہ صحبتیں وہ رونق دربارِ مصطفےٰ ڈیوڑھی پہ جمع رہتے تھے احباب مرتضےٰ
تھی گھر میں والدہ سے عجب قدرتِ خدا کیا ہوگئے وہ دن وہ زمانہ کدھر گیا

سچ ہے سرائے دہر بہت بے ثبات ہے
میں دیکھتا جو ہوں تو یہ سب کل کی بات ہے[1]

مرثیہ میں کرداروں کے وصف اضافی کا ذکر ہوتا ہے لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو زندگی کے اعلیٰ جوہر بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ امام حسینؑ کا ترحّم، ایثار، ہمدردی اور خلوص سے لبریز برتاؤ دشمنوں کو بھی ان کی عظمت کا احساس کرا دیتا ہے۔ کربلا پہنچنے کے پہلے ان کے دشمن کی فوج ان کا راستہ روکنے کے لیے آئی تو پیاس کی شدت سے ان کی جانیں ہلاکت کے قریب تھیں۔ اگر امام حسینؑ ان کو سیراب نہ کرا دیتے تو وہ شاید پیاس سے مرجاتے۔ امام حسینؑ نے لق ودق صحرا میں پانی کی کمیابی کے باوجود تمام آدمیوں کو مع ان کے رہواروں کے سیر و سیراب کر دیا۔ تعشق نے متذکرہ بالا واقعہ دشمن کے سپہ سالار کی زبانی بیان کیا ہے:

مجھ کو، سب میرے رسالے کو جو پیاسا پایا اشک بھر آئے عجب لطف و کرم فرمایا
پانی اسواروں کو رہواروں کو بھی پلوایا شور تھا ابر کرم سب کو ہے تیرا سایا

بجھ گئی پیاس بچے جان سے جانے والے
واہ رے چشمۂ کوثر کے لٹانے والے

تھے آواز یہ دیتے تھے پلا کر پانی آئے وہ پیاس سے جس کو ہو بہت حیرانی
ابھی مٹ جائے گی سب دل کی شرر افشانی یہ وہ پانی ہے جو ہے آب بقا کا ثانی

نہ ہو گرمی سے پریشاں ادھر آنے والا
پیاس ہے آتشِ دوزخ کا بجھانے والا[2]

تعشق نے امام حسینؑ کے کردار میں محبت اور خلوص کی خصوصیت پر زور دیا ہے۔ امام حسینؑ رحم دل اور مشفق آقا کی شخصیت کے مالک ہیں۔ دشمنوں سے بھی مراعات کرتے ہیں۔ تعشق کے

---

[1] تعشق: قلمی مرثیہ، مطلع: "جب محو جنگ قاسم ابرو کماں ہوئے"

[2] تعشق: افکار تعشق جلد ا، ص ۴۳

مراثی میں امام حسینؑ کے کردار کی یہ خوبیاں برابر جگہ پاتی ہیں۔ انھوں نے امام حسینؑ کو شجاع وجری مانا ہے لیکن حسینؑ کے مزاج میں قہر وغلبہ سے زیادہ رحم وعفو کے جذبات پیش کیے ہیں:

دریا متلاطم ہیں تزلزل ہے زمیں کو تھامے ہیں فلک قائمۂ عرش بریں کو
ہے فکر پر و بال کی جبریلِ امیں کو غصہ ابھی آیا ہے یوں شاہنشہ دیں کو
آتی ہے صدا رحم ہے معلوم ہمارا
روکے ہوئے ہے ہاتھ کو مظلوم ہمارا

دل کھول کے لڑتے نہیں گو سیدِ والا ہے مثلِ زمیں عالمِ بالا تہ و بالا
کٹ کٹ کے جو گرتا ہے رسالے پہ رسالا بہتی ہے کہیں خون کی ندی کہیں نالا
بڑھتی ہے جدھر ڈوب کے تلوار لہو میں
جاتا ہے ادھر پیر کے رہوار لہو میں [1]

تعشق کے مراثی میں امام حسینؑ کے کردار کی ایک اور نمایاں خصوصیت ان کا عزم اور استقلال، حق پرستی اور حق شناسی ہے۔ تعشق نے امام حسینؑ کو عظیم ترین انسان کی شکل میں پیش کیا ہے جو اپنے قول میں صادق ہے، عزم میں مستقل ہے، استقامت میں غیر متزلزل ہے۔ حق اندیش ہے اور حق کا طرفدار ہے۔ اس مرثیہ میں انھوں نے مدینہ سے امام حسینؑ کی ہجرت کے واقعات لکھے ہیں۔ امام حسینؑ مدینہ سے رخصت ہوتے ہیں۔ ان کے اعزا و انصار صعوبات سفر کا احساس کر کے غریب الوطنی اختیار کرنے سے منع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام حسینؑ ان کی باتیں غور سے سنتے ہیں لیکن اپنے ارادے پر قائم رہتے ہیں اور اپنے چاہنے والوں کو تسلی دیتے ہیں:

تم کو فقط ہے اپنی محبت سے انتشار بستی کو ہے قرار نہ جنگل کو ہے قرار
گھر بھی ہے مستعار، سرا بھی ہے مستعار قادر ہے سب جگہ پر اسی کو ہے اختیار
کس کو خبر ہے دفن کہاں یہ غریب ہو
بستی میں قبر ہو کہ بیاباں نصیب ہو [2]

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ۲، ص ۹۲ [2] تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۱۳

تعشق کے مراثی میں کردار نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انھوں نے تاریخی کرداروں میں متحرک زندگی کی علامتیں پیش کر کے انھیں سامعین کے مزاج اور ماحول سے بھی ہم آہنگ کر دیا ہے۔ انھوں نے امام حسینؑ کو انتہائی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا ہے اور ان کے عقیدہ کے مطابق انھیں امام زمانہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ لیکن ان کے کردار کی نشو ونما میں تعشق نے غیر فطری طاقتوں کا سہارا لیا ہے۔ مولانا حالی کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ مراثی میں امام حسینؑ اور ان کے رفقا کو مافوق طاقت بشری اور خوارق عادات حاصل تھے۔ مراثی میں عموماً امام حسینؑ کو اس دنیا کی ایک فرد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اس کی مثال تعشق کے کلام سے پیش کی جاسکتی ہے۔ متذکرہ بالا مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا حالی کے اعتراض کا دوسرا پہلو امام حسینؑ کے دوستوں اور عزیزوں سے متعلق ہے۔ انھوں نے ان لوگوں کو بھی مافوق فطری طاقتوں کا حامل بیان کیا ہے۔ اس طرح ان کے کردار اور اعمال کا تاثر عام انسانوں کے لیے بھرپور نہیں ہوسکتا۔ اعتراض کے اس ٹکڑے میں حالی نے امام حسینؑ کے اعوان وانصار کو بھی ان کی طرح غیر معمولی روحانی وغیبی طاقتوں کا مظہر قرار دیا ہے۔ سب کے مدارج بھی الگ الگ نہیں کیے ہیں۔ اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ مولانا حالی نے امام حسینؑ کے رفقاء واعزا کا ان سے غیر معمولی طور پر منسلک ہونے کی خصوصیت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مراثی میں امام حسینؑ اور ان کے رفقا کے کردار میں وہی فرق ہے جو سامنتی دور میں آقا اور خادم میں تھا۔ مرثیہ نگاروں نے امام حسینؑ کو آقا، مالک، امام اور ان کے تابعداروں کو غلام، خادم، فرمانبردار وغیرہ کہہ کر اکثر مخاطب کیا ہے۔ ان کو امام حسینؑ کے برابر کا درجہ نہیں حاصل ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو ہمیں کربلا کے مختلف کرداروں کو پہچاننے میں بھی تامل ہوتا۔ اس لیے جیسا کہ پہلے بھی کہا جاچکا ہے کہ ان میں سبھی حق شعار و حق پسند ہیں، دین کے شیدائی ہیں اور امام حسینؑ کے فدائی ہیں۔ تعشق نے ان کے کرداروں کو ایک دوسرے سے مختلف رکھنے کے لیے ان میں شان امتیاز پیدا کی ہے۔ وہ کسی مافوق الفطرت ذریعہ سے ممتاز نہیں ہوتے بلکہ ان کے عادات واطوار میں ایک ایسی کیفیت ملتی ہے جو ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے الگ کر دیتی ہے۔

معرکہ کربلا کے کرداروں میں حضرت عباسؑ کا کردار بہت اہم ہے۔ مرثیوں میں ان کو شجاعت و جرأت کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ امام حسینؑ نے روز عاشور انھیں اپنے لشکر کی سپہ سالاری بھی عطا کی تھی۔ ان کی جرأت و مردانگی کی دھوم دوستوں کے علاوہ ان کے دشمنوں میں بھی تھی۔ چنانچہ جنگ میں شرکت کے لیے جب عباس علیؑ روانہ ہوئے تو فوج اعدا میں ہلچل پڑ گئی:

آتا ہے عجب شیر کہ خاک اڑتی ہے رن میں آرام نہیں خوف سے روحوں کو بدن میں
مُردے بھی ہیں سمٹے ہوئے دہشت سے کفن میں پر ہوں تو زمیں اُڑ کے چھپے چرخِ کہن میں
اللہ ری شوکت پسرِ شیرِ خدا کی
دہشت سے ڈراتی ہے صدا طبل وغا کی [1]

حضرت عباسؑ کے کردار کی دوسری سب سے نمایاں صفت ان کی سرفروشی ہے۔ وہ امام حسینؑ اور ان کی اولاد پر نچھاور ہونے کو ہروقت تیار ہیں۔ تعشقؔ نے ان کے کردار کے اعلیٰ صفات پیش نظر رکھتے ہوئے ایک جگہ عباسؑ اور ان کی زوجہ کا مکالمہ قلم بند کیا ہے۔ عباسؑ کی زوجہ فطرت بشری سے مجبور ہو کر ان کی رخصت کے وقت متردد ہوتی ہیں تو عباسؑ انھیں متنبہ کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں:

آقا تو سلامت ہیں مرا رنج نہ کھاؤ پُرسے کو جو بلوائیں تو ہنستی ہوئی جاؤ
ان سے بھی زیادہ کوئی وارث ہے بتاؤ لڑکے ابھی کم سن ہیں نہ یہ حال بناؤ
ڈرتا ہوں کہ دنیا سے گذر جائیں نہ دونوں
بچے ہیں کہیں سہم کے مر جائیں نہ دونوں [2]

اسی طرح حضرت علی اکبرؑ تعشقؔ کے مراثی میں جوان رعنا کی شکل میں ابھرے ہیں۔ یہ نوجوان اپنی صورت و سیرت کی بنا پر اپنے گھر والوں کے علاوہ غیروں میں بھی محبت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ خداوند عالم نے اسے رسولؐ اسلام کا ہم شبیہ بھی بنایا ہے اور اس طرح اس کی ظاہری شباہت بھی تمام مسلمانوں کے لیے باعث احترام ہے۔ ہر ایک آدمی اس اٹھارہ

---

[1] تعشقؔ: براہین غم جلد ا، ص ۹۹ [2] تعشقؔ: براہین غم جلد ا، ص ۱۰۲

برس کے نوجوان کے لیے دعائیں کرتا کہ پالنے والوں کی مرادیں بر آئیں اور یہ نوجوان شاد و آباد رہے لیکن تقدیر کی ستم ظریفی کو کچھ اور ہی منظور ہے:

پہنچا نہیں مراد کو عالم بہار کا اس چاند کو عروج عنایت کرے خدا
آغاز خط ہے شامِ جوانی کی ابتدا اب چاندنی نے کھیت کیا ہے ذرا ذرا
ہو کس طرح سے ہجر گوارا امام کو
اپنا چراغ کوئی بجھاتا ہے شام کو [1]

تعشق نے علی اکبر کے کردار میں جرأت و شجاعت کو بھی ان کے حسن و رعنائی کے پہلو بہ پہلو جگہ دی ہے۔ ساتھ ہی ان کے کردار کا ایک اہم پہلو ان کے مزاج کی خودداری بیان کی ہے۔ تعشق نے ایک جگہ ایک مکالمہ میں علی اکبر کی زبانی کہلوایا ہے:

دنیا میں آبرو نہ رہی اور جیے تو کیا ایسی تو زندگی سے کہیں موت دے خدا
خادم سے اٹھ چکے ستمِ لشکرِ جفا اپنے کو جانتے ہیں بہادر وہ بے حیا
آگاہ تک نہیں ہیں شجاعت کے نام سے
تلوار کھینچنی نہیں آتی نیام سے [2]

تعشق نے اپنے مراثی میں مرد کرداروں کے پہلو بہ پہلو نسوانی کرداروں کو بھی پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں بھی ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ خصوصاً حضرت زینب کے کردار کے متعلق ان کے مرثیوں میں نہایت قابل قدر گوشے نظر آتے ہیں۔ زینب امام حسین کی چھوٹی بہن ہیں اور بھائی سے بے حد پیار کرتی ہیں۔ ان کی اولاد پر اپنے بیٹوں کو تصدق کر دیتی ہیں۔ تعشق نے زینب کے کرادر میں ایک اعلیٰ ترین عرب خاتون کا تعارف کرایا ہے اور ساتھ ہی مقامی رنگ دیکر ان کے کردار کے تاثر کو بھی بڑھا دیا ہے۔ زینب امام حسین کے مشن کی معاون و مددگار رہیں۔ امام حسین روز عاشورہ علم داری کے سلسلہ میں ان سے مشورہ کرتے ہیں:

جب چپ ہوئیں تو اکبرِ ذی جاہ نے کہا حضرت سے پوچھتے ہیں یہ شاہنشہٗ ہُدا

---

1. تعشق۔ افکار تعشق جلد ۲، ص ۶۱
2. ایضاً۔ قلمی مرثیہ۔ مطلع جب نو جنگ قاسم ابرو کماں ہوئے

کیا ہو علم کے باب میں بولیں کہ میں فدا کہنا کہ مجھ سے پوچھنے کی احتیاج کیا
مالک ہیں آپ دیر نہ زنہار کیجیے
عباسؑ نامور کو علم دار کیجیے [1]

جناب زینبؑ کے کردار کی نمایاں خصوصیت ان کی امام حسینؑ اور ان کی اولاد سے والہانہ الفت ہے۔ زینبؑ بروز عاشورہ اپنی اولاد کو خوشی خوشی اپنے بھائی پر قربان کر دیتی ہیں لیکن علی اکبرؑ کو اذن جہاد دینے میں تامل کرتی ہیں:

ہاں سچ ہے ہم نے عون و محمدؑ کو دی رضا سمجھے نہ یہ کہ بات ہے کیا اور کیا گلا
صدقہ دیا کہ رد ہو تمھاری کہیں بلا بچپن سے میں تمھیں پہ ہمیشہ رہی فدا
تم پر نثار ہونے کو وہ تشنہ کام تھے
تم ہو مرے پسر وہ تمھارے غلام تھے [2]

زینبؑ کے کردار کی خوبی ہے کہ وہ اپنے جگر گوشوں سے بھی بڑھ چڑھ کر اپنے فرض کو عزیز رکھتی ہیں۔ روز عاشور کی سب سے بڑی ضرورت تھی کہ اصول اور حق کی حفاظت کے لیے جانوں کی پروانہ کی جائے۔ دیکھیے جناب زینبؑ ایک ماں کی حیثیت سے کس طرح یہ فرض ادا کرتی ہیں:

لو اب سدھارو کیا ہے یہاں دیر کیوں لگاؤ میری خوشی تو یہ ہے کہ زندہ نہ گھر میں آؤ
ہاں! اس میں ہوں شریک جو رن کی رضا نہ پاؤ ہمشکل مصطفٰےؐ انھیں ہمراہ لیتے جاؤ
خود آئیو نہ گھر میں نہ اب میں بلاؤں گی
پردے کے پاس آکے تمھیں دیکھ جاؤں گی [3]

امام حسینؑ کی رخصت کے وقت زینبؑ کی آہ و زاری ان کے نسوانی کردار کو نمایاں کرتی ہے۔ زینبؑ کے کردار میں امام حسینؑ سے والہانہ الفت خصوصیت سے نمایاں ہے۔ تعشق نے زینبؑ کے کردار میں ایک عرب خاتون کے عزم و استقلال اور ایک ہندوستانی عورت کی محبت آمیز جذبات کو یکجا کر کے دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے:

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۷۰ [2] تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۹۸

[3] ایضاً ص ۷۱

سمجھا رہے ہیں سب کہ کھلے سر نہ جائیے ۔۔۔ بی بی خدا کے واسطے باہر نہ جائیے
کہتی ہیں واہ صاحبو کیوں کر نہ جائیے ۔۔۔ اس وقت میں حضور برادر نہ جائیے؟
کچھ ان کے دشمنوں پہ اگر بات آئے گی
تم سب یہ جان لو کہ مری جان جائے گی

چھوڑو مجھے نہیں تو گریباں کروں گی چاک ۔۔۔ دیکھو تڑپ تڑپ کے میں ہو جاؤں گی ہلاک
بھائی کا ہے یہ حال مری زندگی پہ خاک ۔۔۔ لوگو! یہ گھر نظر مجھے آتا ہے ہولناک
جینے کے نام سے دلِ ناشاد ہٹ گیا
پردہ اٹھاؤ جلد مرا دم الٹ گیا [1]

تعشق کے مراثی میں کردار نگاری کے پہلو جابہ جا سے نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کے پیش کردہ کرداروں میں زندگی کی تڑپ ہے اور ماحول سے وابستگی نظر آتی ہے۔ ان کے کردار تاریخ اسلام کی مقتدر ہستیاں ہیں اور ان کا مذہبی وروحانی احترام بھی ہے۔ لیکن فوق البشریت کے بجائے ہمیں اپنے ہی گرد و پیش کے انسان معلوم ہوتے ہیں۔

لشکر امام حسینؑ کے افراد کی کردار نگاری کے علاوہ دشمنوں کے کردار کو بھی اپنے مراثی میں جگہ دی ہے۔ تعشق نے ان کرداروں کو امام حسینؑ یا ان کے رفقا کے کرداروں کے مقابلے میں بیان کیا ہے۔ ان کرداروں سے مرثیہ نگار کو اپنے مذہبی عقائد کی بنا پر نفرت ہے اور انھیں ظالم، غدار، جفا کار اور مکار ہونے کا لقب بھی دیتا ہے:

نکلا عجیب شکل بنائے وہ خیرہ سر ۔۔۔ ڈرتے ہیں جس کو دیکھ کے جنگل کے جانور
زنجیر آہنی سے ہے باندھے ہوئے کمر ۔۔۔ پیچیدہ ہے پہاڑ سے اک اژدہا مگر
آمد ہے روسیاہ کی میداں میں اس طرح
آندھی سیاہ آتی ہے جنگل میں جس طرح

کیا کیا ہوائیں کبر کی ظالم کے سر میں ہیں ۔۔۔ تیر اس کے سب بھرے ہوئے خونِ جگر میں ہیں
دم خود سروں کے قبضۂ تیغ و تبر میں ہیں ۔۔۔ خنجر بھی دو ستم کے دو دھارے کمر میں ہیں

---

[1] تعشق، قلمی مرثیہ، مطلع ۔۔۔ باغ جہاں سے کوچ ہے کس گل عذار کا

میں کیا ہوں جس کے ہجر کا ہے آپ کو یہ غم　　کچھ کم نہ تھے غلام سے عباسؑ ذی حشم
کیا کیا اٹھائے رنج شہِ نامدار نے
صابر کیا ہے آپ کو پروردگار نے
فرماتے ہیں پسر سے یہ شاہنشہ ہدا　　بیٹا ہر ایک بات کی ہوتی ہے انتہا
اس عمر میں یہ رنج یہ اندوہ جاں گزا　　پیری ہے ضعف کیوں نہ ہو اب دم بدم سوا
اس حال میں عبث ہے یہ کہنا بھی آپ کا
بیٹا اخیر وقت ہے مظلوم باپ کا [1]

باپ اور بیٹے کے اس مکالمے میں درد اور غم کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ یہ عنوان بیان مراثی میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ مرثیے کے ذریعے سامعین اپنے جذبات حزنیہ کو بھی متحرک کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعشق کے مراثی میں مکالمہ کی گرما گرمی بھی ہے۔ کوئی تیکھے انداز میں سوال کرتا ہے اور دوسرا جواب دیتا ہے۔ مکالموں کے یہ حصے فن مکالمہ نگاری کی نظر سے بھی کامیاب ہیں۔ تعشق نے ایک جگہ حُر اور اس کے لشکر کی گفتگو لکھی ہے۔ حُر ابھی امام حسینؑ کے مخالفین کے گروہ میں ہے لیکن امام حسینؑ کی عظمت وحق پسندی کا قایل ہے۔ اسے ابن سعد کی سیدھی بات بھی بری لگتی ہے اور تیکھے انداز میں جواب دیتا ہے:

یہ خوشامد مری، کیسا ہے یہ تیرا ایماں　　میں جو تنہا ہوں تو اللہ بڑا ہے تجھے دھیاں
دشمن جاں انھیں کہتا ہے جو عالم کی ہے جاں　　ناخن پائے شہِ دیں پہ دلِ حُر قرباں
صاف کہتا ہوں کہ ممکن نہیں ثانی ان کا
میں ہوں اور دشمن جاں دوست جانی ان کا
کیوں کنائے میں اشارے میں کہوں کوئی بات　　کب سمجھنے کی لیاقت ہے تجھے او بدذات
ذات شبیر کی ہے خضر بیابان نجات　　میں ہوں اک خادم سادات رفیع الدرجات
گفتگو تیری جو دل میں ہے عداوت میری
اس بناوٹ سے بگڑتی ہے طبیعت میری

---

[1] تعشق: اذکار تعشق جلد ۲، ص ۲۱۲

سب یہ سن کر پسرِ سعد تو کچھ کہہ نہ سکا　　بول اٹھا شمر ستمگار کہ معلوم ہوا
ہے ترے قلب میں عشق پسرِ شیرِ خدا　　دیکھنا نہر کا ممکن نہیں پانی کیسا
رک گئے گھاٹ علم سیکڑوں تلواریں ہیں
نہر کے گرد تو فولاد کی دیواریں ہیں
حُر یہ بولا نہ تری عقل بجا ہے نہ حواس　　کبھی مجبور نہیں بادشہِ نیک اساس
ابھی چاہیں تو وہ کوثر سے بجھا لیتے ہیں پیاس　　خلد قبضہ میں ہے کیوں ہونے لگا ان کو ہراس
کچھ تکلف نہیں رستے جو لعیں روکے ہیں
راہ فردوس غلامِ شہِ دیں روکے ہیں [1]

حُر اور لشکر یزیدی کے افسروں کی یہ گفتگو اس وقت سے متعلق ہے جب حُر مکمل طور پر ان کے احاطۂ اختیار میں تھا۔ ایسی صورت میں اتنی تند خوئی سے ہم کلام ہونا کسی حد تک خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر حُر کے کردار اور اس کی کش مکش کے ردعمل کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اعتراض کے بجائے داد دینا پڑے گی۔ تعشق نے حُر کا یہ مکالمہ اس وقت سے متعلق نظم کیا ہے جب کہ حُر اپنے رویے پر شرمندہ ہو چکا تھا اور سوچتا تھا کہ اس نے امام حسینؑ سے جو برتاؤ کیا ہے، وہ خلاف اسلام ہے اور اس کی عاقبت سیاہ ہو چکی ہے۔ وہ امام حسینؑ سے معافی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس احساس کے بعد اگر اسے اپنی جان آفریں اسی منزل پر دے دینا پڑتی تو بھی عذر نہ کرتا۔ تعشق نے حُر کے اس مکالمے میں نفسیاتی پہلو پر توجہ رکھی ہے۔ انداز بیان میں تکلف کے بجائے سیدھے سادے انداز میں باتوں کو خوبصورتی سے ادا کر دیا گیا ہے۔

تعشق کے مراثی کی یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ غیر تقلیدی فضا پوری طرح اپنا اثر قائم کیے رکھتی ہے۔ ان کے مکالمے بھی اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مراثی میں مختلف انداز کے مکالمے لکھے ہیں۔ جناب زینبؑ کی طنز آمیز گفتگو کی مثال ملاحظہ ہو:

کیونکر علم نہ دیں گے انھیں شاہ ذی وقار　　جرأت میں دبدبہ میں ہیں یکتائے روزگار

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ا، ص ۳۶۔۴۰

نہ جانے کتنے دیکھے ہیں میدانِ کارزار　　تیار ہاتھ ہیں کہ ہیں جعفرؑ کے ورثہ دار
یہ سلسلے جہاں میں بھلا کس ولی کے ہیں
عباسؑ غیر ہے، یہ نواسے علیؑ کے ہیں

کیا اپنے دل میں سوچ ہیں آخر مجھے بتائیں　　ماں کے قریب آئیں نہ ماموں کے پاس جائیں
لیں راستہ جدھر سے نکلنے کی راہ پائیں　　میری نظر سے گر گئے آنسو نہ اب بہائیں
بیکار ہے جو روتے ہیں منہ موڑ موڑ کے
کیوں ہاتھ جوڑتے ہیں مرے دل کو توڑ کے[1]

زینبؑ کی یہ گفتگو اپنے بیٹوں کے متعلق ہے۔ اس مکالمے میں زورِ بیان کے علاوہ لہجے کا فطری انداز بھی نمایاں ہے۔ ماں ناراض ہے اس لیے ہر کلمہ کی ابتدا طنزیہ انداز میں کرتی ہے۔ کبھی بیٹوں کی جرأت پر طنز کرتی ہیں اور کبھی کسی پر طنز کرتی ہیں۔ ایک مرثیہ میں امام حسینؑ کی روانگی کے وقت ان کی بیمار بیٹی صغرا کی گفتگو نظم کی ہے۔ رات کا وقت ہے، صغرا بہنوں کو سوتا ہوا دیکھ کر اضطراب میں کہتی ہیں:

ہمجولیوں کے حال کی اٹھ کر خبر تو لو　　جاگو بس اب عماریوں میں دن کو سوئیو
گھبرا کے پوچھتی ہوئی اٹھی وہ نیک خو　　ہے ہے بہن مزاج تو اچھا ہے، سچ کہو
بولی کہ شام سے ہے وفور اختلاج کا
اب حال پوچھتی ہو ہمارے مزاج کا[2]

صغرا اور ان کی بہنوں کی گفتگو میں وہ فطری اور نسوانی انداز نمایاں ہے جسے تعشق نے بڑی فن کاری سے پیش کیا ہے۔

مکالمہ نگاری کے سلسلہ میں تعشق نے اس کے مختلف پہلوؤں پر توجہ کی ہے۔ تعشق کے مکالمے ان کے مراثی میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مکالموں میں واقعات اور حالات کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف کرداروں کے مکالمے سن وسال اور صنف کے اعتبار سے لکھے ہیں۔ اس کے مکالموں میں لہجے کی برجستگی بھی ہے اور گفتگو کا فطری

---

1. تعشق: افکار تعشق جلد ا، ص ۶۹-۶۸　　2. تعشق: افکار تعشق ص ۲۳

انداز بھی۔

جذبات نگاری

تعشق کی جذبات نگاری کا ذکر کرتے ہوئے صفدر حسین لکھتے ہیں:

"تعشق چونکہ قادر الکلام بھی ہیں اور نفسیات کے ماہر بھی، اس لیے
واقعات کے بیان میں وہ جگہ جگہ چٹکیاں سی لیتے ہوئے چلتے ہیں
اور ایسی دکھتی ہوئی رگوں پر انگلیاں رکھتے ہوئے گذر جاتے ہیں
جس سے ایک خاص وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔"[1]

اس میں شک نہیں کہ احساسات کا بیان تعشق بہت فنکارانہ انداز میں کرتے ہیں۔ انھوں نے جوان، بوڑھے، عورتیں اور خورد سال بچوں کی نفسیات پر نظر رکھی اور ایسے لطیف اشارے کیے جوان کی فن کارانہ صلاحیت کا ثبوت بن گئے۔ ایک جگہ انھوں نے ایک بیمار لڑکی کے جذبات قلم بند کیے ہیں۔ یہ بیمار لڑکی فاطمہ صغرا ہے جسے امام حسینؑ اس کی علالت کی بنا پر سفر میں ساتھ نہیں لے جاتے۔ صغرا پر اس کا یہ نفسیاتی ردعمل شدید ہوتا ہے کہ انھیں بیمار سمجھ کر سب نے بے تعلقی اختیار کر لی ہے۔ دل میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور وہ اپنی بیماری اور موت کے مختلف پہلوؤں پر مایوسی کے عالم نظر ڈالتی ہیں:

یاد آئیں گے بہت نزع میں بابا مجھ کو ہائے کیوں چھوڑ گئے گھر میں اکیلا مجھ کو
کیا کہوں آٹھ پہر رنج ہے کیسا مجھ کو دیکھ لیں سب کو یہ ہر دم ہے تمنا مجھ کو

بھانجے، بھائی بھتیجے شہ والا آئیں
قبر تک جا کے مری لاش کو پہنچا آئیں[2]

وہ دن رات گھر اور خاندان کے افراد کے متعلق شکایت آمیز انداز میں سوچتی ہیں اور آخر میں امام حسینؑ کی خدمت میں ایک خط روانہ کرتی ہیں۔ قاصد صغرا کی روایت تاریخی اعتبار سے صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کی بدولت تعشق کا ایک غیر معمولی مرثیہ

---

[1] صفدر حسین: مضمون مرثیہ بعد انیس: نگار اگست ۱۹۴۳ء [2] تعشق: براہین غم جلد ۳ ص ۵۱

اردو شعر و ادب کو فراہم ہو گیا۔ اس مرثیہ میں تعشق نے جذبات انسانی کے مختلف گوشوں کو بہت خوبی سے نمایاں کیا ہے اور اس میں تاثیر کی ایسی کیفیت سمودی ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صغرا اس خط میں اپنے ہر ایک عزیز کا تذکرہ فرداً فرداً کرتی ہیں اور ان کے منصب و مراتب کے مطابق ان سے شکایت کرتی ہیں:

لکھ چکیں جب کہ تمنائے ملاقات کمال اور آغاز ہوئے مطلب اندوہ و ملال
حال بیماریٔ دل اپنے بلانے کا سوال چند فقرے وہ شکایت کے محبت پہ جو دال
روئیں، مضمون جو کوئی شوق زیارت میں لکھا
مسکرائیں، کوئی فقرہ جو شکایت میں لکھا

کہیں تحریر کیا گھر کی اداسی کا سماں تھا کسی سطر میں راتوں کے اندھیرے کا بیاں
جنگلوں سے بھی زیادہ ہے ڈراتا یہ مکاں اب تو خوف آتا ہے قربان گئی دن کو یہاں
صبح کر دیتی ہوں شب بیٹھ کے یک جا بابا
شام سے صحن میں نکلا نہیں جاتا بابا

کس محبت سے پھر اک ایک برادر کو لکھا دلہن آئے پسر حضرت شبرؑ کو لکھا
دیکھ لی آپ کی الفت علی اکبرؑ کو لکھا ہے بہن گور کنارے علی اصغرؑ کو لکھا
کون اب اے مرے ناداں تمھیں دیکھے گا
جو جیے گا وہ مری جان تمھیں دیکھے گا[1]

جذبات انسانی کی تصویر کشی میں تعشق کبھی حالات کا پس منظر بیان کرتے اور کبھی ان کی طرف لطیف اشارہ کر کے اپنا مفہوم واضح کر دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مرثیوں میں جس صنف و سن کے انسان کی کیفیت بیان کی ہے اسے کامیابی سے قلم بند کیا ہے۔ ایک جگہ علی اصغرؑ کی پیاس کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چہرے سے کرب و بے چینی کی تمام تکلیفیں ظاہر کر دی ہیں۔ علی اصغر کرب و بے چینی سے تشنج سے پریشان ہو کر کبھی اپنی مٹھیاں بند کر لیتے ہیں اور کبھی کھول دیتے ہیں:

1۔ تعشق: مراثی تعشق ص ۱۲۳

شدت سے تشنج کے لرزتا تھا ہر ایک بند   کھلتی تھیں کبھی مٹھیاں ہوتی تھیں کبھی بند
ایسا ہے کہاں باپ کا عاشق کوئی فرزند   آنکھوں کو پھراتے تھے سوئے شاہ ہنرمند
اس عمر میں کیا عقل تھی اس رشک قمر کی
سمجھے کہ بس آخر یہ زیارت ہے پدر کی [1]

ایک مرثیہ میں احساس ندامت وشرمندگی کے جذبات کو بڑی خوبی سے جگہ دی ہے۔ حُر نے یزیدی سپہ سالار کی حیثیت سے امام حسینؑ کی راہ میں مزاحمت کی تھی اور ان کے لجام فرس پر بھی ہاتھ ڈال دیا تھا۔ بعد میں حُر نے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی اور امام حسینؑ کی رفاقت میں شہادت حاصل کی۔ تعشق نے امام حسینؑ اور حُر کے آخر وقت کے مکالمہ میں اس شرمندگی کا نفسیاتی پہلو پیش کیا ہے جو اس کے دل میں نزع کی حالت میں بھی ٹھوکے دے رہا تھا۔ یہ بات اس وقت اور بھی نمایاں ہوتی ہے جب یہ پیش نظر رکھا جائے کہ انسان کو اپنی آخری گھڑیوں میں احساس گناہ شرمندہ کرتا ہے:

کوئی اس وقت نہیں مجھ کو ملال اے آقا   چین ہے آپ کی شفقت سے کمال اے آقا
مگر اعمال کا آتا ہے خیال اے آقا   کیا کہوں گا جو یہ ہوئے گا سوال اے آقا
تیغ اس قصد پہ او چرب زباں کیوں پکڑی
بے ادب شاہ کے گھوڑے کی عناں کیوں پکڑی [2]

تعشق نے مرثیوں میں جذبات انسانی کے مختلف پہلوؤں پر زور دیا ہے اور اپنے بیان کی تاثیر میں اضافہ کرنے کے خیال سے متنوع مضامین پیش کیے ہیں۔ اور اس طرح مرثیے کے بنیادی مقصد رثائیت کے تکمیل کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے جابجا سے ایسے گوشے ابھارے ہیں جو اعلی انسانی جذبات کے حامل ہیں۔ ان کی جذبات نگاری بھی تزکیہ نفس کا پیغام لاتی ہے۔ اس میں ایثار وقربانی کے احساس کے ساتھ اپنا ذاتی غم نظر انداز ہوجاتا ہے۔ مثلاً زوجہ عباسؑ جب دیکھتی ہیں کہ ان کے خاوند کی قربانی کے بعد بھی حضرت علی اکبرؑ اور امام حسینؑ کی زندگی محفوظ نہیں اور اب حضرت علی اکبرؑ کو جام شہادت پینا ہوگا، تو بے قرار ہو اٹھتی

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ا، ص ۱۵۲   [2] تعشق: افکار تعشق جلد ا، ص ۶۰

ہیں اور اپنے خاوند کو بے چینی سے مدد کے لیے پکارتی ہیں:

گھر میں ابھی کسی نے جو پہنچائی یہ خبر　　چھٹتا ہے شہ سے اکبر ذی جاہ سا پسر
اس نے کیے وہ بین کہ ٹکڑے ہوا جگر　　منہ کر کے سوئے نہر پکاری وہ نوحہ جگر
یہ مقتضائے عشق شہ بحر و بر نہیں
اکبر پدر سے چھٹتے ہیں تم کو خبر نہیں

ہوتی ہے بے چراغ یہ بستی کہاں ہو آؤ　　جانے نہ دو تم اکبر مہ رو کو آپ جاؤ
حضرت کے دل کو چاہیے اس داغ سے بچاؤ　　لُو چل رہی ہے بھائی بھتیجے کو گھر میں لاؤ
پانی چھڑکنے آؤ محل میں امام کے
سقے ہو تم حسین علیہ السلام کے [1]

تعشق کے مرثیوں میں عورتوں کے دردانگیز جذبات کا بیان خصوصیت سے ہوتا ہے۔ مائیں اپنے بیٹوں کے لیے بیویاں اپنے والی و وارث اور بہنیں اپنے بھائیوں کے لیے ایسے جذبات انگیز بین کرتی ہیں کہ سننے والا تاب ضبط نہیں لاسکتا۔ اس طرح کے بیانات کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ مرثیے عموماً مجلس عزا کے لیے لکھے گئے ہیں جن کا مقصد سامعین کو امام حسینؑ اور ان کے رفقا کے غم میں رلانا ہے۔ یہ مراثی کے عام فضا میں داخل ہے اور تمام مرثیہ گو اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً علی اصغر پر دشمنوں نے پانی بند کردیا تو غریب بھوک پیاس سے نڈھال ہوگیا۔ چھوٹی سی جان اتنی اذیتیں برداشت کرتے کرتے مضمحل ہونے لگی تو اہل بیت پریشان ہو اٹھے۔ ماں بیٹے کی کیفیت اپنے شوہر سے ایسے جذبات انگیز طور پر بیان کرتی ہیں کہ سننے والا بھی رو پڑے:

ابھی سے چھائی ہے چہرے پر مردنی صاحب　　سفر میں کیا مرے بچے پہ آبنی صاحب
عیاں ہے چہرے سے آثار جاں کنی صاحب　　ستم گروں نے غضب کی ہے دشمنی صاحب
اب ان کو دیکھ کے جینے سے یاس ہوتی ہے
کہیں جہان میں ایسی بھی پیاس ہوتی ہے

---

[1] تعشق۔ افکار تعشق جلد ا، ص ۹۴

پکارتی ہیں کبھی ہو کے اشک بار اصغر | مجھے تو دیکھ ذرا میں ترے نثار اصغر
بہت یہ پالنے والی ہے بے قرار اصغر | چلوں گی ساتھ نہیں دل پہ اختیار اصغر

خدا بچائے عدو فوج شام ہے بیٹا
نہیں یہ پیاس قضا کا پیام ہے بیٹا [1]

اخلاقی مضامین

مراثی میں انسانی اخلاق کے اعلیٰ نمونے پیش کیے جاتے ہیں کیونکہ ان مراثی کا ایک مقصد تزکیہ نفس بھی ہے اور تعشق کا دور بہتر طور پر اس فرض کی ادائیگی میں مشغول تھا۔ سماج اور مراسم کے بوجھ کے تلے جب انسانی قدریں بوجھل ہو رہی تھیں تو مرثیہ نگار ان کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے معرکہ کربلا کے اخلاقی پہلوؤں کو نمایاں کر کے انسانی عزم، استقلال، ایثار و قربانی، وفا شعاری اور حق پرستی کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مولانا حالیؔ نے لکھا ہے:

> ''مرثیہ کو اگر اخلاقی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی ہمارے نزدیک اردو شاعری میں اخلاقی نظم کہلانے کا مستحق صرف انھیں لوگوں کا کلام ٹھہر سکتا ہے۔ بلکہ جس اعلیٰ درجہ کے اخلاق ان لوگوں نے مرثیہ میں بیان کیے ہیں، ان کی نظیر فارسی بلکہ عربی شاعری میں بھی ذرا مشکل سے ملے گی۔'' [2]

اخلاقی مضامین کے بیان کی ہمہ گیری مرثیہ کے موضوع کی عظمت پر بھی منحصر ہے۔ ان کے موضوع میں اخلاق کی بلندی و بزرگی کی ایسی اعلیٰ علامتیں ملتی ہیں کہ ان کو پیش کر کے مرثیہ گویوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

تعشق کے مراثی انسان کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ کسی دوسرے کے لیے اپنے فائدے کو نظر انداز کر دینا ایک مقتدر جذبہ ہے لیکن کسی پوری قوم

---

[1] تعشق: براہین غم جلد ۱، ص ۳۵ [2] الطاف حسین حالیؔ: مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۹۶

کا پوری انسانیت کے لیے اپنے کو قربان کر دینا اعلیٰ ترین اخلاقی جذبہ ہے۔ اس کی مثال تعشق کے یہاں دیکھیے۔

منزل پہ گو پہنچ گئے طے ہو گیا سفر — کمریں بندھی ہوئی ہیں ابھی تک جہاد پر
موزے چڑھے ہوئے ہیں عمامے ہیں زیب سر — لینا ہے خون شاہ کا بدلا انھیں مگر

لیٹے ہیں رنج میں دل و جانِ بتول کے
شائق ظہور قائم آل رسول کے [1]

تعشق کائنات میں انسان کے وجود کو کسی باغ میں ایک مالی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق خالق کائنات نے انسان کو عالمین کی آراستگی کے لیے بھیجا ہے اور اس کی اولاد اس باغ جہان میں ایک خوشنما پھول یا درخت کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن انسان کو اپنی اولاد پر نازاں نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے خدا کی رحمت سمجھنا چاہیے کہ اس نے ان کی نگہداشت اس کے سپرد کر دی ہے۔ اس کا جب دل چاہے اپنی امانت واپس بھی لے سکتا ہے۔ امام حسین کی زبانی ایک جگہ اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں:

مالک وہ اپنے باغ کا ہے کیا مجھے ملال — مجھ کو نگاہباں جو کیا ہو گیا نہال
بالفعل اس طرح یہ ہوا حکم ذوالجلال — جنت میں جائیں باغِ جہاں سے یہ نونہال

مالک کی جو خوشی تھی وہ آیا ظہور میں
کیا دخل باغباں کو بھلا ان امور میں [2]

تعشق نے انسانی زندگی کی ناپائیداری اور بے اعتباری پر زور دیا ہے:

مرنے کو جو پوچھو تو یہ دن سب کے لیے ہے — بچنا نہیں ممکن کہ اجل رہتی ہے در پے
سب نالۂ جاں سوز ہیں عالم صفت نے — آخر کو وہی خاک ہے دنیا میں ہے جو شے

ہر پھر کے مقام اور بجز گور نہیں ہے
وہ بھی جو نہ ہاتھ آئے تو کچھ زور نہیں ہے

---

1. تعشق، مراثی تعشق ص ۳۰۶
2. تعشق، مرثیہ تعشق، مطلع ''حضرت کو دوپہر جو ہوئی رزم گاہ میں''

باقی ہے سکندر نہ ارسطو نہ فلاطوں   دارا ہے، نہ پرویز، نہ خسرو، نہ فریدوں
نمرود، نہ شداد، نہ فرعون، نہ قاروں   قیصر ہے، نہ فغفور، نہ طاؤس، نہ گلگوں
قبروں سے گھروں میں جو کبھی آتی ہیں روحیں
دیواروں سے ٹکرا کے چلی جاتی ہیں روحیں [1]

تعشق کے مراثی میں بے ثباتی دنیا اور انسان کے فانی ہونے کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ انھوں نے کائنات کی ناپائیداری بیان کرتے ہوئے انسانوں کو نصیحت کی ہے کہ انھیں اس کارخانۂ ہستی میں ایک مہمان کی طرح رہنا چاہیے۔ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور جو کوئی بھی انسان جنم لیتا ہے، ایک نہ ایک دن فنا ضرور ہو جاتا ہے۔ دنیا سے انسان کا رشتہ انتہائی ناپائیدار ہے، اور اسے اپنی موت کو ہر وقت مدنظر رکھنا چاہیے:

آباد تھے جو شہر وہ ماتم سرا ہوئے   کسریٰ کا وہ حشم وہ مکانات کیا ہوئے
دولت سمیت خاک بہت بادشاہ ہوئے   کاسے سروں کے کاسۂ دست گدا ہوئے
جمشید بزم دہر سے آزردہ دل گیا
سارا وہ دور جام کا مٹی میں مل گیا

وہ بادشاہ، تھے جو زمانے کے تاجِ سر   مٹی سے ان کے جام بناتے ہیں کاسہ گر
گر لے گئے فقیر تو پھرتے ہیں دربدر   عزت ملی ہوا جو کسی بزم میں گذر
کیا کیا ملال سنگ حوادث نہ سہہ گئے
توڑا اگر کسی نے تو چلا کے رہ گئے

گلزار ہو کہ دشت کسی کو نہیں بقا   سب زیر خاک جائیں گے کیا شاہ کیا گدا
ہم لوگ مہماں ہیں جہاں مہماں سرا   باندھی کمر کسی نے چلا کوئی قافلہ
پہنچے وہاں تو رابطہ کسی سے نہ ساز ہے
اس کا ہے سامنا جو بڑا بے نیاز ہے [2]

---

[1] تعشق، انوار تعشق جلد ۲، ص ۱۲   [2] تعشق، مرثیہ قلمی مطلع حضرت کو دوپہر جو ہوئی رزمگاہ میں

دنیا کی بے ثباتی کے مضامین میں انھوں نے اپنے سامعین کو عبرت کے مرقعے دکھاتے ہوئے ان کے ذہن کو معرکہ کربلا کی طرف ایک دوسرے انداز میں رجوع کرایا ہے۔ یزیدی فوج صرف مالِ دنیا کی فکر میں اپنے مذہبی معتقدات اور انسانی قوانین کی خلاف ورزی کرتی ہوئی اپنے دور کی سب سے عظیم شخصیت سے برسر پیکار ہے۔ تعشق ان کی نادانی کو نمایاں کرنے کے لیے دنیا کی بے ثباتی کے مضامین پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے جس منزل کی تلاش میں ضمیر فروشی کی ہے وہ اگر مہیا بھی ہو جائے تو اس کا زمانہ قیام بہت مختصر ہے۔

دنیا میں ایک حال میں رہنا محال ہے گہ اوج آفتاب کو ہے گہ زوال ہے
جو آج سرفراز ہے کل پائمال ہے کل ایک رات بدر کو حاصل کمال ہے
ہوتے ہی صبح جلوۂ مہتاب گھٹ گیا
انجم کی انجمن کا مرقع الٹ گیا

رونق فروز بزم تھی جو شمع رات بھر پروانے جان دیتے تھے حسن و جمال پر
ہوتے ہی صبح سب ہوئے راہی ادھر اُدھر سرکا کے پھر جو پردۂ فانوس کی نظر
اندوہ سے دلِ اولی الابصار چاک تھا
سارا وہ حسن جسم کا اک مشت خاک تھا

در تک نہ آئے چھوڑ کے گھر کو جو نامور برباد جنگلوں میں پھرے وہ اِدھر اُدھر
پائے تھے جن کے تاج نے رفعت ہما کے پر دیوار کی بھی چھاؤں نہیں ان کی قبر پر
بے سائباں نہ دھوپ میں ممکن نہ ابر میں
سر خاک پر دھرے ہوئے سوتے ہیں قبر میں[1]

تعشق نے ایسے مضامین کثرت سے پیش کیے ہیں جو سماج اور فرد کی زندگی کو بہتر بنانے میں معاون ہیں۔ ان کے پیش نظر معرکہ کربلا کی اخلاقی قدریں ایک منارۂ نور کی طرح ان کی رہنمائی کے لیے موجود تھیں۔ تعشق نے ان کے اعلیٰ کرداروں سے اخلاقی مضامین اخذ

1۔ تعشق، افکار تعشق جلد ۲، ص ۱۲۶

کر کے اپنے مراثی کے ذریعہ عوام اور خواص کی رہنمائی کا فرض بھی انجام دیا۔

رزم نگاری

تعشق کے مراثی میں شخصی جنگ کے نمونے دکھائی پڑتے ہیں جس کی حرب وضرب میں تیر وتبر اور سنان وتیغ کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک سپاہی میدانِ جنگ میں آکر مبارز طلبی کرتا ہے اور اپنے نام ونسب اور خاندانی وجاہت سے مقابلہ پر آنے والے غنیم کو اپنی برتری دکھاتا ہے۔

تعشق لڑائی کی ابتدا سے پہلے اس کے ماحول پر خاص توجہ کرتے ہیں اور مجاہدین کی آمد سے ہی اس کی شجاعت وسرفروشی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کے ذریعہ ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ سامعین بھی ان جذبات سے ہم آہنگ ہو جائیں جنہیں انھوں نے اپنے تخلیقی عمل کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ تعشق کے مراثی میں آمد کا بیان رعب ودبدبہ اور جاں فروشی کی فضا پیدا کر دیتا ہے:

لرزاں ہیں آمدِ علی اکبرؑ سے بدشعار — یاد آرہی ہے سطوتِ عباسؑ نامدار
نیزے اٹھا اٹھا کے جو آگے بڑھے سوار — جولاں کیا ادھر علی اکبرؑ نے راہوار
عباسؑ کے جہاں پہ قدم تھے بڑھے ہوئے
آکر وہیں پہ اکبر مہ رو کھڑے ہوئے [1]

ایک دوسری جگہ انھوں نے امام حسینؑ کی آمد لکھی ہے اور لشکر یزیدی کی ابتری کا حال بڑی خوبی سے قلم بند کیا ہے۔ امام حسینؑ کی آمد میں ان کے تمام خارجی وباطنی اوصاف کا رعب اثر انداز ہوتا ہے اور ان کی شجاعت کا دبدبہ دلوں پر اس طرح طاری ہوتا ہے کہ دشمنوں میں ابتری پھیل جاتی ہے:

آمد مہہ بتول کی ہے فوج شام میں — بے دم ہیں مارے خوف کے خنجر نیام میں
جوہر ہوئے ہیں قطرۂ خوں ہر حسام میں — جا کر چھپے ہیں فوج کے افسر خیام میں

---

1. تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۱۰۴

ہیں بے حواس رعب شہِ دیں پناہ سے
جاسوس جو پھرے ہیں خبر لے کے راہ سے[1]

میدانِ جنگ کا منظر پیش کرنے میں تعشق ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ پڑھنے یا سننے والے کے ذہن پر ایک گھمسان لڑائی کا نقشہ کھینچ جائے:

یہ کہہ رہے تھے کہ اٹھا ابر اس طرف ۔ گرجے مثال رعد مہم کوس و بوق و دف
گٹی زمینِ دشت بڑھی یوں ہر ایک صف ۔ وہ بیرقیں سفید سمندر میں جیسے کف
ڈھالوں سے تیرگی یہ ہوئی کائنات میں
جیسے بھری ہوئی ہو سیاہی دوات میں[2]

اس طرح کی متعدد مثالیں تعشق کے مراثی سے پیش کی جاسکتی ہیں، طوالت کے خوف سے چند بیتوں پر اکتفا کی جاتی ہے:

ہو رہے تھے یہ بہم عہد یہاں اور قرار ۔ فوج میں چوب پڑی طبل وغا پر اک بار[3]
یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھی فوج ستم گار ۔ نیزوں کی تکانوں سے ہلا وادیٔ پُرخار[4]
رن کانپتا ہے جھوم کے بڑھتی ہے جب سپاہ ۔ بجتے ہیں طبل جنگ کھلے ہیں علم سیاہ[5]

میدان کارزار کی مجموعی تصویر پیش کرنے کے بعد لڑائی کا بیان سامنے آتا ہے جس میں دونوں طرف سے تلوار و سنان کی ردو بدل ہوتی تیغیں چمکتی ہیں اور تگ و دو میں رہواروں کی سانسیں پھولتی ہیں۔ ایک جگہ حُر کی جنگ کی ابتدا یوں لکھی ہے:

صیحہ کرتا ہوا کس شان سے رہوار بڑھا ۔ یا گرجتا ہوا بادل سوئے کہسار بڑھا
سب کے جی چھوٹ گئے قلزم ذخار بڑھا ۔ غل ہوا دولتِ عقبیٰ کا طلبگار بڑھا
جلوہ شمشیر بہادر کا جداگانہ ہے
ہاتھ میں خلد کی جاگیر کا پروانہ ہے

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۱۰۲ [2] تعشق: شاہکار تخن، ص ۳۱
[3] تعشق: براہین غم جلد ۱، ص ۵۳ [4] ایضاً: افکار تعشق جلد ۱، ص ۱۵۲
[5] ایضاً: مرثیہ قلمی، مطلع حضرت کو دوپہر جو ہوئی رزم گاہ میں

حُر نے تلوار کا اک ہاتھ جدھر چھوڑ دیا دل کو چھوڑا نہ سلامت نہ جگر چھوڑ دیا
کس دن اس برق کی گرمی نے اثر چھوڑ دیا کوچۂ زخم کا سوزن نے اثر چھوڑ دیا
درد بن بن کے نفس کی جو ہوا آتی ہے
دہن زخم سے اُف اُف کی صدا آتی ہے[1]

تعشق نے بھی اپنے مرثیوں میں دیگر مرثیہ نگاروں کی طرح یزیدی فوج کے سپاہیوں کو ظالم، مکار، جفا جو، اور شرپسند وغیرہ کہا ہے لیکن رزم کے بیان میں وہ ان دشمنوں کو بہت حقیر نہیں پیش کرتے۔ یزیدی سپاہی بھی حسینیوں سے پوری شدومد کے ساتھ نبرد آزما ہوتا ہے اور تعشق اس کی کوششوں کو بھی نمایاں کر کے بیان کرتے ہیں۔ وہ حسینی مجاہد پر بڑھ کر حملہ آور ہوتا ہے اور تلوار، سنان، گرز اور نیزے سے انھیں مجروح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ خود بہت طاقتور پہلوان ہوتا ہے لیکن فن جنگ میں حسینی مجاہد سے بازی نہیں لے جا سکتا ہے۔ وہ مغلوب الغضب ہوتا ہے۔ موقع و مصلحت کے بجائے ہر وقت اپنی طاقت کے نشہ میں سرشار رہتا ہے جس کے نتیجہ میں بالآخر اسے شکست کھانا پڑتی ہے۔ تعشق نے ایک مرثیہ میں علی اکبرؑ کی جنگ میں ان کی اور ان کے مقابل کی کوششوں کو تفصیل سے لکھا ہے:

ناگہ سناں کا وار کیا اس نے دوڑ کر تلوار پر سے آپ نے روکا نہ لی سپر
پہلو پہ آ کے ڈال دیا ہاتھ چوب پر جھٹکا دیا کہ دل پہ اکھڑ کے گرا جگر
جھک کر فرس کی یال پکڑ لی سوار نے
سینہ زمیں پہ ٹیک دیا راہوار نے

آئے زمین پہ راکب و مرکب جو منہ کے بھل اکبر نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
ظالم کی انگلیاں ہوئیں بیکار، ہاتھ شل افعی کی شکل پڑ گئے نیزے میں لاکھ بل
قوت علیؑ کے شیر کی عقدہ کشا ہوئی
نیزے کی پور پور گرہ سے جدا ہوئی

---

1. تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۵۱

سنبھلا لپٹ کے گھوڑے کی گردن سے خود پسند　　اٹھا جو زور کرکے لگا ہانپنے سمند
تھا چور چور شیر کے جھٹکے سے بند بند　　مشکل سے بے حیا نے کیا گرز کو بلند
یاں جھپ سے ہاتھ اس کی کلائی پہ چل گیا
دست نجس میں گرز نہ ٹھہرا نکل گیا [1]

یہ ماننا پڑے گا کہ تعشق کی دست بدست لڑائی کا یہ منظر کمزور ہے۔ طرفین کے وار کرنے اور اس کے روکنے کے بیان میں وہ ہمواری اور بے ساختگی نہیں ہے جو اس دور کے دوسرے مرثیہ گویوں کے یہاں نظر آتی ہے۔ اس سلسلہ کے دو بند اور دیکھیے:

چلتی تھی سن سے تیغ جو اکبرؑ کی دم بدم　　کیا کیا جھجک جھجک کے ہٹاتا تھا وہ قدم
دم چڑھ رہا تھا ضیق میں تھا بانیٔ ستم　　چھائے ہوئے تھے اکبر ذی جاہ ذی حشم
ہے کس کو بھوک پیاس نہ تھا کچھ خیال میں
کیا جی لگا ہوا تھا جدال و قتال میں [2]

پایا جو شاہِ دیں کا اشارا دلیر نے　　تاکا وہیں سر ستم آرا دلیر نے
رہوار پر سنبھل کے دوبارا دلیر نے　　پورا جما کے ہاتھ جو مارا دلیر نے
دیکھا تو دو تھے راکب و مرکب پڑے ہوئے
تلوار کو یہ پونچھ رہے تھے کھڑے ہوئے [3]

تعشق نے اپنے مراثی میں رزم کے مناظر بڑی چابک دستی سے پیش کیے ہیں۔ ان کے مراثی میں پیش ہونے والی جنگ میں دونوں فریق برابر سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ اور یہ پتہ چلتا ہے کہ کس نے کس پر وار کیا اور اس کو دوسرے فریق نے کیسے روکا۔ دست بدست جنگ کی تصویر کشی کا یہ اہم نکتہ ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان بیانات میں ان کے یہاں وہ روانی، صفائی اور وقار نہیں ہے جو ان کے معاصر انیسؔ کے یہاں نظر آتا ہے۔

---

[1] تعشق: افکار تعشق جلد ۲، ص ۲۱　　[2] تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۱۱۴

[3] تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۱۱۴

زبان و بیان

تعشق کا دور لکھنؤ اسکول کے عروج کا زمانہ ہے۔ ان کے دور میں عروس سخن کی آرائش کے لیے داخلی اوصاف سے زیادہ خارجی صفات کی طرف توجہ کی جارہی تھی۔ مختلف صنعتوں کے استعمال، رعایت لفظی، تشبیہات واستعارات، مجاز و کنایہ کی طرف عام رجحان تھا۔ اساتذہ شاعری کو دلی جذبات کا ترجمان بنانے کے پہلو بہ پہلو، اس کی ظاہری آرائش کا بھی لحاظ کرتے تھے۔ یہ انداز سخن پورے ماحول پر طاری تھا اور مرثیہ گو شاعر اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔

تعشق کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دبستان عشق کے سربرآوردہ شاعر تھے جس کے کچھ اپنے بھی اصول وضوابط تھے۔ اگر چہ انھوں نے ان تمام اصولوں کی پابندی نہیں کی، پھر بھی ایک حد تک ان پر کار بند رہے۔

تعشق نے اپنے مرثیوں میں ثقیل اور غیر مستعمل الفاظ سے گریز کرتے ہوئے سیدھے اور آسان و مروج الفاظ کی طرف زیادہ توجہ کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے مزاج کو بھی دخل تھا۔ وہ غزل کے شاعر ہیں اور غزل میں بڑی سے بڑی بات کو نرم و نازک اور پُر تاثیر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ تعشق نے اپنا مسلک مرثیہ میں بھی واضح رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں عربی وفارسی الفاظ کے پہلو بہ پہلو ٹھیٹھ ہندوستانی لفظوں کا بھی سنگم نظر آتا ہے۔ مثلاً بھالے، برچھی، بٹنا، باڑھ، تونسنا وغیرہ۔

زبان و بیان کی خوبی بڑی حد تک زبان کے بامحاورہ ہونے پر بھی منحصر ہے۔ تعشق نے بان کو نکھارنے کے لیے مروج اور خوب صورت محاوروں کو جگہ دی۔ ان کی زبان لکھنوی محاوروں سے مالا مال ہے۔ خصوصاً عورتوں کے محاوروں کے بیان میں انھوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اپنے کو بات بات پہ یاں تو فدا کیا ‏ ‏ ‏ میں بھی تو کچھ سنوں کہ وہاں جاکے کیا کیا!

---

1 تعشق: افکار تعشق جلد ۲، ص ۳۲

اچھا کیا سلوک شہ مشرقین سے　　تھے سب یہ چاہ پیار زبانی حسینؑ سے[1]

فوج سب کھا گئی گھونگھٹ کہ بڑھا شہ کا سمند[2]

یا

رن بول رہا ہے نہ ڈریں یہ کہ ہے بچپن[3]

بھاگے ہیں سب کٹی ہوئی ڈھالیں لیے ہوئے　　جاتے ہیں ابر گھاٹ سے پانی لیے ہوئے[5]

یا

شہروں میں غل ہے فوج کی رنگت بدل گئی　　پانی کے واسطے کہیں تلوار چل گئی[6]

تعشق نے اپنے مرثیوں میں تشبیہ واستعاروں کو جگہ دی ہے اور ان کے استعمال میں انھوں نے کدوکاوش بھی کی۔ تشبیہات میں ان کی ندرتِ طبع خصوصاً نمایاں ہوتی ہے۔ تعشق کے تشبیہوں کی بلاغت پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ ایک جگہ نہر فرات کو گرد وغبار میں اٹنے پر کہا ہے:

یوں نہر اَٹ کے رہ گئی گرد و غبار میں　　ہو خشک جس طرح کوئی میت مزار میں[7]

تشبیہوں کی دوسری مثالیں حسب ذیل ہیں:

کاٹھی سے یوں اگلتی ہے تیغِ امام دیں　　جیسے حسیں بگڑ کے چڑھاتے ہیں آستیں[8]

وہ تیغ یوں جدا ہوئی کاٹھی سے خشم گیں　　جیسے بگڑ کے اٹھتے ہیں پہلو سے نازنیں[9]

کالے علم کھلے کہ ہوئی کربلا میں شام　　مثلِ کسوف دھوپ سیہ ہوگئی تمام[9]

تپ میں وہ بزم تک صفتِ شمع ہوگئی　　بیٹھی مریض صحبتِ غم گرم ہوگئی[10]

پانی ہو ہو کے لہو قلب وجگر سے ٹپکے　　جس طرح اوس گل و برگ وثمر سے ٹپکے[11]

پیدا ہوئی لہو سے چمک ہاتھ پاؤں میں　　جیسے دلہن نہائے ستاروں کی چھاؤں میں[12]

۱۔ تعشق: افکارِ تعشق جلد۲، ص۳۳　　۲۔ تعشق: افکارِ تعشق جلد۱، ص۵۹

۳۔ ایضاً: ایضاً ص۱۵۳　　۴۔ ایضاً: شاہکارِ سخن ص۴۱

۵۔ ایضاً: شاہکارِ سخن ص۴۳　　۶۔ ایضاً: ایضاً ص۱۸

۷۔ ایضاً: براہینِ غم جلد۳، ص۴۲　　۸۔ ایضاً: براہینِ غم جلد۳، ص۴۱

۹۔ ایضاً: ایضاً ص۴۰　　۱۰۔ ایضاً: ایضاً ص۱۶

۱۱۔ ایضاً: افکارِ تعشق جلد۱، ص۳۱　　۱۲۔ ایضاً: افکارِ تعشق جلد۱، ص۱۳۲

تعشق کے مراثی میں تشبیہوں کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ انھوں نے انفرادی تشبیہوں کے علاوہ مرکب تشبیہوں کو بھی جگہ دی ہے۔ مثلاً ایک جگہ میدان جنگ میں گھوڑے کی یال کے کٹ کٹ کر لٹک آنے کے لیے لکھا ہے:

کٹ کٹ کے گردنوں پہ جو چھٹکی ہوئی ہے یال   پریوں کا غول کھولے ہے گویا سروں کے بال[1]

استعاروں کے ذریعہ تعشق اپنے کلام کی بلاغت میں اضافہ کرتے ہیں۔ انھوں نے جا بجا اپنے مرثیوں میں ایسے استعاروں کو جگہ دی ہے جس سے ان کا انفرادی رنگِ کلام نمایاں ہو جاتا ہے۔ کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

دنیا سے نوجواں یہ گل اندام اٹھ گئے   جو شمع بزم تھے وہ سرِ شام اٹھ گئے[2]

اکسیر کا جبیں کی ضیا کام کر گئی   جنگل تمام سونے کے پانی سے بھر گئی[3]

ضعف آنکھوں پہ صدقے عرق آنے سے پڑے ہیں   نرگس کے ہیں دو پھول کہ پانی میں پڑے ہیں[4]

جھک کے ہشیار کیا غش میں جو پایا اس کو   لخلخہ گیسوئے مشکیں کا سنگھایا اس کو[5]

حسرت سے جانب رخ روشن نگاہ ہے   چھپتا ہے چاند آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے[6]

ایسے نہیں ہو تم جو مجھے کچھ گزند ہو   وہ بھی کوئی پری ہے جو شیشے میں بند ہوئے[7]

یہ کہہ رہے تھے شہ کہ اٹھا ابر اس طرف   گرجے مثالِ رعد مہم کوس و بوق و دف[8]

تعشق کی زبان و بیان رعایت لفظی اور ضلع جگت سے متاثر ہے۔ یہ ان کے دور کی عام پسند تھی کہ زبان کو رعایتوں کی چاشنی سے مزے دار بنایا جائے۔ تعشق نے اپنے کلام میں رعایت لفظی کو کثرت سے جگہ دی ہے اور ان کے ذریعہ لطف بیان میں بھی اضافہ کیا ہے:

سر قلم ہو تو ملے نخلِ محبت کا ثمر   زخم ہاتھ آئیں تو فرحت ہو کہ پائے گلِ تر

آبلے دل میں جو پڑ جائیں تو حاصل ہو گہر   میں جلوں آگ میں سو بار تو ٹھنڈا ہو جگر

---

1. تعشق: افکارِ تعشق جلد ۱، ص ۱۵
2. تعشق: براہین غم جلد ۳، ص ۵
3. ایضاً: شاہکار سخن ص ۱۹
4. ایضاً: ایضاً جلد ۳، ص ۱۷
5. ایضاً: افکار تعشق جلد ۱، ص ۶۰
6. ایضاً: افکار تعشق جلد ۲، ص ۴۰
7. ایضاً: براہین غم جلد ۱، ص ۱۹
8. ایضاً: شاہکار سخن ص ۳۱

تیر کھا کر ہو یہ شادی دلِ مضطر کے لیے
مل گئے ہاتھ مجھے ماتم سرور کے لیے [1]

حُر کی اس تقریر میں رعایتوں کے ذریعہ بہت لطف پیدا ہوگیا ہے اور ان کی بدولت تاثیر کلام میں بھی ایک گونہ اضافہ ہوگیا ہے۔ تعشق کے مراثی میں رعایتوں کا استعمال عموماً پُر تاثیر ہے۔ مثلاً جناب زینبؑ کے ایک بین میں رعایت لفظی ملاحظہ ہو:

ان گیسوؤں پہ بال برابر پڑے نہ بل — موسم یہ ہے کہ نخل جوانی میں آئے پھل
ہے دیکھنے کی فصل جو مانع نہ ہو اجل — فصلِ خدا ہو آج تو کرتی ہوں بیاہ کل
عازم ہو قتل گاہ کے دولھا کی شان سے
کیوں آج کو نہ اٹھ گئی زینبؑ جہان سے [2]

یہاں گیسوؤں کی رعایت سے بل اور بال، موسم کی رعایت سے فصل، پھل وغیرہ کے باوجود جناب زینبؑ کی دردناک گفتگو میں کوئی کمی نہیں آتی، لیکن یہ بات ہر جگہ نہیں۔ صنعت مراعاۃ النظیر کی فکر میں کہیں کہیں ان کے یہاں وہ کیفیت بھی آتی ہے جہاں شاعری صرف لفظی شعبدہ گری رہ جاتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ حضرت علی اکبرؑ کا سراپا اس طرح بیان کرتے ہیں:

یوسف کی شکل جب کہ ہوا مہرباں خدا — چاہِ ذقن میں آبِ بقا مجھ کو مل گیا
کی کاروانِ حسن نے امداد برملا — ڈالی رسن جو زلف دوتا کی گرہ کشا
جب کی کشش تو ساتھ دلِ ناتواں ہوا
یوسف نکل کے چاہ کے آگے رواں ہوا [3]

تعشق کے زبان و بیان کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ دبستانِ عشق کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعرانہ صلاحیت میر عشق کی زیرنگرانی پروان چڑھی اور انھوں نے عمر بھر ان سے اصلاح لی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی طبیعت کی ہمہ گیری صرف دبستانِ عشق تک محدود نہ تھی۔ میر عشق سے اصلاح لینے کے بعد بھی انھوں نے بہت سی ایسی

---

1. تعشق: افکار تعشق جلد ۱، ص ۳۸ — 2. تعشق: افکار تعشق جلد ۲، ص ۴۹
3. ایضاً ایضاً ص ۵۵

باتوں کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے جنھیں میر عشقؔ پسند نہ کرتے تھے۔ ان کے کلام میں بہت سے ایسے الفاظ اور ترکیبیں نظر آتی ہیں جو میر عشقؔ متروک قرار دے چکے ہیں۔

تعشقؔ کا سب سے نمایاں کارنامہ مرثیہ میں تغزل کا سمونا ہے۔ انھوں نے اس کے ذریعہ مرثیہ کو ایک نئی کیفیت عطا کی اور غزل و مرثیہ کی ہم آہنگی میں اپنے دور کی پسند کا سامان مہیا کیا۔ انھوں نے اپنے مرثیوں میں تغزل کو شاعری کے مختلف مدارج میں بڑی خوبی سے نباہا ہے اور فضائل و مصائب دونوں میں اجتماع ضدین کے باوجود یکساں لطف کے ساتھ تغزل کو جگہ دی۔ یہی ان کا امتیاز ہے۔

منظر نگاری، کردار نگاری، رزمیہ وغیرہ میں ان کے یہاں کوئی امتیازی صورت نظر نہیں آتی لیکن اپنے زمانے کے عام رواج کے مطابق انھوں نے ان مضامین کو اپنے یہاں بڑی خوبی اور کامیابی سے نباہا ہے اور تغزل کی چاشنی سے ان میں ایک نیا لطف پیدا کر دیا ہے۔

مجموعی حیثیت سے جب ان پر نظر پڑتی ہے تو وہ اپنے عہد کے مرثیہ گویوں کی صفِ اول میں نظر آتے ہیں۔ جب ان کے معاصرین پر نظر پڑتی ہے اور ان میں انیسؔ، دبیرؔ، عشقؔ، مونسؔ ایسے باکمال دکھائی دیتے ہیں تو ان کا یہ کارنامہ کم نہیں سمجھنا چاہیے کہ ایسے باکمالوں کے سامنے انھوں نے اپنی جگہ پیدا کر لی۔''

(بشکریہ اقتباسات از دبستانِ عشقؔ کی مرثیہ گوئی۔ تصنیف ڈاکٹر جعفر رضا)

فہرست مراثی تعشق لکھنوی

شمارہ	مطلع	احوال شہادت	تعداد بند	مطبوعہ کتاب
۱-	حضرت کو دو پہر جو ہوئی رزم گاہ میں	حضرت امام حسینؑ	149	براہین غم جلد اوّل
۲-	باغ جناں سے کوچ ہے کس گل عذار کا	حضرت امام حسینؑ	172	براہین غم جلد اوّل
۳-	جب کارواں سے یوسفِ زہراؑ جدا ہوا	حضرت امام حسینؑ	172	براہین غم جلد اوّل
۴-	پروانۂ جان باز سوئے شمع رواں ہے	حضرت امام حسینؑ	188	براہین غم جلد اوّل
۵-	جب شۂ بے کس و مظلوم کے یاور نہ رہے	حضرت امام حسینؑ	60	براہین غم جلد اوّل
۶-	ہے جوشِ قلزمِ غضب ذوالجلال کو	حضرت امام حسینؑ	194	براہین غم جلد دوم
۷-	دنیا میں کمائی نہ ہو برباد کسی کی	حضرت علی اکبرؑ	212	براہین غم جلد دوم
۸-	حسینؑ خیمے سے اصغرؑ کو لے کے جاتے ہیں	حضرت علی اصغرؑ	42	براہین غم جلد دوم
۹-	افسانۂ عشق گل و بلبل ہے جہاں میں	حضرت عباسؑ	183	براہین غم جلد دوم
۱۰-	سچ ہے دنیا میں شبِ ہجر بلا ہوتی ہے	حضرت حُر	154	براہین غم جلد دوم
۱۱-	ماں سے اصغرؑ وداع ہوتے ہیں	حضرت علی اصغرؑ	47	براہین غم جلد دوم
۱۲-	جب محوِ جنگ قاسم ابرو کماں ہوئے	حضرت علی اکبرؑ	243	براہین غم جلد دوم
۱۳-	کھینچ اے قلم مرقعِ صحرائے کربلا	حضرت امام حسینؑ	232	براہین غم جلد سوم
۱۴-	افسانۂ جاں سوز ہے کس تشنہ دہن کا	حضرت علی اصغرؑ	156	براہین غم جلد سوم
۱۵-	کوئی حسینؑ سا نہیں صابر جہاں میں	حضرت امام حسینؑ	207	براہین غم جلد سوم
۱۶-	شبیرؑ کے سفر کا زمانہ قریب ہے	سفر حضرت سیدالشہداء	108	افکار تعشق جلد اوّل
۱۷-	دل مرا الفتِ شبیرؑ سے بھر دے یارب	حضرت حُر	158	افکار تعشق جلد اوّل
۱۸-	دو دل جو ایک ہوں تو نہ کیوں کام خوب ہو	حضرت عون و محمدؑ	137	افکار تعشق جلد اوّل

شمارہ	مطلع	احوال شہادت	تعداد بند	مطبوعہ/کتاب
۱۹	کچھ قدر داغِ ہجر تجھے اے فلک نہیں	حضرت علی اکبرؑ	146	افکار تعشق جلد اوّل
۲۰	آمد مہِ بتولؑ کی ہے فوج شام میں	حضرت امام حسینؑ	102	افکار تعشق جلد اوّل
۲۱	اس باغ میں ہو تلخ نہ آرام کسی کا	حضرت امام حسینؑ	132	افکار تعشق جلد اوّل
۲۲	یثرب سے کربلا کے مسافر قریب ہیں	رہائی اہلبیت	153	افکار تعشق جلد دوم
۲۳	ہنگامہ فراقِ تن و جاں قریب ہے	حضرت علی اکبرؑ	161	افکار تعشق جلد دوم
۲۴	جنگل کی مسافر کیلئے دھوپ غضب ہے	حضرت امام حسینؑ	118	افکار تعشق جلد دوم
۲۵	بگڑا ہے وہ ضیغم کہ ہے صحرا میں تلاطم	حضرت امام حسینؑ	138	افکار تعشق جلد دوم
۲۶	دنیا میں ایک حال سے رہنا محال ہے	روایت بچۂ آہو	126	افکار تعشق جلد دوم
۲۷	غربت میں قضا کی جو شہِ مشرقین نے	حضرت امام حسینؑ	141	غیر مطبوعہ کتب خانہ تقی عابدی
۲۸	یارب کوئی جہاں میں غریب الوطن نہ ہو	حضرت امام حسینؑ	91	غیر مطبوعہ کتب خانہ تقی عابدی
۲۹	جس دم گل حدیقۂ مسلم خزاں ہوا	پسران مسلم، حضرت علی اکبرؑ	167	غیر مطبوعہ کتب خانہ تقی عابدی
۳۰	جب عزیزوں سے ہوئی صحبت سروز خالی	حضرت امام حسینؑ	140	مطبوعہ۔ دور تعشق
۳۱	اے اہلِ عزا ماہِ محرم کے دن آئے	شہدائے کربلا	72	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی
۳۲	زینبؑ سے جدا ہوتے ہیں شبیرؑ سفر میں	حضرت امام حسینؑ	145	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی
۳۳	آتا ہے عجب شیر کہ خاک اڑتی ہے رن میں	حضرت عباسؑ	166	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی
۳۴	اے ترک فلک گردن تسلیم کو خم کر	شہدائے کربلا	100	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی

اس کے علاوہ چار مرثیوں کے مطلعوں کا ذکر مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی کے ذخیرے میں موجود ہے۔

شمارہ	مطلع	احوال شہادت	تعداد بند	مطبوعہ/کتاب
۳۵	ایک مدت جو شہِ دیں کو سفر میں گذری	—	—	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی
۳۶	نقارۂ رزمی جو بجی فوج ستم میں	—	—	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی
۳۷	عباسؑ علی شمع شبستان وفا ہے	—	—	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی
۳۸	عباسؑ علی شیر نیستان وفا ہے	—	—	قلمی ذخیرہ مرحوم علی ارشاد نقوی لکھنوی

قصاید

کل قصاید = ۱۴

کل اشعار قصاید = ۶۳۱

قصیدہ کا شہسوار۔ تعشق لکھنوی

تعشق لکھنوی کی قصدہ نگاری پر ایک صدی گزرنے کے بعد بھی ادب میں کوئی تجلیلی یا تنقیدی کام نہ ہوسکا۔ سچ تو یہ ہے کہ تعشق کے تمام کلام کے ساتھ ادبی دنیا میں آج تک انصاف نہ ہوسکا۔

تعشق کے چودہ مطبوعہ قصیدے موجود ہیں۔ راقم کی نظر میں تعشق اردو ادب کے وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے مقامات مقدسہ اور عتبات عالیہ کے ناموں کو ردیف بنا کر مکمل قصیدے لکھے ہیں۔ تعشق نے سات مکمل قصیدوں کی ردیفیں کعبہ، مدینہ، نجف، کربلا، طوس، کاظمین اور سامرہ رکھ کر تنگی مضمون میں وسعت پیدا کی ہے اور نئے نئے گوشے نکالے ہیں۔

تعشق کی قصیدہ نگاری پر روشنی ڈالنے سے پہلے ہم مختصر گفتگو قصیدہ کی تاریخ، ہیئت خصوصیت، اجزا، موضوع، مطالب، اور زبان پر کریں گے تاکہ ان حقایق کی کسوٹی پر تعشق کو پرکھا جاسکے۔

قصیدہ عربی لفظ ہے، جس کے لغوی معنی گاڑھے مغز کے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے قصد اور ارادہ سے مناسبت دی ہے۔ قصیدہ اصطلاحی معنی میں ایک ایسی مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کا پہلا شعر یعنی مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور باقی اشعار دوسرے مصرعہ کے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں۔ جہاں تک موضوع کا تعلق ہے، اس میں مدح، ہجو، پند و نصیحت، اور مختلف داخلی وخارجی واقعات اور حالات کا بیان ہوتا ہے۔ قصیدے میں اشعار کی تعداد کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ قصیدہ میں عموماً چار جزو ہوتے ہیں۔ اس کی تمہید کے اشعار کو تشبیب کہتے ہیں، جس کے بعد شاعر گریز کر کے مدح

لکھتا ہے اور دعا پر قصیدہ کو تمام کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر قصیدہ میں تشبیب، گریز، مدح، اور دعا شامل ہو۔ بعض مدحیہ قصیدوں میں شاعر صرف مدح سے شروع کر کے دعا پر ختم کرتا ہے۔ چنانچہ وہ قصاید جو تمہید، گریز، مدح اور دعا پر مشتمل ہوتے ہیں، انھیں قصیدہ تمہیدیہ اور وہ قصاید جس میں ممدوح کو خطاب کر کے لکھا جائے، قصیدہ خطابیہ کہلاتے ہیں۔

قصیدہ کو تمہیدی مضامین کے اعتبار سے مزید تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً عشقیہ، واعظیہ، بہاریہ، فخریہ، حالیہ اور دعائیہ وغیرہ وغیرہ۔ مدحیہ قصیدوں کو مزید دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ وہ قصاید جو سلاطین اور امراؤ غیرہ کے لیے لکھے جائیں اور وہ قصاید جو بزرگان دین کی شان میں کہے جائیں۔

تعشق لکھنوی کے تمام قصاید مدحیہ قصاید ہیں جو بزرگان دین، مقامات مقدسہ اور عتبات عالیہ سے منسوب ہیں۔

اردو میں قصیدہ فارسی ادب کے راستے سے داخل ہوا اور فارسی قصیدہ عربی قصاید کی بدولت پروان چڑھا۔ چنانچہ اردو قصیدہ پر عربی اور فارسی قصیدوں کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ عربی شعرا، کی تعداد جنھوں نے قصیدہ نگاری کو چار چاند لگائے، زیادہ ہے۔ یہ سلسلہ امرء القیس سے لے کر ابولفراس تک تابناک ہے، اسی لیے تو فارسی کے قدیم اور عظیم شاعر انوری نے اس بات کا اقرار کیا تھا

شاعری دانی کدامیں قوم کروند آنکہ بود
اول شان امرء القیس آخر شان بو فراس

فارسی قصیدہ گویوں کی فہرست طولانی ہے۔ متقدمین میں انوری، ظہیر فاریابی، خاقانی اور کمال اسمعیل کے نام سر فہرست ہیں، لیکن خاقانی کا کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا۔ متوسطین میں محتشم کاشی، سنجر کاشانی، عرفی، قدسی وغیرہ نے قصیدوں کے مصرعوں میں لفظوں کو آب طلا سے لکھا اور متاخرین میں قاآنی کا نام سر فہرست ہے، جو دربار قاچار کا شاعر تھا۔ قاآنی ہمسر مرزا غالب تھا۔

اردو قصیدہ نگاری میں بھی فارسی اور عربی قصیدہ نگاروں کی طرح دو عامل موثر

رہے۔ یعنی دربار سے صلہ و انعام یا مذہبی عقیدت۔ لیکن زیادہ تر عمدہ قصیدہ نگاری کا محرک داخلی وجدان اور مذہبی میلان تھا۔ اردو ادب کے تقریباً ہر بڑے شاعر نے قصیدہ نگاری کی، جن میں ولیؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، ناسخؔ، آتشؔ، غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، امیرؔ، اسیرؔ، منیرؔ، جلالؔ، داغؔ، عزیزؔ، صفیؔ، ثاقبؔ، وغیرہ وغیرہ نے دنیاوی اور دینوی شخصیتوں کی مدح کی۔

اگرچہ اغلب اردو کے شاعروں نے دین کی برگزیدہ شخصیتوں کے بارے میں شعر لکھے، لیکن استاد ظفر ذوقؔ نے اپنی تمام توانائی دہلی کے دربار پر صرف کر دی۔ چنانچہ ذوقؔ کے ہاں صرف ایک دو قصیدے دینی پیشواؤں کے لیے ہیں۔

اردو قصیدہ نگاری میں سوداؔ سر فہرست ہیں۔ لیکن غالبؔ، ذوقؔ اور مومنؔ کے علاوہ میر حسنؔ اور انشاؔ بھی کچھ کم نہیں۔ سلاطین اور امراء کی جھوٹی شان کے قصیدوں کو پڑھ کر پروفیسر کلیم الدین نے یہ غلط انداز کیا کہ ''اردو میں قصیدہ اپنی دشواری کی بنا پر ہر دلعزیز نہ ہو سکا۔'' اگر پروفیسر کلیم الدین کو بزرگان دین کی شان میں کہے گئے قصیدوں کو پڑھنے کی توفیق ہوتی تو معلوم ہوتا کہ یہ محبت کا سودا سب سے زیادہ ہر دلعزیزی کا باعث رہا۔ مشہور واقعہ ہے کہ خاندان صفوی کا ملک الشعرا ملا محتشم کاشیؔ نے جب شاہ صفوی اور ان کی ملکہ کی شان میں دو جدا جدا قصیدے روانہ کیے تو شاہ صفوی نے قصیدوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس میں صداقت نہیں ہے، بلکہ مبالغہ ہے۔ چنانچہ یہ بھی کہا کہ حضرت ختمی مرتبت اور ان کے برگزیدہ خاندان کے افراد کی شان میں جو کچھ بھی کہو گے، ان کے مدارج سے زیادہ نہیں ہو سکتا، اور اس پر دربار سے انعام و صلہ بھی دیا جائے گا۔ چنان چہ محتشم کاشیؔ نے ہفت بند حضرت علیؑ کی شان لکھے اور اس پر ان کو داد و دہش سے نوازا گیا۔

قصیدہ پر اس تمہیدی گفتگو کو مختصر کر کے ہم اصل مطلب یعنی تعشقؔ لکھنوی کی قصیدہ نگاری پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے چودہ (14) مطبوعہ قصاید میں نصف سے زیادہ قصاید مقامات مقدسہ اور عتبات عالیہ کے نام نامی ردیف پر لکھے گئے ہیں۔ باقی قصاید میں پانچ قصیدے حضرت علیؑ کی شان اور ایک قصیدہ امام رضاؑ کی شان میں لکھا گیا ہے، جو صنعت ترصیع میں ہے۔ سب سے بڑا قصیدہ جو چورانوے (94) اشعار پر مشتمل ہے،

حضرت امام رضاؑ کے مدفن ''طوس'' کی ردیف میں ہے، اور سب سے چھوٹا قصیدہ جو سترہ (17) اشعار کا ہے، وہ حضور ختمی مرتبتؐ کے دیار مدینہ کی ردیف میں ہے۔ قصیدوں میں عموماً کئی مطلعے ہیں، جو قصیدہ کے شروع میں نظر آتے ہیں۔ ایک قصیدہ جو حضرت علیؑ کی شان میں چونسٹھ (64) اشعار سے بنایا گیا ہے، پہلے کے اڑتیس (38) شعر مطلع کے اشعار ہیں۔

جیسا کہ ہم سب واقف ہیں قصیدہ میں بلند خیالی، الفاظ میں زور وشور، کلام میں قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ صنائع کا التزام، محاوروں کا اژدہام، نادر تشبیہات کا اہتمام، بڑے شاعر کے فنی انتظام اور اس کے فکری نظام کا نقیب ہوتا ہے۔ سودا اور غالبؔ کے یہاں اس کی مثالیں زیادہ ہیں۔ تعشق لکھنوی کا تعلق دبستان ناسخ سے تھا، جہاں سادہ اور شگفتہ الفاظ، روز مرہ کے لہجہ میں روانی سے کہنا سہل ممتنع کے مانند تھا۔ تعشق کے قصیدے کسی خاص تفسیر یا تشریح کے محتاج نہیں۔ اگر نادر اور جدید تشبیہات اور استعارات کو بروئے کار لایا گیا ہے تو سلیس، نرم اور مانوس طریقہ سے پیش بھی کیا گیا ہے۔ تعشق نے اغلب قصیدوں کو انہی مقدس مقامات میں رہ کر رقم کیا۔ چناں چہ مصرعوں میں وہاں کی خاک اور آب وہوا کی خوشبو مشام عقیدت کو مہمیز کرتی ہے۔ مبالغہ شاعری کا نمک مرچ ہے۔ اس کے بغیر شعر بے مزا ہو جاتا ہے۔ بعض خشک ناقدین نے مبالغہ کو شعر کی سلامتی کے خلاف بتایا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں شعر سچا ہو۔ سوال یہ ہے اگر صرف معمولی اور ممکن باتیں شعر میں بیان کی جائیں تو پھر اس میں تاثیر اور مزہ جو جذبات کو برانگیخت کرے، کیا ہوگا، جیسے اس شعر میں

دندان تو جملہ در دہانند

چشمان تو زیر ابرو انند

یعنی تیرے تمام دانت منہ میں ہیں اور تیری دو آنکھیں ابرو کے نیچے قرار دی گئی ہیں۔ دوسری اہم بات جس کی طرف علامہ شبلی نے موازنہ انیس و دبیر میں اشارہ کیا ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ شاعر جن واقعات اور مسائل کو صفت مبالغہ میں نظم کر رہا ہے، وہ اس کے عقیدہ میں ممکن ہیں اور اس نے کتنی کامیابی کے ساتھ ان چیزوں کو شعری جامہ پہنایا ہے، یعنی پڑھنے والے نہیں، بلکہ لکھنے والے کی تخیل اور تعقل معیار ہے۔

تعشق کی فن پر مہارت، قادرالکلامی اور قوت تخیل کی شدت کو سمجھنے کے لیے یہاں ہم چند شعر پیش کرتے ہیں جس میں اگرچہ ردیف نے شعر کے دامن کو تنگ کر دیا تھا لیکن تخیل کی وسعت نے سخت اور سنگلاخ زمین میں بھی زعفران کی کھیتی تر و تازہ رکھی۔

کعبہ کی ردیف والے قصیدہ کے چند شعر دیکھیے۔ مطلع اور مقطع میں مصرعہ ثانی مشترک ہے۔

دل تڑپتا ہے شب و روز برائے کعبہ
پھر وہ دن ہو کہ خدا ہم کو دکھائے کعبہ
اے تعشق یہی مصرع ہے وظیفہ اپنا
پھر وہ دن ہو کہ خدا ہم کو دکھائے کعبہ
جبکہ زد پر ہو نشانہ تو خطا کیا معنی
تیری عرش پہ جاتی ہے دعائے کعبہ
منہ مرا گور میں قبلہ کی طرف کو ہوگا
مر کے بھی سر سے نہ جائے گی ہوائے کعبہ
آپ نے شوق کو بس دیکھ لیا واہ خلیل
جائے دل سینہ میں لازم تھی بنائے کعبہ

ایک اور قصیدہ کی ردیف مدینہ ہے۔ اگرچہ نعتیہ قصاید میں دیار مدینہ پر آبدار اشعار کی کمی نہیں۔ اغلب اشعار دیار مدینہ سے دوری اور کوچۂ حبیب سے محرومی میں لکھے گئے ہیں لیکن تعشق چونکہ خود کئی سال عراق اور حجاز میں رہے، ان کے ہاں مضامین اس نوعیت کے ہیں جیسے کوئی مدینہ کا مکین وہاں کی عظمت کے بارے میں لکھے۔

مجھے چھو نہیں سکتی ہے نار جہنم
کہ مجھ پر پڑا ہے غبار مدینہ
بناتے ہیں جاروب پر ہائے قدسی
جو ہیں خاک روب دیار مدینہ

نہ بیٹھا کہیں اور جز عرشِ اعظم
جب اٹھا ہوا سے غبارِ مدینہ

نجف کی ردیف میں جو قصیدہ ہے، اس کے اشعار میں چست بندش، سلیس زبان، خوبصورت تراکیب، ذوفہم تشبیہات، نادر استعارات کے ہمراہ محاورں کی آئینہ بندی، خودرو صنائع کی فراوانی ہے۔ تعشق کا مطالعہ وسیع تھا۔ اصطلاحات اور تلمیحات کی آرائش ہر شعر میں دعوتِ نظارہ ہنر پیش کرتی ہے۔ عقیدت کے پھول ہر شاخِ مصرع پر کھلے ہوئے ہیں۔ تعشق کے کلام میں بناوٹ نہیں، صنائع خودرو پھولوں کی طرح موقع ملتے ہی ریگستان میں چمنستان کا منظر بنا دیتی ہے۔

جو مشتاقِ نظّارہ ہو برقِ طور
کہے لن ترانی غبارِ نجف
نسیمِ جناں پائے اقدس دبائے
جو خوابیدہ ہو سبزہ زارِ نجف
جو حق نے دیے ہوتے کعبہ کو پا
تو ہر سال ہوتا نثارِ نجف
ملک دیکھ لیں بو ترابی ہوں میں
کفن میں بھرا ہے غبارِ نجف

کربلا کی ردیف میں تلمیحات اور صنعتوں کا کرشمہ ملاحظہ کریں۔

یوسف مصری بھلا کیا اور کیا ان کی زبان
بند کر دیتی ہے لب شیریں زبانِ کربلا
مثل فطرس قدسیوں کے بال و پر بے کار ہوں
گر اڑیں مل کر میانِ طائرانِ کربلا
مول لے کر چھوڑ دے بلقیس کو یاں کی صبا
چھین لیں تاجِ سلیماں طائرانِ کربلا

ڈوبنے دیتی نہیں دریائے عصیاں میں فرات
نوح کی کشتی ہوا آبِ روانِ کربلا
کرسی وعرشِ بریں کو ہے بس اتنا مرتبہ
یہ زمینِ کربلا وہ آسمانِ کربلا

تعشق کا سب سے طولانی قصیدہ طوس کی ردیف میں لکھا گیا ہے۔

آنکھیں بچھائے نرگسِ فردوس دوڑ کر
رکھے بہشت جو قدم سبزہ زار طوس
دوزخ کی آگ آتش گل کا دکھائے رنگ
دامن کی دے ہوا جو نسیمِ بہار طوس
اے چرخ ایک برگِ گلِ نیلوفر ہے تو
منقار سے پکڑ کے اٹھالے ہزار طوس

تعشق لکھنوی نے کاظمین اور سامرہ کی ردیفوں میں عمدہ اشعار نکالے ہیں۔
کاظمین میں دو امام مدفون ہیں، اسی نسبت سے اس قصیدہ کا عنوان بھی مجمع البحرین رکھا ہے۔ اس مختصر قصیدہ میں، جس میں مشکل سے اٹھارہ انیس شعر ہیں، کئی اشعار اسی مضمون پر مختلف طریقوں سے لکھے ہیں۔

کون وہ جا ہے جہاں ہوں ایک جا دو آفتاب
ایک بس دونوں جہاں میں ہے مقام کاظمین
تثنیہ کوئی کہے واحد کو یہ ممکن نہیں
دو اماموں سے ہوا مشہور نام کاظمین
ہیں وہاں مدفون جو دو لختِ جگر شبیر کے
کربلا کا پارۂ دل ہے مقام کاظمین
دو اماموں سے رہا کونین میں باقی نشان
نقش ہے دونوں جہاں کے دل میں نام کاظمین

خلد کے پھولوں کی نکہت سے پریشاں ہو دماغ
دو گلوں سے کیا معطر ہے مقام کاظمین

جب سامرہ کی ردیف میں قصیدہ پیش کرتے ہیں تو ایک معمولی سے مضمون میں کئی زاویہ پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ گدائے سامرہ پر بھی کم از کم چھ اشعار موجود ہیں۔ گدائے سامرہ کی عظمت سلاطین زمن سے بھی زیادہ دکھائی گئی ہے۔

اے نسیم خلد لا کوثر کی موجوں کو ادھر
چاہیے ہے بوریا بہر گدائے سامرہ
عرش اعظم تکیۂ سر تکیۂ پہلو فلک
ہے مہ نو زانوے پاک گدائے سامرہ
آ رہی ہے یہ لب گور سلیماں سے صدا
اے زہے طالع جو بن جائے گدائے سامرہ
آفتاب حشر تکمہ ہے گریباں ہے ہلال
نجم ہیں پیوند ملبوس گدائے سامرہ
چھوڑ اے جم تاج سر سرتاج عالم ہو کے رہ
جام لے کر ہاتھ میں بن جا گدائے سامرہ
کیمیا ہے دشمنی اکسیر سے دل میں غبار
زرد مٹی ہے طلا پیش گدائے سامرہ
اے فرشتو ہے تعشق کا یہی نام و نشاں
دفتر اعمال میں لکھ دو گدائے سامرہ

تشبیہات، استعارات، تلمیحات کے ساتھ ساتھ خودداری، بے نیازی اور عظمت گدائے سامرہ کو کئی طریقوں سے پیش کیا گیا ہے۔ جنت کا سامرہ سے تقابل کر کے داخلی واردات کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ اس پُر نور فرش کی عظمت جنت سے بھی زیادہ ہے

میں کہیں جنت میں اے رضواں نہ ہو جاؤں مریض
ہے موافق طبع کے آب و ہوائے سامرہ
مرثیہ مجھ کو ہوئی آواز مرغانِ جناں
یاد آئے طائران خوشنوائے سامرہ
گل مرا محبوب ہے رضواں ترا محبوب خار
تو فدائے خلد ہے میں ہوں فدائے سامرہ
غم کدہ معلوم ہوتا ہے مجھے باغِ جناں
ہے نظر میں عالم عشرت سرائے سامرہ

تعشق لکھنوی کے فن کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ وہ ذوق کی طرح قافیہ پیمائی نہیں کرتے، بلکہ ایک ہی قافیے میں کئی شعر تراشتے ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص ایک ہی قافیہ پر لکھے گئے اشعار جمع کر دے تو تعشق کی علم اور فن پر گرفت ظاہر ہو سکتی ہے۔ ہم اپنے بیان کو واضح کرنے کے لیے حضرت علیؑ کی شان میں کہا گیا قصیدہ، جس کا مطلع ہے:

مجمع ہے عاشقانِ شہِ قلعہ گیر کا
کس رنگ پر ہے باغ جنابِ امیر کا

اس میں خم غدیر کے قافیے پر چند اشعار پیش کرتے ہیں۔

جو برج آفتاب ہے سینہ فقیر کا
ساقی یہ نور ہے مئے خم غدیر کا
مستو اگر ہے عشق جناب امیر کا
قطرہ نچوڑنا مئے خم غدیر کا
ہے شوق دید چشم جناب امیرؑ کا
رگ رگ میں جوش ہے مئے خم غدیر کا
ساقی ہے چرخ بزم جناب امیرؑ کا
خورشید جام ہے مئے خم غدیر کا

اسی طرح فقیر کے قافیے پر مضمون جدید سے مزین کئی شعر قصیدے میں نظر آتے ہیں۔

اپنی سرشت میں ہے ولائے ابوتراب
خاکستری ہے جامۂ ہستی فقیر کا
امداد اے شناور دریائے اِنّما
طوفان میں آگیا ہے سفینہ فقیر کا
ہوں میں گدا قدیم جناب امیرؑ کا
ہے آفتاب کاسۂ کہنہ فقیر کا
موسیٰ کے ہم نشیں ہیں ترے طالبِ جمال
بالائے کوہ طور ہے بستر فقیر کا

تعشق لکھنوی کے اشعار میں غضب کی روانی ہے۔ مصرعوں میں محاورے اور روز مرہ ان کا معمول ہے۔ فن پر گرفت اور علوم سے واقفیت کی دلیل ان کی مشکل پسند ردیفیں ہیں۔ قصیدوں میں ہمیں ایک ایسا بھی قصیدہ نظر آتا ہے جس کی ردیف بوتراب ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت علیؑ کو یہ کنیت بہت پسند تھی۔ شعرا نے صدہا عمدہ اشعار اسی بوتراب کے مضمون پر تراشے ہیں۔

اے صبا بعد فنا بھی ہوں نثارِ بوتراب
خاک میری پھرتی ہے گرد مزارِ بوتراب
جس کو تکیہ ہے علیؑ پر ہیچ ہے دنیا اسے
بستر گل پر نہ رکھیں پاؤں خارِ بوتراب

قصیدہ کا مزاج بلند آہنگ، زور وشور، شاندار الفاظ سے بنا ہوا فاخرہ لباس مانگتا ہے جو پیکر خیال کو پہنایا جا سکے۔ ممدوح کی تعریف کے لیے کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان ہی نہیں بلکہ فلک بوس بیان کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کے وکیوں کی جھوٹی تعریف جدا ہے اور مختار کائنات کی مدح سرائی اور ہے۔ تعشق اپنے زمانے کے علوم رسمیہ سے واقف ہیں۔ علم کا صحیح استعمال یہی ہے کہ اس سے روشنی پیدا کی جائے اور ظلمت کے پردوں کو چاک کیا جائے۔

تلمیحات کے اشارے، بلیغ معانی اور فصیح زبان ان کے کلام میں فروزاں ہیں۔ آیات، احادیث، قصائص، روایات، حکایات اور واقعات کہیں عیاں اور اکثر نہاں ہیں اور ہر قاری اپنی استطاعت فکر نوردی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت علی کی شان میں ایک عالی شان قصیدہ میں کہتے ہیں۔

ہم اور ہماری ولا بھی کسی شمار میں ہے
خلیل کا ترے شعیوں میں جب حساب ہوا
لحد ہوئی ترے آنے سے روضۂ رضواں
سیاہ خانہ مرا خلد کا جواب ہوا
کہاں سے کھینچ کے کہاں دم میں آگیا خورشید
یہ تیرے ایک اشارے میں انقلاب ہوا

بالکل تازہ، انوکھے اور شگفتہ مضامین کس نرمی اور خوبصورتی سے نظم ہوئے ہیں۔

جو مدح گیسوے حیدرؑ میں ایک دم جاگا
اسے تمام شب قدر کا ثواب ہوا
ہے داغ عشق علی صبح وشام کے دل میں
اک آفتاب ہوا ایک ماہتاب ہوا

صنعتِ اربعہ میں شعر دیکھیے

ترا وہ عدل ہے جو معتدل بہم مل کر
مزاج آتش و خاک و ہوا و آب ہوا

برگزیدہ ہستیوں کی مدح میں ان واقعات کا ذکر لازم ہے جس سے ان کی سخاوت، شجاعت، عبادت، صداقت وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے۔ متقدمین میں ان موضوعات کو صاف اور سلیس مصرعوں میں بیان کیا جاتا تھا لیکن یہ تعشق کی فن کارانہ جرأت تھی کہ ان کو تغزل کے رنگ اور حسن بیان کے محاسن کے آہنگ میں پیش کرتے ہیں۔

کہاں ہے بدر پہنچا تھا جو صدمہ دست حیدرؓ سے
ورم کم ہو کے بڑھتا ہے مہ نو کی کلائی کا
چھپی ہیں آب میں تیغیں بدن زخمی ہیں زرہوں کے
اثر ہے آج تک دنیا میں خیبر کی لڑائی کا
ملا دے خاک میں اپنے کو ملنا ہو جو حیدرؓ سے
لحد کہتے ہیں جس کو ہے وہ کوچہ آشنائی کا
جبینِ نو کیا کرتا ہے پیدا ہر مہینے میں
ترے در پر مہ نو کو مزہ ہے جبہ سائی کا
ہمیشہ مصطفیؐ آنکھوں میں رکھتے تھے برادر کو
بجز شیرِ خدا ضیغم نہیں اور اس ترائی کا

تعشق لکھنوی نے فارسی میں ایک بتیس (32) اشعار کا قصیدہ آٹھویں امام حضرت امام رضاؑ کی شان میں صنعت ترصیع میں لکھا، جس میں مصرعہ اول کے الفاظ مصرعہ دوم کے الفاظ کے ہم وزن ہیں۔ فارسی پر قدرت، فن پر حکومت اور مضامین کی ندرت ہر شعر سے عیاں ہے۔ فارسی کے اس قصیدہ کو فارسی شعرا کے اچھے قصیدوں کی صف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ہم اسی قصیدہ کے دو تین اشعار پر اس تحریر کو تمام کرتے ہیں

حجت رب جلیل مثلِ نبیؐ بے عدیل
فخر جناب خلیل عاشق زار خدا
گلشن باغ نبیؐ مطلعی و ولی
ہاشمی و فاطمی جان و دل مرتضیٰ
زور ید بوالحسن عقدہ کشا صف شکن
مثل رسولؐ زمن مالکِ ارض و سما

فہرست قصاید

نمبر شمار	مصرعۂ مطلع	صفحہ
۱	دل تڑپتا ہے شب و روز برائے کعبہ	259
۲	رخ علیؑ کے حضور اختر آفتاب ہوا	260
۳	نہ کیوں حامی رہے میرا علیؑ ابن ابی طالب	264
۴	دیکھیے پھر بھی کبھی بخت رسا ہوتے ہیں	265
۵	ریاض جناں ہے نثار مدینہ	266
۶	جناں سے ہے اعلیٰ بہار نجف	267
۷	روز اول سے ہیں کیا کیا رتبہ دان کربلا	270
۸	پروانوں کی طرح ہے زمانہ نثار طوس	272
۹	حجت رب جلیل مثل نبیؐ بے عدیل	276
۱۰	جلوہ گاہ حضرت صاحبؑ ہے جائے سامرہ	278
۱۱	ہے مقام نور دنیا میں مقام کاظمین	281
۱۲	مجمع ہے عاشقان شہ قلعہ گیر کا	282
۱۳	لاکھ جاں سے بلبل دل سے نثار بوتراب	285
۱۴	شہا کچھ شک نہیں محسن ہے تو ساری خدائی کا	287

قصیدہ

1

دل تڑپتا ہے شب و روز برائے کعبہ
پھر وہ دن ہو کہ خدا ہم کو دکھائے کعبہ

آپ نے شوق کو بس دیکھ لیا واہ خلیل
جائے دل سینہ میں لازم تھی بنائے کعبہ

طوف میں ہوتی ہیں دو کیفیتیں ساتھ حصول
سنگِ اسود کے نثار اور فدائے کعبہ

جبکہ زد پر ہو نشانہ تو خطا کیا معنی
تیر سی عرش پہ جاتی ہے دعائے کعبہ

منہ مرا گور میں قبلہ کی طرف کو ہوگا
مر کے بھی سر سے نجائے گی ہوائے کعبہ

جو ہے دنیا میں اسی سمت کھنچا جاتا ہے
کتنی مرغوب ہے دلچسپ ہے جائے کعبہ

اپنے اللہ کی صنعت کے ہیں عاشق بندے
طوف کے نام سے ہوتے ہیں فدائے کعبہ

اے زہے لطف خوشا بندہ نوازی تیری
مجھ سے عاصی کی زباں اور ثنائے کعبہ

منہ لگائیں گے ترے جام کو اے جم کیونکر
تجھ کو کم ظرف سمجھتے ہیں گدائے کعبہ

طوف کرنے میں بدن کانپتے ہیں صورتِ بید
اے زہے عزت و اجلال خدائے کعبہ

آبِ زم زم کی وہ ٹھنڈک وہ ہوا صحن کی سرد
یاد آتی ہے بہت آب و ہوائے کعبہ

تو مرے جسم سے اے روح نکل جا سو بار
پر کہیں دل سے نکلتی ہے ولائے کعبہ

ہے دعا جامۂ احرام کفن ہو میرا
اپنے ذرہ پہ کرے مہر خدائے کعبہ

میری تربیت کا فرشتوں نے کیا آ کے طواف
بن گئی کعبۂ مقصود ولائے کعبہ

دوسرا کوئی مکاں آنکھ میں ٹھہرے نہ کبھی
چشمِ وحدت سے جو مجھ کو نظر آئے کعبہ

حج سے پھر بندۂ عاصی ہو مشرف مالک
دے مرے دل کو یہ توفیق برائے کعبہ

کیا کہوں آنکھوں نے کیا نور وہاں دیکھا ہے
خلد میں رونے لگوں یاد جو آئے کعبہ

جسم خاکی ہے یہاں اور مری روح وہاں
جان آجائے جو آجائے ہوائے کعبہ

اے تعشق یہی مصرع ہے وظیفہ اپنا
پھر وہ دن ہو کہ خدا ہم کو دکھائے کعبہ

(2)

رخِ علی کے حضور اختر آفتاب ہوا
نقاب آپ نے الٹی کہ انقلاب ہوا

میں دفن ہو کے قدم بوسِ بوترابؑ ہوا
ملا جو خاک میں ذرہ تو آفتاب ہوا

کسی نبی کو یہ رتبہ نہ دست یاب ہوا
کیے وہ کام یداللہ ترا خطاب ہوا

رہا وہ خوب جسے عشقِ بوترابؑ ہوا
بس اور جو کوئی آیا یہاں خراب ہوا

یہ تیری تیغ کے فقروں سے انقلاب ہوا
زباں سناں کی تو منہ تیغ کا خراب ہوا

زہے شرف جو سگِ کوئے بوترابؑ ہوا
پری جمال سلیماں حشم خطاب ہوا

بنا جو روضۂ پاک ابو تراب ہوا
رفیع قدر فلک منزلت خطاب ہوا

کم و زیاد ترا فیض خلق کو ہے مفید
بڑھا تو بحر گھٹا تو دُرِ خوش آب ہوا

جو تیرے شیعوں نے کچھ سوچ کے کہا اُف اُف
تمام آتش دوزخ کو اضطراب ہوا

ہوا زیارت حیدرؑ سے مر کے دل روشن
بجھا چراغ جو میرا تو آفتاب ہوا

اک اور حشر مری دور باش سے ہوگا
اگر غلام وہاں ہمرہِ رکاب ہوا

ہے داغ عشقِ علی صبح و شام کے دل میں
اک آفتاب ہوا ایک ماہتاب ہوا

بنا مسافر پا در رکاب غم سے ہلال
تری نظر میں نہ جب قابلِ رکاب ہوا

علی کے بعد ہیں بے شبہ آدمِ خاکی
ابوالبشر وہ ہوے یہ ابو ترابؑ ہوا

ترے محیط کرم سے بخار جب اٹھا
تمام خلق خدا کے لیے سحاب ہوا

ہوئی زیارت حیدرؑ سے قلب کو فرحت
نہ قبر میں ہوئی وحشت نہ اضطراب ہوا

جلا ہوئی مئے خُمِ غدیر سے دل کو | فقیر کا جو بھرا جام آفتاب ہوا
عدو بھی آپ کے رکھتے ہیں شوقِ پا بوسی | کہ ڈھیر جنگ میں لاشوں کا تا رکاب ہوا
علیؑ کے روئے عرقناک کا جو دھیان آیا | بغل میں شیشۂ دل شیشۂ گلاب ہوا
ادھر رسولؐ تھے پردے کے اس طرف تھے حضورؑ | میں چپ ہوں آپ کہیں کیا یہ اے جناب ہوا
سوارِ دوشِ نبیؐ تو نبیؐ سوارِ براق | عجب کمال تجھے اے قمر رکاب ہوا
سنیں جناب سلیمانؑ ذرا حدیثِ بساط | بساط بہرِ علیؑ پارۂ سحاب ہوا
کہا نبیؐ کو نبیؐ قبر میں علیؑ کو امام | جواب میں نے دیا جو وہ لاجواب ہوا
صلا ولائے علیؑ کا ہے گلشنِ جنت | یہ کام جس نے بنایا وہ کامیاب ہوا
وہ آبِ شور ہے جو کٹ کے اور سمت گیا | کھنچا جو تیرے چمن کی طرف گلاب ہوا
خلیلؑ و عیسیٰؑ و موسیٰؑ جناب آدمؑ و نوحؑ | ہر اک اسی درِ دولت سے فیضیاب ہوا
وہ تاجِ سر ہے جسے آپ سرفراز کریں | فلک جناب گدائے درِ جناب ہوا
وہ دل ہے خاک نہیں جس میں الفتِ حیدرؑ | بنا بگڑ گئی جس کی وہ گھر خراب ہوا
جو پشت حضرتِ آدم میں تھا علیؑ کا نور | خدا کے فضل سے مسجود وہ جناب ہوا
یہ کہتے ہیں مہ و خورشید تجھ سا ذرہ نواز | چراغ لے کے بھی ڈھونڈھا نہ دستیاب ہوا
علیؑ کے نقشِ قدم کا مقابلہ جو کیا | گہن سے کیا مہ و خورشید پر عذاب ہوا
گھٹا ترے کرم وجود کی جہاں برسی | جواب قلزم ذخار کا سراب ہوا
محیط ہے کرمِ مرتضیٰؑ زمانے میں | جناں میں چشمۂ کوثر یہاں سحاب ہوا
کہاں کہاں نہیں شور آبروئے حیدرؑ کا | گہر صدف میں ہوا موتیوں میں آب ہوا
ہمیشہ فکر رہی آپ کو شفاعت کی | مجھے کبھی نہ گناہوں سے اجتناب ہوا
جو آپ کا ہے مذاق اس کو سمجھیں کیا آدمؑ | پسند جو ہوئے گندم سے اجتناب ہوا
پھرا ہے جس کے اشارہ سے اے زلیخا شمس | وہی حسین سبب رجعتِ شباب ہوا
پکار کے ترے در پہ لیا نہ جب تک اذن | بشر تو کیا ہے ملک بھی نہ باریاب ہوا
تری بھویں بھی ہیں نایاب خال ابرو بھی | یہ انتخاب کا نقطہ بھی انتخاب ہوا

تری ولا ہوئی بادِ مرادِ لنگرِ نام
بہت جو نوح کو کشتی میں اضطراب ہوا

ترا وہ عدل ہے جو معتدل بہم مل کر
مزاجِ آتش و خاک و ہوا و آب ہوا

فلک کا قول ہے بنتا درِ علی کی زمیں
ہوس رہی کوئی ایسا نہ انقلاب ہوا

جو تیرے ذرّۂ خاکِ قدم سے دی تشبیہ
بلند کوکبِ اقبال آفتاب ہوا

گزار دیجیے پیری بھی مثلِ صبحِ بہار
بسر حضور کے در پر مرا شباب ہوا

چلے عدم سے مسافر تری زیارت کو
قدم زمیں پہ جو رکھا یہ پا تراب ہوا

تمام ہوگئے ذرّات و قطرۂ باراں
ذرا نہ تیرے کرم کا مگر حساب ہوا

رسولؐ سا کوئی دنیا میں بادشاہ نہیں
مگر وزیر بھی دنیا میں لاجواب ہوا

جو آنچ بڑھنے لگی ذوالفقارِ حیدرؑ کی
شروع برق کی نبضوں میں اضطراب ہوا

یہ حال روضۂ پُرنور کا ہے وسعت میں
تمام تختۂ فردوس ایک باب ہوا

ہم اور ہماری ولا بھی کسی شمار میں ہے
خلیلؑ کا ترے شیعوں میں جب حساب ہوا

ہوئی ہوس جو ترے دیکھنے کی دریا کو
سمٹ کے مردمکِ دیدۂ حباب ہوا

ہوا یہ پیر قوی جا کے تیرے روضہ میں
گیا بہشت میں جو صاحبِ شباب ہوا

ادھر جناں میں ترے زائروں کے بن گئے قصر
یہاں نجف کے سفر کا جو پا تراب ہوا

ملک سوال کیے جائیں کون سنتا ہے
میں اب تو محوِ جمالِ ابو تراب ہوا

شہا وہ نورِ مجسم ہے تو کہ تیرے لیے
خیامِ دل ہوئے تارِ نفس طناب ہوا

کیا جلوس جو نو روز کو شہا تو نے
سپہر تخت ہوا چترِ آفتاب ہوا

یہ صحبت اور ہے آدم کی اور تھی صحبت
تری جناب میں گندم نہ بار یاب ہوا

جہاں بپا ہوئے خیمے تری کنیزوں کے
ہر ایک گیسوئے حورِ جناں طناب ہوا

گدا ہیں فیض مآبِ آستانِ عالی کے
غبار اٹھا درِ دولت سے جب سحاب ہوا

جو نیزہ میں تری تلوار کی ہوا لگ جائے
پکارے برق کہ اُف اُف جگر کباب ہوا

محیطِ جود و سخائے علی بڑھا ایسا
کہ آسمان کلاہِ سرِ حباب ہوا

لحد ہوئی ترے آنے سے روضۂ رضواں
سیاہ خانہ مرا خلد کا جواب ہوا

ہے زخمِ تیغِ علیؑ آسماں کے سینہ میں — ہلال گھٹ کے ہوا بڑھ کے ماہتاب ہوا
حرم سرا کے ادب سے یہ آسماں سمٹا — کہ نیل گوں رخِ خورشید کا نقاب ہوا
اکھاڑ کر درِ خیبر کو پل کیا تو نے — کچھ اہلِ قلعہ سے اس کا نہ سدِ باب ہوا
جدھر پھرا فرس ان کا اسی طرف کو پھرے — ظفر کو طوقِ گلو حلقۂ رکاب ہوا
کہاں سے کھینچ کے کہاں دم میں آگیا خورشید — یہ تیرے ایک اشارے میں انقلاب ہوا
علیؑ کی تیغ تھی انگشتِ احمدؐ مختار — دو نیم ایک اشارے میں ماہتاب ہوا
تھے بے شمار گنہ پر تری توجہ سے — غلام داخلِ فردوس بے حساب ہوا
رہی نہ تاب ترے نور کو نہ دیکھ سکا — فلک سے عرش بریں طالبِ نقاب ہوا
خدا سلائے مجھے اس کے پائنتی بے خوف — جو فرشِ خوابِ محمدؐ پہ محوِ خواب ہوا
علیؑ کی ذرہ نوازی سے جب ہوئی رجعت — کہا یہ مہر نے میں آج آفتاب ہوا
تمام فوج کو اعجاز سے کیا سیراب — یہ ایک تیر کے پیکاں سے جوشِ آب ہوا
جو مدح گیسوے حیدرؑ میں ایک دم جاگا — اسے تمام شبِ قدر کا ثواب ہوا
بہت زمین کی مٹی خراب کیجئے گا — اگر فشار مجھے یا ابوتراب ہوا
زمیں پہ آپ رہے آسماں رہا محروم — اسے سکون ہوا اس کو اضطراب ہوا
جو میں نے وصف تری ایک ضرب کا لکھا — مجھے عبادتِ کونین کا ثواب ہوا
چلی جو تند ہوائے شفاعتِ حیدرؑ — ادھر اُدھر ہوئیں فردیں غلط حساب ہوا
تری ثنا میں وہ میں نے بہا دیا دریا — جنابِ نوحؑ کے طوفان کا جواب ہوا
کہاں حضور کہاں میں کہاں یہ خانۂ تنگ — کفن سے منہ نہ کھلا اس قدر حجاب ہوا
قضا بھی ڈر کے ترے تیر کے پروں میں چھپی — کشادہ بال جہاں صورتِ عقاب ہوا
علیؑ ہے داخلِ آلِ عباؑ ولی اللہ — خدا کے گھر سے عجب خلعت و خطاب ہوا
علیؑ کی مہر سے آرام کی جگہ ہوئی قبر — سوال مجھ کو فسانہ برائے خواب ہوا
یہ کہتے ہیں ید بیضا دکھا کے خود موسیٰؑ — درِ علیؑ سے یہ اعجاز دستیاب ہوا
ہے تو وہ ابرِ کرم جب نگاہ کی سوئے بحر — جہاں میں فیض کا چشمہ ہر اک حباب ہوا

بڑھی یہ تربتِ حیدرؑ سے آبروے نجف ملا جو خاک میں قطرۂ دُرِ خوش آب ہوا
خدا نے جان عطا کی جو تیرے تیروں کو تو شاہ باز کوئی اور کوئی عقاب ہوا
ثنائے خالِ رخِ مرتضیٰ کے ہیں دفتر یہ نقطہ وہ ہے جو تقسیم سے کتاب ہوا
کیا ضعیف ترے ایک رخ نے دونوں کو سفید ماہ ہوا زرد آفتاب ہوا
گزند کچھ نہ ہوئی آفتابِ محشر سے لوائے حمد کا سایہ مجھے سحاب ہوا
مدد کر اے درِ خیبر کے توڑنے والے کہ میرے واسطے جنت کا بند باب ہوا

اٹھا دیا درِ پُر نور سے تعشق کو
غلام پیر یہ جب یا ابو ترابؑ ہوا

3

نہ کیوں حامی رہے میرا علیؑ ابنِ ابی طالب میں بندہ ہوں مرا مولا علیؑ ابنِ ابی طالب
کوئی مشکل پڑے مجھ پر نہ بھولا ہوں نہ بھولوں گا پکاروں قبر میں بھی یا علیؑ ابنِ ابی طالب
حباب آسا اگر ہو کوئی طالب ایک قطرے کا بہادے فیض کا دریا علیؑ ابنِ ابی طالب
عذاب قبر کوسوں ہٹ گئے تربت میں پاس آکر مرے منہ سے جو نکلا یا علیؑ ابنِ ابی طالب
جو ہو کر آب دیدہ آہ کھینچی عشقِ حیدرؑ میں تو بخشے کوثر و طوبا علیؑ ابنِ ابی طالب
عذابِ نزع مشکل قبر کی آسان کرتے ہیں بچا لیتے ہیں کس کس جا علیؑ ابنِ ابی اطالب
جگہ بخشیں گے اپنے بادہ نوشانِ محبت کو لبِ کوثر تہِ طوبا علیؑ ابنِ ابی طالب
چھپاؤ دامنِ دشت نجف میں میرے لاشے کو کہ رکھ لیں گے مرا پردا علیؑ ابنِ ابی طالب
سوا نورِ خدا کے اور کچھ کہیے تو بے جا ہے کہ ہے اعلیٰ سے بھی اعلیٰ علیؑ ابنِ ابی طالب
مسیحؑ و موسیٰؑ عمرانؑ و داؤدؑ و خضرؑ یونسؑ یہ سب قطرے ہیں اور دریا علیؑ ابنِ ابی طالب
ہوئی آرائش اسلام کھوئی کفر کی رونق ہوئے جو معرکہ آرا علیؑ ابنِ ابی طالب
فشارِ قبر میرے پاس سے ہٹ جلد رستہ دے کہ آتے ہیں مرے آقا علیؑ ابنِ ابی طالب
زیادہ موتیوں سے آبرو ہو جائے قطروں کی اگر دیکھیں سوئے دریا علیؑ ابنِ ابی طالب

عجب تھیں صحبتِ معراج میں اسرار کی باتیں
ادھر احمدؐ اُدھر گویا علیؑ ابن ابی طالب

زبانِ خار صحرائے نجف گر خشک ہو جائے
بنادے دھوپ کو سایا علیؑ ابن ابی طالب

نہ ہے کچھ کام سدرہ سے نہ میں طوبا کا طالب ہوں
رہے مجھ پر ترا سایا علیؑ ابن ابی طالب

نہ جاؤں گا سوئے جنت نہ دیکھوں گا سوئے دوزخ
کروں گا وہ جو کہے گا علیؑ ابن ابی طالب

بھلا بندے تو کیا ہیں میں خدا کے سامنے کہہ دوں
وصی مصطفےٰ حقا علیؑ ابن ابی طالب

تمنا عرش کو ہو فرش پا انداز ہو جاؤں
جہاں خیمہ کرے برپا علیؑ ابن ابی طالب

بزرگوں سے جو افضل ہو اسے فرزند کہتے ہیں
ہے فخر آدم و حوا علیؑ ابن ابی طالب

محمدؐ سے بیاں کیں من وعن معراج کی باتیں
نبیؐ کے ساتھ تھے گویا علیؑ ابنِ ابی طالب

علیؑ کی تیغ نے چمکا دیا دینِ محمدؐ کو
فروغ نیّرِ بطحا علیؑ ابنِ ابی طالب

عیاں ہے ہر جگہ نورِ امامت ہیں نبیؐ شاہد
کہ پردے میں بھی تھے گویا علیؑ ابن ابی طالب

زمین قبر کیوں مجھ سے لپٹتی ہے غضب ہوگا
جو دیکھیں گے کفن میلا علیؑ ابن ابی طالب

ہوائے گلشن فردوس دوڑے گل کھلانے کو
جو آئیں جانب صحرا علیؑ ابن ابی طالب

کبھی ہے پردہ داری گاہ جانوں کی نگہداری
صفات مریم و عیسیٰ علیؑ ابن ابی طالب

جو احمدؐ نے شب معراج میں دیکھا وہ حیدرؑ نے
نبیؐ کی آنکھ کا تارا علیؑ ابن ابی طالب

ولادت گاہ حضرت کی تعشق جا کے دیکھ آیا
ہوا حج سے مشرف یا علیؑ ابن ابی طالب

نتیجہ فراق

(4)

دیکھئے پھر بھی کبھی بخت رسا ہوتے ہیں
وائے تقدیر کہ کعبہ سے جدا ہوتے ہیں

مجھ سے عاصی کا گذر کعبے تک اللہ اللہ
ایسے در کے کہیں ایسے بھی گدا ہوتے ہیں

ہوگیا طوق گلو لطف طواف کعبہ
دل سے یہ لطف کہیں محو بھلا ہوتے ہیں

یاں کا پانی بھی نہ جی بھر کے پیا صد افسوس
تشنہ لب چشمۂ زمزم سے جدا ہوتے ہیں

سعی یاد آئے گی ہر وقت صفا مروا کی
راہِ کوہ و بیابان بلا ہوتے ہیں

کیا مقام آپ کا دلچسپ ہے یا ابراہیم
اس سے جو چھوٹتے ہیں دل سے جدا ہوتے ہیں

مار ڈالے گا فراق حجر اسماعیل
حق پہ قربان ہم اے تیغ قضا ہوتے ہیں

سنگِ اسود کے یہ بوسے نہ کبھی بھولیں گے
سچ ہے پتھر سے کہیں نقش جدا ہوتے ہیں

لے چلے قلب میں ہم یاد وقوفِ عرفات
اس بیاباں پہ تصور میں فدا ہوتے ہیں

نور کی شب تھی وہ جس شب کو رہے مشعر میں
کیا ملول اس کے لیے صبح و مسا ہوتے ہیں

سنگ ریزوں کا وہ چننا نہ کبھی بھولے گا
ایسے موتی بھی نہیں بیش بہا ہوتے ہیں

پھر منیٰ کا وہ توقف وہ منیٰ کے اعمال
یاد کرتے ہیں تو مصروف بکا ہوتے ہیں

مختصر یہ ہے کہ چھٹتا ہے تعشق کعبہ
یاد شاہی کی گئی فصلِ گدا ہوتے ہیں

معرفت حقیقی

(5)

ریاضِ جناں ہے نثارِ مدینہ
بڑے جوش پر ہے بہارِ مدینہ

مجھے چھو بھی سکتی ہے نارِ جہنم؟
کہ مجھ پر پڑا ہے غبارِ مدینہ

نہ بیٹھا کہیں اور جز عرشِ اعظم
جب اٹھا ہوا سے غبارِ مدینہ

نہیں بھولتا روضۂ پاک احمدؐ
یہ ہم لائے ہیں یادگارِ مدینہ

جو بیچے گلستانِ فردوس رضواں
ابھی مول لیتے ہیں خارِ مدینہ

کہوں کیوں نہ رگہائے گلہائے جنت
کہ پھولوں میں تلتے ہیں خارِ مدینہ

جو ہے نور دن کو وہی نور شب کو
برابر ہیں لیل و نہارِ مدینہ

بھلا کیا مرے آگے صحرائے محشر پھرا ہوں میانِ دیارِ مدینہ
بناتے ہیں جا روب پر ہائے قدسی جو ہیں خاک روب دیارِ مدینہ
بڑا عیب ہے اے خضر کوچہ گردی کہاں تم کہاں سبزہ زارِ مدینہ
جو گلہائے باغ جناں کوئی توڑے تو آواز آئے نثارِ مدینہ
ہیں آٹھوں بہشتوں کے مختار و مالک نہال و گل و برگ و بارِ مدینہ
یہ ہے پستی چرخ اخضر نظر میں جھکاتا ہے سرسبزہ زارِ مدینہ
وہاں کی زمیں کا تصور ہے دل میں گرہ میں بندھا ہے غبارِ مدینہ
خضر کی دعا ہے کہ اے ابرِ رحمت ملے رتبۂ سبزہ زارِ مدینہ
پکاروں گا برگِ خزاں کی طرح سے خبر لو مری گلعذارِ مدینہ

کہاں ہم کہاں اب وہ دن اے تعشق
کبھی تھے میانِ دیارِ مدینہ

(6)

جناں سے ہے اعلیٰ بہارِ نجف الجھتے ہیں رضواں سے خارِ نجف
بنے گل چراغ دیارِ نجف بندھی ہے ہوائے بہارِ نجف
زہے وسعت و اقتدارِ نجف پڑے ہیں فلک بھی کنارِ نجف
یہ آدم پہ ہے اختیارِ نجف اٹھائے بٹھائے غبارِ نجف
کرم اے ہوائے دیارِ نجف ہمیں بھی ذرا سا غبارِ نجف
ہے دنیا کی رونق دیارِ نجف گل سرسبد ہے بہارِ نجف
جو مشتاق نظارہ ہو برق طور کہے لن ترانی غبارِ نجف
یہاں سے نظر آتی ہے شکل خلد صفائی ہے آئینہ دارِ نجف
نہ آتی کبھی جسم آدم میں جاں نہ ملتی جو خاکِ دیارِ نجف

فرشتوں کے بھی ہاتھ آیا نہیں — جب اونچا ہوا ہے غبارِ نجف
فلک عرش و کعبہ ریاضِ جناں — یہ ہیں گوشہ ہائے دیارِ نجف
وہی پھول حوروں کے عارض بنے — ہوا خشک جب لالہ زارِ نجف
نسیمِ جناں لاکھ منت کرے — جگہ سے نہ اٹھے غبارِ نجف
سنا شورِ کوثر تو سمجھا یہ میں — گری خلد میں آبشارِ نجف
سلیماں سے لے باج مورِ ضعیف — اگر حکم دے تاجدارِ نجف
بھلا خلد سے کیوں نہ ہو خوب تر — کہ نقشِ دوم ہے دیارِ نجف
سفید و سیہ کے ہیں مختار ہم — یہ کہتے ہیں لیل و نہارِ نجف
شفق کو ہمیشہ یہ حسرت رہی — بنوں تختۂ لالہ زارِ نجف
زمیں کعبہ کی اور زمینِ جناں — یہ دونوں ہیں گرد و غبارِ نجف
جو حق نے دیے ہوتے کعبہ کو پا — تو ہر سال ہوتا نثارِ نجف
نہ کیوں پھول جنت کے خوش رنگ ہوں — بھرا رنگِ نقش و نگارِ نجف
گلستان جنت ہے طرہ کی شکل — نثار سرِ اعتبارِ نجف
رخِ حور کے واسطے حسنِ سبز — بنا سایۂ سبزہ زارِ نجف
دل باغ جنت میں کانٹے کی شکل — کھٹکتی ہے کیا یاد خارِ نجف
ابھی توڑیں سدرہ کے چوٹی کے پھول — بڑھائیں اگر ہاتھ خارِ نجف
زر گل کے انبار ہوں تا فلک — جھٹک دیں اگر ہاتھ خارِ نجف
خضر کو سدا شیوۂ رہبری — بتایا کرے سبزہ زارِ نجف
مقام ولادت ترا یا علی — بنے کعبہ ہے یادگارِ نجف
نہیں زلف و رخسار حورانِ خلد — مجسم ہیں لیل و نہارِ نجف
رہے گی تری بات کیا اے بہشت — زبانیں جو کھولیں گے خارِ نجف
جو دیکھیں تو ہو خضر کا منہ سفید — زہے سبزیٔ سبزہ زارِ نجف
نسیمِ جناں پائے اقدس دبائے — جو خوابیدہ ہو سبزہ زارِ نجف

ہوا تھا جو موسیٰ کے غش کا سبب — وہی نور ہے ہمکنارِ نجف
یہ مٹی کے پتلے ہوں آگاہ خاک — خدا جانتا ہے وقارِ نجف
نہ ہے چاہ زمزم نہ نہر لبن — یہ ہیں شعبۂ آبشارِ نجف
جو پوچھیں خضر راہ باغ جناں — ابھی بول اٹھے سبزہ زارِ نجف
کسی سے سنا حوضِ کوثر کا وصف — ہے چیں بر جبیں آبشارِ نجف
کئی کعبہ بنتے کئی کوہِ طور — جو تقسیم ہوتا وقارِ نجف
خدا سے جو ہوں طالب فوج خضر — ہراول بنے سبزہ زارِ نجف
کہاں ہیں پڑھیں آکے مریم نماز — سرِ دامنِ آبشارِ نجف
جگہ اپنی رکھتی ہیں آٹھوں بہشت — تہِ گلبنِ سایہ دارِ نجف
عجب برگ ہوں میں رگوں سے مرے — ٹپکتا ہے خونِ بہارِ نجف
علی نے کیا قبر میں سرفراز — یہ شب ہے کہ صبحِ بہارِ نجف
یہ ہے اعتقادِ زمینِ بہشت — کہ میں بھی ہوں اک خاکسارِ نجف
نہیں چشمِ یعقوب کا کچھ علاج — سوائے سوادِ دیارِ نجف
نہ اٹھے فلک صورتِ نقشِ پا — جہاں لے کے بیٹھے غبارِ نجف
ملک دیکھ لیں بوترابی ہوں میں — کفن میں بھرا ہے غبارِ نجف
لپٹتا ہے کیا ہر گنہ گار سے — عجب صاف دل ہے غبارِ نجف
نہ آباد ہو کس طرح ملکِ دیں — کہ ہے منتظم شہریارِ نجف
گذر جائے خاموش صبحِ نشور — جو سوتے ہوں شب زندہ دارِ نجف
اگر آسماں کے قفس میں ہو بند — تو اڑ جائے لے کر ہزارِ نجف
ہے چرخ اور مہتاب فانوس و شمع — پئے بزمِ اہلِ دیارِ نجف

خدا سے تعشق کی ہے یہ دعا
کہ ہو جسم خاکی غبارِ نجف

7

روزِ اول سے ہیں کیا کیا رتبہ دانِ کربلا
ہے زبانِ کلکِ قدرت پر بیانِ کربلا

ہے رقم زینت کو نامِ میہمانِ کربلا
عرش کو اللہ نے بخشی ہے شانِ کربلا

تو ہے اے رضوان حاسد اور میں محسود ہوں
تو میانِ خلد ہے میں ہوں میانِ کربلا

یوسفِ مصری بھلا کیا اور کیا ان کی زبان
بند کر دیتی ہے لبِ شیریں زبانِ کربلا

کرسی و عرشِ بریں کو ہے بس اتنا مرتبہ
یہ زمینِ کربلا وہ آسمانِ کربلا

دل کے ہو جاتے ہیں ٹکڑے سنتے ہی نامِ حسینؑ
چار حرفوں میں ہے ساری داستانِ کربلا

سوئے پستی کب نظر کرتے ہیں عالی منزلت
بامِ گردوں پر نہ بیٹھیں طائرانِ کربلا

نارِ دوزخ کو بنا دے رشکِ گلزارِ ارم
ایک جھونکے میں ہوائے بوستانِ کربلا

گنبدِ انور سے اتنا پست ہے باغِ ارم
سر جھکا کر دیکھتے ہیں طائرانِ کربلا

مثلِ روح اللہ میں جس وقت لوٹے خاک پر
پتلے ہیں خاکِ شفا کے طائرانِ کربلا

مثلِ فطرس قدسیوں کے بال و پر بیکار ہوں
گر اڑیں مل کر میانِ طائرانِ کربلا

اشکِ زہراؑ و علیؑ و مصطفیٰؐ و مجتبیٰؑ
خوب شبنم ہے میانِ بوستانِ کربلا

شہرۂ آفاق ہے قبرِ علمدارِ حسینؑ
کیا مٹائے گا کوئی نام و نشانِ کربلا

ہو بہارِ حسن اگر سونے کے پتوں کی طرح
زیبِ گوشِ حور ہوں برگِ خزانِ کربلا

پیشوائی کے لیے دوڑے بہارِ باغِ خلد
سیرِ جنت کو اگر جائے خزانِ کربلا

پھول جنت کے لگا کر کان سنتے ہیں صدا
بولتے ہیں جب یہاں برگِ خزانِ کربلا

طائرِ قدسی جو ڈھونڈیں آ کے جائے آشیاں
اپنے پنجوں میں جگہ دیں طائرانِ کربلا

مول لے کر چھوڑ دی بلقیس کو یاں کی صبا
چھین لیں تاجِ سلیماں طائرانِ کربلا

حسن میں کیوں کر بھلا ہوتا نہ یوسف کو کمال
جزوِ اعظم تھا غبارِ کاروانِ کربلا

گشتِ صحرا ہے ترے فاقوں کا صدقہ یا حسینؑ
فیض تیری پیاس کا آبِ روانِ کربلا

اہلِ کعبہ کربلا والوں سے کیا آنکھیں ملائیں
وہ غزالانِ حرم یہ آہوانِ کربلا

ضیغمِ شیرِ خدا نے اس قدر بخشا ہے زور ۔۔۔ توڑ ڈالیں پنجہ شیرِ آہوانِ کربلا

یاں کے حیوانوں کی نظروں میں ہے جنت کی بہار ۔۔۔ نرگسِ فردوس چشمِ آہوانِ کربلا

ضد یہ ہے آفاق میں کوئی نہ لے کوثر کا نام ۔۔۔ کیوں نہ لوٹے خاک پر آبِ روانِ کربلا

ڈوبنے دیتی نہیں دریائے عصیاں میں فرات ۔۔۔ نوح کی کشتی ہوا آبِ روانِ کربلا

صحنِ اقدس میں تنِ خاکی مرا مدفون ہوا ۔۔۔ کس جگہ بیٹھی ہے گردِ کاروانِ کربلا

حضرتِ یعقوبؑ کی آنکھوں کو بخشے روشنی ۔۔۔ نورِ ماہِ مصر گردِ کاروانش کربلا

حشر میں ہوگا مرے طوق و سلاسل کا یہ غل ۔۔۔ کس طرف ہو آؤ اے محنت کشانِ کربلا

اے فلک تیرے اٹھائے سے نہ اٹھیں گے کبھی ۔۔۔ قطب ہے ہر نقش پائے ساکنانِ کربلا

پھول کے دھوکے میں رضواں نے بڑھایا دستِ شوق ۔۔۔ دیکھتے ہی نقش پائے گل رُخانِ کربلا

چھٹ کے قالب سے یہاں روحیں کہیں جاتی نہیں ۔۔۔ ہے مگر جسمِ مثالی ہر مکانِ کربلا

جلوہ گر ہے دل میں وہ جو نور ہے اللہ کا ۔۔۔ حاملِ عرش بریں ہیں ساکنانِ کربلا

کیا صفائی کیا لطافت ہے یہاں کی خاک میں ۔۔۔ روح کا قالب ہے گویا ہر مکانِ کربلا

خاکسارانِ درِ سرور ہیں عالی منزلت ۔۔۔ لوٹتے ہیں عرش پر افتادگانِ کربلا

یوں کرے سرسبز خالق سب کو باغِ دہر میں ۔۔۔ چومتے ہیں خضر پائے رہروانِ کربلا

ٹھوکریں کھاتے ہیں گردوں جب اٹھاتے ہیں قدم ۔۔۔ آسماں کو روندتے ہیں ساکنانِ کربلا

شہدِ جنت سب کہیں ایسا مزا پیدا کرے ۔۔۔ نام اگر لیں زہر کا شیریں زبانِ کربلا

آستانِ شاہ پر کہتا ہے آکر آفتاب ۔۔۔ راہ طے کرتے ہیں سر سے رتبہ دانِ کربلا

یہاں کے باشندوں کے دل سے دکھا دے اپنے کو مثال ۔۔۔ ہے مگر عرشِ بریں کچھ رتبہ دانِ کربلا

کہتی ہیں جنت کی نہریں بھر کے آنسو آنکھ میں ۔۔۔ یوں بسر کرتے ہیں دور افتادگانِ کربلا

مرغِ سدرہ دے نشیمن کو اگر اپنی جگہ ۔۔۔ ننگ سمجھیں طائرِ بے آشیانِ کربلا

قبۂ انور کی صورت عاصیوں کے حفظ کر ۔۔۔ سیکھ اے گردوں طریقِ آسمانِ کربلا

تحتِ قبہ ہوں ترا شاکی خبردار اے فلک ۔۔۔ میں دعا کرتا ہوں زیرِ آسمانِ کربلا

چہرۂ پُر نور پر افشاں چنے ہر ایک حور ۔۔۔ وام لے کر ذرہ ہائے دُر فشانِ کربلا

ہے زمینِ کربلا اتنی بلند اے آسماں ۔۔۔ تیرے تارے توڑلیں افتادگانِ کربلا
اس ہوس میں اے تعشق چھانتا ہوں خاک میں
کفش کن میں ہو مرا مدفن میانِ کربلا

8

پروانوں کی طرح ہے زمانہ نثارِ طوس ۔۔۔ گویا چراغِ بزمِ جہاں ہے دیارِ طوس
تا آسماں ہے جلوۂ حسنِ بہارِ طوس ۔۔۔ مہر شفق ہے شاہدِ رنگیں عذارِ طوس
ہے ارضِ خلد فیضِ زمینِ دیارِ طوس ۔۔۔ پہنچا ازل میں اڑ کے ابد سے غبارِ طوس
فردوس ہے نمونۂ باغِ دیارِ طوس ۔۔۔ ہر ایک گل ہے شاہدِ رنگیں عذارِ طوس
فیضِ رضا سے ابرِ کرم ہے غبارِ طوس ۔۔۔ موتی لٹا رہی ہے نسیمِ بہارِ طوس
کونین پر محیط ہے ایسی بہارِ طوس ۔۔۔ جنت سے لے خراج زمینِ دیارِ طوس
کچھ بھی نہ ہو جو ہو نہ زمینِ دیارِ طوس ۔۔۔ ہے نخل بند گلشنِ ہستی بہارِ طوس
غرفے جو ہیں بہشت کے سوئے دیارِ طوس ۔۔۔ چھنتا ہے چاندنی کی طرح سے غبارِ طوس
رضوان کو ہے جو شوقِ جمالِ بہارِ طوس ۔۔۔ منہ میں زباں دبائے ہے ہر ایک خارِ طوس
جنت کے گل ہیں زخمی رنگِ بہارِ طوس ۔۔۔ کانٹوں میں کھینچتے ہیں گلستاں کو خارِ طوس
کس رنگ پر ہے جوش و خروشِ بہارِ طوس ۔۔۔ لیں خون ہر رگِ گل جنت سے خارِ طوس
قالب ہے روح روحِ زمینِ دیارِ طوس ۔۔۔ ہے جوہرِ لطیف لطافتِ غبارِ طوس
مصدرِ لطافتِ ازلی کا دیارِ طوس ۔۔۔ ہے ابتدائے جوہرِ اول غبارِ طوس
آنکھیں بچھائے نرگسِ فردوس دوڑ کر ۔۔۔ رکھے بہشت میں جو قدم سبزہ زارِ طوس
کشتِ حیاتِ مردۂ صد سالہ سبز ہو ۔۔۔ گذرے قریب سے جو نسیمِ بہارِ طوس
سر پر ہیں پاؤں ان سوارِ براق کے ۔۔۔ ہے عرش پر دماغِ زمینِ دیارِ طوس
محشر کو سب جگیں گے سرافیل کس طرح ۔۔۔ کیا صور میں بھری ہے نسیمِ بہارِ طوس

جسم اس کے جسم میں نظر آتا ہے جان کا ۔۔۔ ہے روح سے لطیف زمینِ دیارِ طوس

خم ہو اگر سلام کو شاخِ گلِ جناں ۔۔۔ تیوری چڑھائے موجِ نسیمِ بہارِ طوس

روشن ہوئی ہے نورِ الٰہی کے نور سے ۔۔۔ قندیل عرش کی ہے زمینِ دیارِ طوس

پاتے ہیں کور دیدۂ حق بیں امام سے ۔۔۔ ہے صاحبِ سواد سوادِ دیارِ طوس

کہتا ہے عرش حج کے برابر ثواب ہے ۔۔۔ ممکن جو ہو طوافِ دلِ خاکسارِ طوس

کانٹا چبھے جو پاؤں میں فردوس ہاتھ آئے ۔۔۔ راہِ رضا ہے جادۂ راہِ دیارِ طوس

در کھل نہ جائیں صورتِ آغوش کس طرح ۔۔۔ ہے خلد کو ہوائے نسیمِ بہارِ طوس

کیونکر نہ آسمانِ چہارم پہ ہو جگہ ۔۔۔ خورشید ہے کلاہ سرِ اعتبارِ طوس

سوئے بقا نکل گئی باغِ جناں بنا ۔۔۔ تنگی سے دہر میں نہ سمائی بہارِ طوس

گر ہو تمام ملکِ بقا اپنی ملک میں ۔۔۔ لیں اس کو دے کے زندگی مستعارِ طوس

مثلِ قبائے غنچۂ گل چاک ہو فلک ۔۔۔ آجائے جوش میں جو کسی دن بہارِ طوس

دوزخ کی آگ آتشِ گل کا دکھائے رنگ ۔۔۔ دامن کی دے ہوا جو نسیمِ بہارِ طوس

اے چرخ ایک برگِ گلِ نیلوفر ہے تو ۔۔۔ منقار سے پکڑ کے اٹھالے ہزارِ طوس

پتھر میں دانہائے زمرد بنے شرار ۔۔۔ ٹھوکر اگر لگائے نسیمِ بہارِ طوس

غنچے یہ کہہ رہے ہیں دکھا کر زبانِ خشک ۔۔۔ باغِ جناں ہے تشنۂ دیدارِ خارِ طوس

یہ ہے امامِ کشتۂ سم کے قدم کا فیض ۔۔۔ مسموم کے لیے ہو دوا سبزہ زارِ طوس

اے دل کھلے ابھی گرہِ غنچۂ مراد ۔۔۔ تیرے لیے زبان ہلادیں جو خارِ طوس

کھینچ آئے باغِ خلد کا طبقہ برنگِ بو ۔۔۔ منقار کھول کر جو بھرے دم ہزارِ طوس

کیا منہ ہے بول سکتے ہیں غنچے بہشت کے ۔۔۔ برسوں انھیں زبان سکھائیں گے خارِ طوس

سرسبز کس طرح نہ رہے کشتِ آسمان ۔۔۔ ہے مثلِ ابر سایہ فگن سبزہ زارِ طوس

پیدا کیا ہے عرشِ بریں نے یہ اقتدار ۔۔۔ دل کی طرح سما کے میانِ کنارِ طوس

تھی شوق میں عجب دلِ رضوان کو بے کلی ۔۔۔ کانٹا نکل گیا جو نظر آئے خارِ طوس

پردے ہیں سات ہفت فلک عرش کے لیے ۔۔۔ تا گر پڑے نہ دیکھ کے شان و وقارِ طوس

شعلے پہن لیں خضر کے کپڑے اتار کے / دوزخ پہ ہو جو سایہ فگن سبزہ زارِ طوس

گر طائرانِ گلشنِ جنت سب ایک ہوں / برسوں سکھائے نغمہ سرائی ہزارِ طوس

کرسی نے بوجھ عرشِ بریں کا اٹھالیا / دیکھیں بھلا اٹھائے تو بار وقارِ طوس

ہر عندلیبِ گلشنِ جنت ہے بے قرار / نشتر لگا رہے ہیں رگِ جاں میں خارِ طوس

کوتاہ ہو جو صورتِ غنچہ قبائے زیست / دی خلعتِ حیات خضر سبزہ زارِ طوس

ہوتے ہی خلق باغِ جناں نے یہ عرض کی / تھوڑی جگہ مجھے بھی عطا ہو کنارِ طوس

دعویٰ ہے اسکی دید کا چشمِ کلیم کو / کیا بھر دیا ہے نور کے بدلے غبارِ طوس

گلگشتِ باغِ خلد میں کیا جی لگے مرا / لہرا رہا ہے پیشِ نظر سبزہ زارِ طوس

قالب کو روح چھوڑ کے جائے نہ پھر کبھی / شامل اگر ہو آب و ہوائے دیارِ طوس

مشہد کی ارض پاک سے ذرہ نہ دوں مثال / ساری زمین خلد ہے مشتِ غبارِ طوس

تارِ نگاہ رشتۂ جانِ خضر بنے / دیکھے جو غور سے طرفِ سبزہ زارِ طوس

خورشید و ماہ و نجم نہیں آسمان پر / ہے آئینہ میں جلوہ نقش و نگارِ طوس

بنکر حریرِ سبز ریاضِ جناں گئی / جب دھوپ آگئی طرفِ سبزہ زارِ طوس

وسعت یہ ہے کہ بیضۂ سیمرغ کی طرح / دامن میں آسماں کو لیے کوہسارِ طوس

آبِ بقا سے دھوئیں خضر فخر جان کر / میلا اگر ہو پیرہنِ سبزہ زارِ طوس

حوروں کے بال ایڑیوں تک دیکھ کر / یاد آئیں گے بہت شجرِ سایہ دارِ طوس

پر جھاڑتے ہیں جب تو صدا سنتے ہیں ملک / طائر جو بیٹھتے ہیں سر کوہسارِ طوس

حوروں کے رو و زلف میں خالق نے بھر دیا / کاٹا جو رنگ دامنِ لیل و نہارِ طوس

ہے جس طرح زمین پہ سبزہ کہیں کہیں / نو آسمان یونہی ہیں سر کوہسارِ طوس

اللہ کس قدر ہے صفائی مزاج میں / ہوتا ہے چاندنی سے مکدر غبارِ طوس

مشہد کی سرزمیں سے فلک دور دور رہ / سمجھا ہے تجھ کو سبز قدم سبزہ زارِ طوس

باغِ جہاں میں پھول نجوم آسمان پہ / ہر جا نیا ہے جلوۂ نقش و نگارِ طوس

اللہ رے اوج اہلِ زمیں کی نگاہ میں / طاؤس آسماں ہے سر کوہسارِ طوس

زوّار دیکھتے ہیں بہارِ ریاضِ خلد
بیٹھے ہوئے تہ شجر سایہ دارِ طوس

مشہور کوہ طور ہوا نام خلق میں
اڑ کر گرا جو اک شرر کوہسارِ طوس

رویا کیے فراق میں آدم کئی برس
کیا ہے بہشت پرتو نقش و نگارِ طوس

مشہور جسم و جان ہیں مرقد میں دہر کے
ہر فرد میں ہے شکل ہوائے دیارِ طوس

ہر رنگ میں ہے عشق جنابِ رضاؑ کی بو
طاؤس آسماں ہے دلِ داغدارِ طوس

نو آسمان خلق ہوئے سینکڑوں سحاب
نکلا جو کچھ بخارِ دلِ کوہسارِ طوس

ہو جیسے برگِ خشک کوئی بیخ نخل میں
یوں ہے فلک تہ شجر سایہ دارِ طوس

داغ جگر کے پھول دکھا کر کہیں گے ہم
رضواں ہمارے پاس یہ ہے یادگارِ طوس

ہوتا ہے گل رخوں کے خطِ سبز سے عیاں
پھیلا کہاں کہاں اثر سبزہ زارِ طوس

کافور و مشک ہوگئے پیدا بہشت میں
گذری ادھر جو نکہت لیل و نہارِ طوس

جھکتا نہیں وہ خضر علیہ السلام سے
جو آگیا تہ شجر سایہ دارِ طوس

ہے نخل طور و سدرہ و طوبیٰ و کہکشاں
شاخ شکستہ شجر سایہ دارِ طوس

ہو سبز مثل دانہ در آکر زمین میں
رکھے پہاڑ پر جو قدم سبزہ زارِ طوس

ہاتھوں پہ کس طرح نہ فرشتے لیے رہیں
حق نے دیا ہے عرش بریں کو وقارِ طوس

حق نے بنائے دیدۂ حق میں جہان میں
لے کر غبار دامن لیل و نہارِ طوس

دکھلا رہی ہیں آٹھ بہشتوں کی صورتیں
ہر ایک برگ میں شجر سایہ دارِ طوس

آواز رعد سن کے یہ ہوتا ہے احتمال
دریائے آسماں میں گرے آبشارِ طوس

نقش قدم جنابِ رضاؑ کے ہیں مہر و ماہ
گویا کہ دو گواہ ہیں لیل و نہارِ طوس

اللہ ری مشک باری خلق امام پاک
ہے خشک عطر گرد زمین دیارِ طوس

بالائے آب یوں تو ٹھہرنا محال تھا
لنگر ہوا جہاز زمیں کو وقارِ طوس

جب سے بنی ہے مغرب خورشید بوتراب
سرتاج آسمان ہے زمین دیارِ طوس

پڑ جائے چھینٹ اڑ کے جو آبِ حیات کی
کوثر میں دھوئے دامن پاک آبشارِ طوس

کچھ اشتیاق گلشن جنت ہمیں نہیں
دیکھی ہے خوب کیفیت لالہ زارِ طوس

بے بال و پر ہیں قدسیوں کے طائرِ نظر   اللہ رے اوج کنگرۂ اقتدارِ طوس

آبِ حیات کوثر و زمزم میں ہر گھڑی   ہے شور پاک دامنی آبشارِ طوس

نکلے ہے ابر رحمتِ پروردگار سے   تر دامنوں کو پاک کرے آبشارِ طوس

دنیا میں شان و دبدبہ وسطوت و جلال   چاروں ہوئے ہیں خلق برائے حصارِ طوس

نعلین پا سے صورتِ جدِ بزرگوار   ہے تاج بخش عرش بریں شہریارِ طوس

موسیٰ بھلا یہ نور کسی اور میں کہاں   تھا نخل طور ایک درختِ چنارِ طوس

آب حیات و چشمۂ کوثر سے ناز میں   دکھلا رہی ہیں چیں بہ جبیں آبشارِ طوس

جو وصف کیجئے وہ تعشق ہے کم سے کم
ہاں مشہد جنابِ رضاؑ ہے دیارِ طوس

قصیدہ در مدح امام ہشتم موسی الرضاؑ

دریائے مدح در صنعت ترصیع

9

حجت رب جلیل مثلِ نبیؐ بے عدیل   فخر جناب خلیل عاشق زار خدا

پیش رو مومنیں سلسلہ داد و دیں   رشتۂ حبل المتیں مثلِ علیؑ رہنما

بلبلِ بستان کن خضر بیابان کن   بوئے خیابان کن قدرت ربِّ علی

کاتب فرمان کن صاحب دیوان کن   نائب سلطان کن نطق زبان خدا

رفعت شۂ کوہ قاف نہر جناں طبع صاف   موتی دریا شگاف قطرۂ بحر عطا

ذات صفات جناب ابر رسالتؐ مآب   حافظ اُم الکتاب حکم ردائے قضا

مالک سرکار حق واقف اسرار حق   نور ضیا بار حق جاہ و جلال خدا

گلبنِ باغِ نبیؑ مطلبی و ولی ہاشمی و فاطمی جان و دلِ مرتضیٰ
سرورِ نام آوری گوہرِ والا تری اخترِ نیک اختری کوکبِ بدر الدجا
تابعِ حکمِ علیم وارثِ ذبحِ عظیم عینِ رضائے کریم ذاتِ جنابِ رضاؔ
منتظمِ کائنات نقشِ حیات و ممات معنیِ و الذاریات کوکبِ شمس الضحیٰ
سرورِ گردوں رواق قاتلِ اہلِ نفاق ابنِ سوارِ براق تیغِ شہِ لافتا
قوتِ دیں دست دست تابعِ ربِ حق پرست شاہدِ حالِ الست مطلبِ قالو بلیٰ
سرور دانِ علی راحتِ جانِ علی نام و نشانِ علی آب درِ انما
مثلِ رسولِ کبار مثلِ شہ ذوالفقار رحمتِ پروردگار نعمتِ ربِ علیٰ
زورِ یدِ بوالحسن عقدہ کشا صف شکن مثلِ رسولِ زمن مالکِ ارض و سما
بخشش و فیضِ جناب رشکِ محیط و سحاب لجۂ شرم و حجاب چشمۂ آبِ بقا
اہلِ حیات و ممات شکر کن التفات کوثر و آبِ حیات ساحلِ بحرِ عطا
قدرتِ غفارِ کل مالک و مختارِ کل ساعدِ سردارِ کل بازوئے دستِ خدا
مثلِ جنابِ امیر دادرسِ ہر فقیر عیشِ یتیم و اسیر وصفِ عطا ہل اتیٰ
اوّلِ آدم امام بعدِ رسولؐ انام ذاتِ شہِ خاص و عام خود خبر و مبتدا
نقشِ قدم شمعِ طور خاص دو نعلینِ نور عینکِ چشمانِ حور زیورِ عرشِ خدا
قبۂ ہفت آسماں تاجِ سرِ قدسیاں قبلۂ ہر دوجہاں سجدہ گہہ نقشِ پا
لطف و عنایت سرشت حامیِ ہر نیک و زشت حُبِ امامِ بہشت صورتِ شرط و جزا
چارۂ جرمِ گناہ ذی کرم امیدگاہ مثلِ حبیب الٰہ شافعِ روزِ جزا
سید غربت نصیب زہر دوا غم طبیب جانِ حسینِ غریب لختِ دلِ مجتبیٰ
روضۂ شاہِ زماں غیرتِ باغِ جناں مثلِ دلِ مومناں مصدرِ خذ ما صفا
تربتِ مرہم سیر باعثِ نورِ نظر بوسہ زنِ سنگِ در حاجرہ ساں آسیا
کنگرۂ بارگاہ رو کشِ خورشید و ماہ حاجب و دربانِ شاہ صاحبِ تاج و لوا
طائرِ بالائے بام قدسیِ عالی مقام صرصرِ کوئے امام مالکِ ملکِ سبا

سایۂ دیوار و در پرتوِ شمس و قمر　　بہر گدا تاجِ سر غیرتِ بالِ ہما
نہر و رواقِ امام زمزم و بیت الحرام　　سقف و زمیں لا کلام فخرِ صفا و منا
مثلِ سگِ آستاں حالِ تعشق عیاں
گوش کن اے مہرباں سوئے فغانِ گدا

(10)

جلوہ گاہ حضرتِ صاحب ہے جائے سامرہ　　انتہا ایمان کی ہے ابتدائے سامرہ
باغِ جنت ہے یہ لبریز ہوائے سامرہ　　پھول توڑیں تو خدا نکلے فدائے سامرہ
پھر دکھادے اے فلک مجھ کو فضائے سامرہ　　تو رہے باقی زمیں پر تا بقائے سامرہ
صورتِ برگِ خزاں ساتوں فلک اڑتے پھریں　　گر ذرا بھی تیز ہوجائے ہوائے سامرہ
گلشنِ جنت کے پھولوں کو سمجھتی ہے جو خار　　اپنے دامن کو سمیٹے ہے ہوائے سامرہ
قم باذن اللہ مردوں سے کہے تو کیا عجب　　روح ہے جسمِ مسیحا کی ہوائے سامرہ
طائرانِ گلشنِ جنت کے ہل جاتے ہیں دل　　جب ہوا سے جھومتے ہیں نخلہائے سامرہ
اے نسیمِ خلد لا کوثر کی موجوں کو ادھر　　چاہیے ہے بوریا بہرِ گدائے سامرہ
حوریں جنت کے دریچوں پہ کہتی ہیں بہم　　جان آتی ہے جو آتی ہے ہوائے سامرہ
شاخِ خشک ماہِ نو سے ہو نمایاں برگِ سبز　　گر چلے صحرائے گردوں میں ہوائے سامرہ
غنچۂ دل کچھ شگفتہ ہوتے ہوتے رہ گیا　　آتے آتے پھر گئی شاید ہوائے سامرہ
نور کا پتلا زمیں ہے قدرتِ معبود سے　　مہر ہے ایک ذرۂ زریں قبائے سامرہ
گل مرا محبوب ہے رضواں ترا محبوب خار　　تو فدائے خلد ہے میں ہوں فدائے سامرہ
پھونکتے ہیں روح جسمِ حضرتِ داؤد میں　　نغمہائے طائرانِ خوشنوائے سامرہ
بلبلِ باغِ جناں جب تک نہ اگلیں گے لہو　　چپ نہ ہوں گے طائرانِ خوشنوائے سامرہ
مرثیہ مجھ کو ہوئی آوازِ مرغانِ جناں　　یاد آئے طائرانِ خوشنوائے سامرہ

عرش اعظم تکیۂ سر تکیۂ پہلو فلک ہے مہ نو زانوے پاکِ گدائے سامرہ
میں کہیں جنت میں اے رضواں نہ ہو جاؤں مریض ہے موافق طبع کے آب و ہوائے سامرہ
بند رگہاے گلِ جنت کی گلیاں ہیں تمام جب سے اے رضواں کھلے ہیں کوچہائے سامرہ
صاف و پاکیزہ جو دیکھیں ہم نے راہیں خلد کی پھر گئی آنکھوں کے آگے کوچہائے سامرہ
فرق کب ہے سب محمدؐ سے محمدؑ تک ہیں ایک جو خبر ہے بس وہی ہے مبتدائے سامرہ
روز و شب ہے کیا نزولِ رحمت پروردگار نور باراں ہے میان کوچہائے سامرہ
اے ابد کیا چیز دنیا میں ازل کس کا ہے نام ابتدا یہ ہے تو وہ ہے انتہائے سامرہ
رہبری کا لے لیا عہدہ جنابِ خضر نے ٹھوکریں کھاکر میانِ کوچہائے سامرہ
آرہی ہے یہ لبِ گورِ سلیماں سے صدا اے زہے طالع جو بنجائے گدائے سامرہ
ہیں جو بینا غنچہ و گل کے دیتے ہیں مثال خلد اتنا تنگ ہے پیشِ فضائے سامرہ
یاد کر کے حضرت آدم نہ روئیں کس طرح وام لی ہے باغِ جنت نے فزائے سامرہ
قائم آلِ پیمبرؐ کی ولادت گاہ ہے ہے بنائے عالمِ امکاں بنائے سامرہ
طائرِ وحشی پھڑکتا ہے قفس میں جس طرح یوں مرا دل خلد میں تڑپا برائے سامرہ
غنچۂ تصویر تھا عقدہ مری امید کا کھل گیا دل جب ادھر آئی ہوائے سامرہ
آسماں کا سائبان نیلگوں کوتاہ ہے کم نہیں ہے لا مکاں سے بھی فضائے سامرہ
اس قدر سرسبز اے رضواں ہوا کیونکر بہشت کیا ادھر سے ہو کے نکلی ہے ہوائے سامرہ
اس قدر دنیا میں کیوں خورشید محشر کی ہے دھوم ہے فقط اک قطرۂ بحرِ ضیائے سامرہ
وہ جواب اس کا ہے دنیا میں یہ اس کا ہے جواب عرش کا ہمسر نہیں کوئی سوائے سامرہ
کب بھلا خورشید کے آگے ہے شبنم کا وجود ہے فنا آبِ بقا پیشِ بقائے سامرہ
اوج پر پائے فلک زیبائے صاحب کا ہے فیض عرش کے تارے بنے ہیں ذرہ ہائے سامرہ
چشمۂ آبِ بقا کے گرد ہے کیا اے خضر خاک چھان آکر میان کوچہ ہائے سامرہ
جیسے آدم روئے تھے دنیا میں جنت کے لیے روؤں گا میں خلد میں جا کر برائے سامرہ
ہم گدا ہوتے تو کہہ دیتے سلیماں سے ضرور چھوڑ تختِ سلطنت لے بوریائے سامرہ

آفتاب حشر تکمہ ہے گریباں ہے ہلال نجم ہیں پیوند ملبوسِ گدائے سامرہ
وہ گدا ہوں خلد کے غنچوں پہ یہ شک ہے مجھے جابجا رکھے ہیں لپٹے بوریائے سامرہ
قبر ہے جیسے گوارا آدمی کو بہر خلد روح آئی جسمِ خاکی میں برائے سامرہ
رشکِ رضواں گلشنِ ہستی میں ہو ہر باغباں گل فشانی پر جو آجائے ہوائے سامرہ
ہے تجلی گاہ کا نقشہ مرا نقشِ حیات دل ہے غیبت کی جگہ سینہ فضائے سامرہ
اے دمِ عیسیٰ نسیمِ خلد کا گل ہے چراغ کیا ہوا تیری بندھے پیش ہوائے سامرہ
چھوڑ اے جم تاج سر سرتاجِ عالم ہو کے رہ جام لے کر ہاتھ میں بنجا گدائے سامرہ
کیمیا سے دشمنی اکسیر سے دل میں غبار زرد مٹی ہے طلا پیشِ گدائے سامرہ
چرخ کہتا ہے زمیں ہے روح میرے جسم کی ہیں مری آنکھوں کے تارے ذرہ ہائے سامرہ
جل کے سرمہ ہوگیا برقِ نگہ سے کوہ طور چشم موسیٰ میں دیا تھا طوطیائے سامرہ
یا امامِ عصر آنکھوں میں لگاتے ہیں مسیح خاک ہے تیرے قدم کی طوطیائے سامرہ
روزِ اول مثلِ آدم خلد کا ہوتا جو حکم مانگتا میں اپنے مالک سے رضائے سامرہ
غم کدہ معلوم ہوتا ہے مجھے باغِ جناں ہے نظر میں عالم عشرت سرائے سامرہ
روحِ آدم کی فرشتوں کے بنے جسمِ لطیف جب رہی باقی ازل میں کچھ صفائے سامرہ
کوئی ہو اس میں دمِ عیسیٰ ہو یا آبِ بقا ہر نفس ہیں طالب آبِ بقائے سامرہ

اے فرشتو ہے تعشق کا یہی نام و نشاں
دفترِ اعمال میں لکھ دو گدائے سامرہ

قصیدہ مجمع البحرین

11

ہے مقام نور دنیا میں مقام کاظمین — صبح جنت پر ہنسا کرتی ہے شام کاظمین

تثنیہ کوئی کہے واحد کو یہ ممکن نہیں — دو اماموں سے ہوا مشہور نام کاظمین

کون وہ جا ہے جہاں ہوں ایک جا دو آفتاب — ایک بس دونوں جہاں میں ہے مقام کاظمین

ہمسری کا ہے اگر دعوا تو پھر آ سامنے — اے صبا یہ خلد کو پہنچا پیام کاظمین

صبح جنت کو فروغ اپنا دکھانے کے لیے — چاند کا لے کر چراغ آتی ہے شام کاظمین

کیوں نہ پہنچے گا سر تسلیم تا خاک نیاز — اور جھک جا اے فلک بہر سلام کاظمین

دیکھ کر حوروں کے عارض اور گیسو خلد میں — میں یہ سمجھا مل رہی ہیں صبح و شام کاظمین

اپنی پوشش کا جو کعبے کو ہے منظور احترام — وام لے اترا ہوا ملبوس شام کاظمین

روشنی جاتی رہی بالکل چراغ طور کی — اس قدر روشن ہوا دنیا میں نام کاظمین

ہیں وہاں مدفون جو دو لخت جگر شبیر کے — کربلا کا پارۂ دل ہے مقام کاظمین

پھر سلیماں کو نہ ہو کونین کی شاہی قبول — دے اگر اللہ عہدہ انتظام کاظمین

دو اماموں سے رہا کونین میں باقی نشان — نقش ہے دونوں جہاں کے دل میں نام کاظمین

صورت جنت وہاں آٹھوں پہر ہے وقت صبح — نور برساتی ہوئی آتی ہے شام کاظمین

ہیں جو عالی ظرف کم ظرفوں کو ہے ان سے فروغ — دور بزم دہر کا ہر ایک جام کاظمین

خلد کے پھولوں کی نکہت سے پریشاں ہو دماغ — دو گلوں سے کیا معطر ہے مقام کاظمین

پیش حق ہیں فرد یوں ہیں فرد کونین میں — ہے زبان حال سے ہر دم پیام کاظمین

ہے عجب گلشن خزاں کا بھی نہیں کھٹکا جسے — صورت گلزار جنت ہے دوام کاظمین

سب ہیں اس کے تحت میں اعلیٰ سے بھی اعلیٰ یہ ہے — مثل کرسی عرش ہے جائے قیام کاظمین

ہے تعشق دل نثار اس شمسۂ پرنور پر
چرخ کہتا ہے جسے ماہ تمام کاظمین

12

مجمع ہے عاشقانِ شہِ قلعہ گیر کا
کس رنگ پر ہے باغ جناب امیرؑ کا

یہ رنگ ہے عطائے جناب امیرؑ کا
ابر بہار ہوگیا دامنِ فقیر کا

رتبہ ہمائے بھی ہے سوا مجھ فقیر کا
ہوں کلب آستانِ جنابِ امیرؑ کا

مشتاق ہوں جو بوئے جنابِ امیرؑ کا
بستر ہے کوچۂ رگِ گل میں فقیر کا

افتادہ ہوں میں کوئے جنابِ امیرؑ کا
بالین سر ہے دستِ مہ نو فقیر کا

ہوں میں گدا قدیم جنابِ امیرؑ کا
ہے آفتاب کاسۂ کہنہ فقیر کا

گلزار پر کرم ہے جنابِ امیرؑ کا
ہے پھول تہ کیا ہوا جامہ حریر کا

شوریدہ سر ہوں عشق جنابِ امیرؑ کا
صحرائے رستخیز ہے دامن فقیر کا

جبرئیل مدح خوان ہے جناب امیر کا
نغمہ ہے آسماں پہ میرے ہمصفیر کا

تحریر وصف ہے مئے خم غدیر کا
خط ہے سیاہ مست قلم کے صریر کا

ہوں گوشہ گیر کوئے جناب امیر کا
پہلو نشیں ہے عرش معظم فقیر کا

نور ایک ہے نبیؐ و جناب امیرؑ کا
ہے جو لباس شاہ وہ جامہ وزیر کا

تابع جواں ہے تیری عنایت سے پیر کا
مل کر کمان سے کام نکلتا ہے تیر کا

کچھ نام روزِ حشر نہ نکلا فقیر کا
تحریر تھا غلام جنابِ امیرؑ کا

مستو اگر ہے عشق جنابِ امیرؑ کا
قطرہ نچھوڑنا مئے خمِ غدیر کا

ہر موئے تن برنگ زباں ہے فقیر کا
ایسا مزا پڑا مئے خمِ غدیر کا

ہے شوق دید چشم جناب امیرؑ کا
رگ رگ میں جوش ہے مئے خمِ غدیر کا

نکلا نہ دل سے عشق جناب امیرؑ کا
چھلکا نہ جام بادۂ خمِ غدیر کا

ساقی ہے چرخ بزم جناب امیرؑ کا
خورشید جام ہے مئے خمِ غدیر کا

تڑپا رہا ہے عشق جناب امیرؑ کا
کانٹا لگا ہے بادۂ خم غدیر کا

ہوں مست ازل سے عشق جناب امیرؑ کا
شاہد ہے پیچ و تاب نقوشِ حصیر کا

تن ہے بہارِ فقرِ جنابِ امیرؑ کا پھولا ہوا ہے باغ نقوشِ حصیر کا

عالم ہوں علم فقرِ جنابِ امیرؑ کا مضموں ہے انگلیوں پہ نقوشِ حصیر کا

ظاہر ہے کثرِ فقرِ جنابِ امیرؑ کا جامہ ہے تار تار نقوشِ حصیر کا

تن ہے عرق فشاں فقیری امیرؑ کا نیساں برس رہا ہے نقوشِ حصیر کا

ہے سرخ جسمِ زار جنابِ امیرؑ کا کیا بار ہے لباس نقوشِ حصیر کا

اللہ رے اوجِ فقرِ جنابِ امیرؑ کا رتبہ فزوں ہے مسندِ جم سے حصیر کا

لکھوں جو حالِ فقرِ جنابِ امیرؑ کا سطریں دکھائیں رنگ نقوشِ حصیر کا

دیکھا جو فیضِ فقرِ جنابِ امیرؑ کا سمجھے ہوا سحاب کو سایا حصیر کا

ادنا اثر ہے خلقِ جنابِ امیرؑ کا ڈوبا ہوا ہے عطر میں جامہ فقیر کا

ارشاد تھا مدام جنابِ امیرؑ کا ہوں بندۂ ذلیل خدائے قدیر کا

مخفی نہیں ہے حال جنابِ امیرؑ کا مالک ہے کارخانۂ ربِّ قدیر کا

ہر دم یہ زمزمہ ہے مرے ہمصفیر کا شاگرد ہوں ازل سے جنابِ امیرؑ کا

پائے جو حکم عدل جنابِ امیرؑ کا شعلہ ہو خس کے واسطے جامہ حریر کا

پوشیدہ کب ہے اوج نبیؐ کے وزیر کا ہے زیبِ عرش نام جنابِ امیرؑ کا

ساقی یہ نور ہے مئے خمِ غدیر کا جو برج آفتاب ہے سینہ فقیر کا

زیب کمان ہے ہاتھ میرے دست گیر کا ہر مرغ جان شکار ہے شہباز تیر کا

عاشق ہوں میں ازل سے جنابِ امیرؑ کا پتلا بنائے خاکِ نجف سے فقیر کا

آیا جو بے کلاہ کیا اس کو تاجدار دستور تھا یہ شاہ رسلؐ کے وزیر کا

خورشید کانپتا ہے اسی وجہ سے مگر دیکھا ہے منہ غضب میں جنابِ امیرؑ کا

کب آفتاب صبحِ بہاری ہے اے صبا گل ہے چراغِ بزمِ جنابِ امیرؑ کا

سودا ہو مرغ رنگ چمن خار و خس چنے دیکھے جو رنگ روئے جنابِ امیرؑ کا

کب آرہی ہے نزع کے عالم میں ہچکیاں دم بھر رہا ہوں عشقِ جنابِ امیرؑ کا

اکسیر ہے گداؤں کو خاکِ درِ علیؑ زر تار ہے لباس نقوشِ حصیر کا

قربِ علیؑ کا خواب میں بھی جو خیال ہے — وشتِ نجف کا سنگ ہے پتلا فقیر کا

کب آ گیا ہے نیّرِ اکبر میان ابر — چہرہ نقاب میں ہے علیؑ کے فقیر کا

عشق ابوتراب ہے مر کر بھی اے صبا — لے چل غبار دشتِ نجف کو فقیر کا

امداد اے شناورِ دریائے انما — طوفاں میں آگیا ہے سفینہ فقیر کا

قربان فیض نیّرِ بطحےٰ پر آفتاب — ہے لعل شب چراغ پیالہ فقیر کا

کیا خوشنما ہیں گوہرِ مقصود یا علیؑ — ہے گوشِ حور گوشۂ دامن فقیر کا

اپنی سرشت میں ہے ولائے ابوتراب — خاکستری ہے جامۂ ہستی فقیر کا

موسیٰؑ کے ہمنشیں ہیں ترے طالبِ جمال — بالائے کوہ طور ہے بستر فقیر کا

نکلوں نہ کوئے عشق سے یہ ہے مری دعا — یارب اسی گلی میں ہو بستر فقیر کا

شاہا یہ نشہ مئے الفت سے چور ہوں — ہے رشکِ چشم مست پیالہ فقیر کا

ہیں کیا لطافتیں ترے کوچے کے نور میں — مہتاب ہے سمور کلاہِ فقیر کا

محشر کی دھوپ تیرے گدا کو ہے ناگوار — زیرِ لوائے حمد ہو بستر فقیر کا

دردِ فراقِ دشتِ نجف دل میں ہے غضب — نالہ ہے رشکِ صورِ قیامت فقیر کا

بھر کر غمِ فراق سے ٹوٹے نہ دل شہا — نازک ہے آئینہ سے پیالہ فقیر کا

کثرت یہ شوق بیعت دست خدا کی ہے — کوچہ ہے بند ہاتھ کی ہر ایک لکیر کا

ہم رتبہ کب حضور رس و دور دست ہیں — عالم میں غیر جنس ہے گندم شعیر کا

چاہی جو نظم خلق شۂ بے نیاز نے — مولد ہوا ہے کعبہ نبیؐ کے وزیر کا

ہوں پاک دامن آبروئے عشق شاہ سے — دھویا ہوا ہے پیرہن آبِ کثیر کا

دعوت کی نعمتوں میں جو کی نان جو پسند — کاسہ ہے رو سفید خجالت سے شیر کا

اس نظم کے صلے میں تعشق بہشت پائے
شاہا قبول کیجیو ہدیہ فقیر کا

13

لاکھ جان سے بلبل دل سے نثار بوترابؑ
ہے مرے گلشن کا لالہ داغدارِ بوترابؑ

اے صبا بعدِ فنا بھی ہوں نثارِ بوترابؑ
خاک میری پھرتی ہے گردِ مزارِ بوترابؑ

ہوں سراپا مو بہ مو خدمت گزارِ بوترابؑ
دل مرا کیوں کر نہ ہو آئینہ دارِ بوترابؑ

آنکھ جھپکی دیکھ کر نورِ عذارِ بوترابؑ
مہر سے عیسیٰ ہوئے آئینہ دارِ بوترابؑ

روزِ پرسش کے تصور میں جہاں گھبرائے ہم
دل نے بتلایا بتانا دوست دارِ بوترابؑ

لاکھ صرصریں ہوں ہوائیں بھی چلیں پر گل نہ ہو
نور ہے پروانۂ شمعِ مزارِ بوترابؑ

کیا رکے روکے سے تیرے اے صبا میرا غبار
یہ مقرر جائے گا سوئے مزارِ بوترابؑ

جس کو تکیہ ہے علیؑ پر ہیچ ہے دنیا اسے
بسترِ گل پر نہ رکھیں پاؤں خارِ بوترابؑ

اس طرح کے باغ میں کیا کام آتش کا بھلا
موجِ گل ہے شعلۂ شمعِ مزارِ بوترابؑ

دل بہت مسرور ہے ہنس ہنس کے کہتے ہیں گدا
قصہ انگشتری ہے یادگارِ بوترابؑ

روضۂ اقدس میں حُسنِ خلق سے خوشبو ہے یہ
لخلخہ ہے شعلۂ شمعِ مزارِ بوترابؑ

ابرِ رحمت سے زیادہ ہے کہیں دستِ کرم
آب سے رطب اللسان ہے ذوالفقارِ بوترابؑ

اپنے بستر پر سلایا آپ پوشیدہ ہوئے
تھا محبت میں نبیؐ کو اعتبارِ بوترابؑ

جان آئے شمعِ مردہ میں نصیری کی طرح
سونگھ لے گر نکہت خاکِ مزارِ بوترابؑ

ساتھ حیدرؑ کے گئی تزئینِ عروسِ فتح کی
جائے زیور تھے سلاح کارزارِ بوترابؑ

زینت دنیا شۂ دیں کے گداؤں کو ہے ننگ
مفت غنچوں سے نہ لیں ملبوس خارِ بوترابؑ

جنگِ خیبر سر نہ ہوتی تھی کہ آیا حکمِ رب
یا محمدؐ جلد بھیجو ہے یہ کارِ بوترابؑ

روشنی پائی سحر نے فیضِ روئے شاہ سے
شام ہے اعجازِ زلفِ مشکبارِ بوترابؑ

ہے اندھیرا قبر میں گھبرا رہا ہوں دیر سے
جلد اب طالع ہو اے مہرِ عذارِ بوترابؑ

زلفِ حیدرؑ کا تصور ہے سیاہی چشم کی
اپنی آنکھیں ہیں غزالانِ تتارِ بوترابؑ

قالبِ خاکی خوش آیا عالمِ ایجاد میں
تھا جو آدم میں طریقِ انکسارِ بوترابؑ

کر نہ ہنگامہ بہت کیا فائدہ اے شورِ حشر — اٹھ چکے افتادگانِ رہگزارِ بوترابؑ
ہوں وہ بلبل ہے مرا گلشن فدائے نامِ شاہؑ — جب کھلا غنچہ صدا آئی نثارِ بوترابؑ
خلد کا طالب نہیں میں ساکنِ باغِ نجف — ملتے ہیں رضواں سے کھنچ کر دوست دارِ بوترابؑ
جس کو چاہیں دیں جہنم جس کو چاہیں دیں جناں — ہے یہ سرکارِ خدا میں اختیارِ بوترابؑ
جب پڑھی بیرالالم میں سرورِ دیں نے نماز — گرد پھر کے تیغ ہوتی تھی نثارِ بوترابؑ
پیشوائی کو چلا اڑ کر تنِ خاکی مرا — جب صبا لائی غبارِ رہگزارِ بوترابؑ
آ گئی فیضِ قدم سے قالبِ خاکی میں جان — بن گئی آدم زمینِ رہگزارِ بوترابؑ
پر کٹے ضرب آ گئی بازو میں اے روح الامیں — خوب روکی واہ ضربِ ذوالفقارِ بوترابؑ
آج مجھ کو اے زمیں جی بھر کے تو دے لے فشار — خیر سمجھوں گا اگر ہوں دوست دارِ بوترابؑ
روح نکلی ہے بدن سے حسرتِ پابوس میں — دفن کرنا مجھ کو پائینِ مزارِ بوترابؑ
نام کو آتش نہیں میرے عناصر میں شریک — روزِ اول سے ہوں ایسا دوست دارِ بوترابؑ
بن گئی فیضِ قدم سے خاک مثلِ کیمیا — زرفشاں ہیں ذرہ ہائے رہگزارِ بوترابؑ
پاؤں میرے جب کئے احباب نے قبلہ کی سمت — آپ سے منہ پھر گیا سوئے مزارِ بوترابؑ
دانۂ یاقوت سب قطرے عرق کے بن گئے — واہ کیا خوش رنگ ہے رنگِ عذارِ بوتراب
ہم نے جب پوچھا مرض کیا ہے تو نرگس نے کہا — آنکھ کھل کے رہ گئی ہے انتظارِ بوترابؑ
رکھتے ہیں حیدرؑ سے کیا دل بستگی اسبابِ فقر — ہے نشانِ بوریا تک ہم کنارِ بوترابؑ
ہے خیابانِ گلستانِ جناں میری لحد — گل فشاں ہے قبر میں رنگِ عذارِ بوتراب
دیکھ گلشن میں بہار خوفِ حق روح القدس — خشک مانند شجر ہے جسمِ زارِ بوترابؑ

اے تعشق جی میں ہے اپنا کفن لکھوائیں ہم
ہاتھ آ جائے جو خاکِ رہگزارِ بوترابؑ

(14)

شہا کچھ شک نہیں محسن ہے تو ساری خدائی کا
ترے گھر سے ملا مریم کو جامہ پارسائی کا

نہیں شیعوں کے دل ہرگز صدا ہے جوشِ الفت کی
گرہ ہے عشق سینوں میں تری عقدہ کشائی کا

کہاں ہے بدر پہنچا تھا جو صدمہ دستِ حیدرؑ سے
ورم کم ہو کے بڑھتا ہے مہ نو کی کلائی کا

نہیں کچھ خوفِ محشر گر ہمارا دل سلامت ہے
بغل میں اپنی محضر ہے علیؑ کی آشنائی کا

لطافت سے بنایا ہے ترے جسمِ مطہر کو
نظر منہ دیکھ لیتی ہے یہ عالم ہے صفائی کا

اگر کونین کی شاہی ملے گی ہم فقیروں کو
مزا دل سے نہ جائے گا ترے در کی گدائی کا

کدورت کفر کی سینوں سے کھوئی تیغ جب کھینچی
اثر ہے تیرے ہاتھوں میں ترے دل کی صفائی کا

مرے پر بھی دلِ جمشید میں حسرت یہ باقی ہے
درِ دولت سرا ہو میں ہوں اور کاسہ گدائی کا

یے ادریسؑ نے حلّے ترے شیعوں کے جنت میں
بڑھایا ہے نئی صورت سے رشتہ آشنائی کا

ترے درویش سے ہے التجا سارے زمانے کو
مجھے مہرِ سلیماں ہوگیا کاسہ گدائی کا

جو روضہ پر نہ پہنچیں گے تو مر کر تجھ کو دیکھیں گے
نہیں پابند شوق اپنا مقدر کی رسائی کا

اسیر آ کر جو ہو دشتِ نجف میں طائرِ جنت
تڑپ کر جان دے گر نام آجائے رہائی کا

اٹھاؤں گا نہ تیرے سنگِ در سے میں کبھی سر کو
برنگ آسیا ہے شوق مجھ کو جبہ سائی کا

جلا پاتے نہ گر آئینۂ دل عشقِ حیدرؑ سے
کدورت نام ہو جاتا زمانے میں صفائی کا

کبھی حاصل نہ ہوتی آبرو دنیا میں بے تیرے
ترے دامن نے پردہ رکھ لیا ہے پارسائی کا

ترے جسمِ مطہر میں لطافت سے یہ لطافت ہے
نظر آتا ہے سائے کی طرح نقشہ صفائی کا

نہ بچتی کشتی دیں گر نہ بہتے خون کے دریا
دیا ہے تیغ کے پانی کو عہدہ ناخدائی کا

رگِ جاں ہے قلم دیکھے مسیحائی جو ہونٹوں کی
ہوا آبِ بقا سے استحالہ روشنائی کا

زیارت میں نے کی تیری جو مارا رنجِ فرقت نے
رسائی شکر کرتی ہے نہایت نارسائی کا

خبر لی نزع میں یاں واں مدد کی آ کے تربت میں
کھلا کونین پر عقدہ تری مشکل کشائی کا

ہوئیں پُرنور آنکھیں جب رقم دیکھی ثنا تیری
سوادِ چشم ہم نے نام رکھا روشنائی کا

نہ چین آیا کہیں کونین میں جز پہلوے حیدرؓ
مقرر اسم آدمؑ میں الف ہے آشنائی کا

کبھی ہوتی نہیں حرفوں کو حاجت صاف کرنے کی
بندھا جس شعر میں مطلب ترے دل کی صفائی کا

دل و چشم دو عالم جلوہ گاہ نور حیدرؓ ہے
وہی مالک ہے خشکی کا وہی مالک ہے ترائی کا

ہمیشہ مصطفیٰ آنکھوں میں رکھتے تھے برادر کو
بجز شیر خدا ضیغم نہیں اور اس ترائی کا

میں وہ درویش ہوں تیرا عدم میں بھی یہ کہتا تھا
بجائے کاسۂ سر چاہیے کاسہ گدائی کا

سنا ہے بعد مرگ امداد کو تشریف لاتے ہیں
ہمارا بھی ارادہ ہے لحد تک پیشوائی کا

کہا دربانِ حیدر ہم کو سارے اہل محشر نے
ہوا مہر گواہی داغ اپنی جبہ سائی کا

ملک قائل ہیں تیری ضرب کے شاہا بشر کیسے
پرِ جبرئیل دفتر ہے تری تیغ آزمائی کا

نجف میں آرہے پہلے سے سن کر آمدِ حیدرؓ
کیا ایجاد آدمؑ نے طریقہ پیشوائی کا

لحد پُرنور رہتی ہے ترے در کے گداؤں کی
ہمیں ہے شمع بالیں داغ اپنی جبہ سائی کا

سرِ جمشید و کے کاؤس کے ٹھکرا کے چلتا ہوں
غرور اے شاہ مجھ کو ہے ترے در کی گدائی کا

جو ہیں پاکیزہ و طاہر ترے دم سے ہیں وابستہ
ترے ہر گوشۂ دامن میں گھر ہے پارسائی کا

نہ دیکھا سوئے فردوس آنکھ اٹھا کر کوئے حیدرؓ میں
مقرر ہے خازنِ جنت مری بے اعتنائی کا

کیا ہے نام پیدا تیرے در کے پاسبانوں میں
جو مانند نگیں ہے ذوق مجھ کو جبہ سائی کا

میانِ قبرِ حیدرؓ کی طرح آؤ تو ہم جانیں
خضر سیکھو ابھی چندے طریقہ رہنمائی کا

چڑھی رہتی ہے تپ جس دن سے تیرا غیظ دیکھا ہے
پے تسکین دل ہے ذوق شیروں کو ترائی کا

جو تھاما دامن حیدرؓ گئے کفار جنت میں
ہر اک رشتہ فتیلہ ہے چراغ رہنمائی کا

تجلی دیکھ لی تیری غش آیا گر تو خیر آیا
اٹھایا ہے کلیم اللہ نے لطف آشنائی کا

درِ جنت مری تربت کی جانب کھول دے شاہا
بہت کونین میں غل ہے تری مشکل کشائی کا

پہنچی ہیں آب میں تیغیں بدن زخمی ہیں زرہوں کے
اثر ہے آج تک دنیا میں خیبر کی لڑائی کا

علیؑ اسلام کی حرمت علیؑ پاکیزہ و طاہر
غزال کعبہ ہے ضیغم ہے کوثر کی ترائی کا

نہ کھولیں آنکھیں نے جب نکیریں آئے تربت میں
تری الفت وسیلہ ہوگئی بے اعتنائی کا

لحد پرنور ہے یارب یہ کس کی آمد آمد ہے
نظارہ کر رہا ہوں میں تری قدرت نمائی کا

ترے مداح کو ہوتا ہے صدمہ نام فرقت سے
کلیجہ ہل گیا جب قافیہ باندھا جدائی کا

ملا دے خاک میں اپنے کو ملنا ہو جو حیدرؑ سے
لحد کہتے ہیں جس کو ہے وہ کوچہ آشنائی کا

لحد نزدیک ہے ملتے ہیں چل کر اپنے آقا سے
دل بے تاب تھوڑا سا زمانہ ہے جدائی کا

زمین کعبہ کہتی ہے شرف پایا ترے در سے
بنا ہے سنگِ اسود داغ اپنی جبہ سائی کا

دلا گھبرا نہ گورِ تنگ سے حضرت اب آتے ہیں
ذرا مشکل سے طے ہوتا ہے کوچہ آشنائی کا

بنایا احمدؐ و حیدرؑ کو حق نے نور واحد سے
جدا ہونا نہایت شاق تھا بھائی کو بھائی کا

گھڑی ہے امتحاں کی سانس کب رک رک کے آتی ہے
دم آخر ہے دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا

جبینِ نو کیا کرتا ہے پیدا ہر مہینے میں
ترے در پر مہ نو کو مزا ہے جبہ سائی کا

بلالے روضۂ اقدس پہ جلدی اپنے خادم کو
تعشق اب اٹھا سکتا نہیں صدمہ جدائی کا

کتابیات

☆ دیوان حضرت تعشق علیہ الرحمہ — ۱۳۲۷ھ — مطبع شام اودھ لکھنؤ

☆ براہین غم۔ جلد اول — ۱۸۹۱ء — مطبع اسلامی لکھنؤ

☆ براہین غم جلد دوم — ۱۸۹۱ء — مطبع اسلامی لکھنؤ

☆ دور تعشق — ۱۹۴۶ء — مہذب لکھنوی۔ نظامی پریس لکھنؤ

☆ افکار تعشق۔ جلد اول — ۱۹۵۱ء — مہذب لکھنوی۔ نظامی پریس لکھنؤ

☆ افکار تعشق۔ جلد دوم — ۱۹۵۲ء — مہذب لکھنوی۔ نظامی پریس لکھنؤ

☆ دبستان عشق کی مرثیہ گوئی — ۱۹۷۳ء — ڈاکٹر جعفر رضا نیشنل کتاب گھر الہ آباد

☆ وسیلۂ نجات — ۱۹۸۷ء — شہید یار جنگ۔ اعجاز پریس۔ حیدرآباد

☆ اردو غزل — ۱۹۹۶ء — ڈاکٹر یوسف حسین۔ معارف پریس۔ اعظم گڑھ

☆ سلک سلام دبیر — ۲۰۰۴ء — ڈاکٹر سید تقی عابدی۔ چغتائی پبلشرز۔ لاہور

☆ ذکر دُر باران — ۲۰۰۶ء — ڈاکٹر سید تقی عابدی۔ القمر انٹرپرائزز۔ لاہور

☆ براہین غم۔ جلد سوم — ۱۸۹۱ء — مطبع اسلامی لکھنؤ

(Hayat, Shakhsiyat Fun aur Kalam)

By :

Dr. Syed Taghi Abedi

SHAHID PUBLICATIONS

2253, Resham Street, Kucha Chelan, Darya Ganj

New Delhi - 110002 India - Phone : 011-23272724

E-mail : drshahidhusain_786@yahoo.co.in